حادثہ کربلا کا پس منظر

اور

شیخ الحدیث محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی

کی تین کتابیں

(۱) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان

(۲) شہدا کربلاؓ پر افترا

(۳) یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اُستاذ جواہر لال یونیورسٹی دہلی

ناشر: مکتبہ سید احمد شہید

10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: 7223862-7228272-7228196

نام کتاب: حادثہ کربلا کا پس منظر

مصنف: شیخ الحدیث محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالے

ناشر: مکتبہ سید احمد شہید

ناشر:
مکتبہ سید احمد شہید
10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: 7223862-7228272-7228196

در معنئ حریت اسلامیه و سر حادثه کربلا

علامہ اقبال

هر که پیماں با هو الموجود بست　　گردنش از بند هر معبود رست

مومن از عشق است و عشق از مومن است　　عشق را نا ممکن ما ممکن است

عقل سفاک است و او سفاک تر　　پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل　　عشق چوگاں باز میدان عمل

عشق صید از زور بازو افگند　　عقل مکار است و دامے می زند

عقل را سرمایه از بیم و شک است　　عشق را عزم و یقیں لاینفک است

آں کند تعمیر تا ویراں کند　　ایں کند ویراں که آباداں کند

عقل چوں باد است ارزاں و جہاں　　عشق کمیاب و بہائے وگراں

عقل محکم از اساس چون و چند　　عشق عریاں از لباس چون و چند

عقل میگوید که خود را پیش کن　　عشق گوید امتحان خویش کن

عقل با غیر آشنا از اکتساب　　عشق از فضل است و با خود در حساب

عقل گوید شاد شو، آباد شو　　عشق گوید بنده شو آزاد شو

عشق را آرام جاں حریت است　　ناقه اش را ساربان حریت است

آں شنیدستی که هنگام نبرد　　عشق با عقل هوس پرور چه کرد

آں امام عاشقاں پور بتول　　سرو آزادے ز بستان رسول

الله الله بائے بسم الله پدر　　معنئ ذبح عظیم آمد پسر

بہر آں شہزادهٔ خیر الملل　　دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او　　شوخی ایں مصرع از مضمون او

درمیان امت آں کیواں جناب　　ہمچو حرف قل هو الله در کتاب

موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید　　ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق ازقوت شبیری است باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت حریت رازہر اندر کام ریخیت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم چوں سحاب قبلہ باراں درقدم
برزمین کربلا باریدورفت لالہ درویرانہ ہاکار یدورفت
تاقیامت قطع استبداد کرد موج خون اوچمن ایجاد کرد
بہرحق درخاک وخوں غلطیدہ است پس بنائے لاالہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر خودنکردے باچنیں سامان سفر
دشمناں چوں ریگ صحرالاتعد دوستان اوبہ یزداں ہم عدد
سرابراہیمؑ واسمعیلؑ بود یعنی آں اجمال راتفصیل بود
عزم اوچوں کوہساراں استوار پائدار وتند سیروکارمگار
تیغ بہرعزت دین است وبس مقصد اوحفظ آئین است وبس
ماسواللہ رامسلماں بندہ نیست پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون اوتفسیر ایں اسرار کرد ملت خوابیدہ رابیدارکرد
تیغ لاچوں ازمیاں بیروں کشید ازرگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ برصحرانوشت سطر عنوان نجات مانوشت
رمز قرآں ازحسینؓ آموختیم زآتش اوشعلہ اندوختیم
شوکت شام وفربغداد رفت سطوت غرناطہ ہم ازیادرفت
تارما اززخمہ اش لرزاں ہنوز تازہ ازتکبر اوایماں ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک مابرخاک پاک اورساں

الحسین منی و انا من الحسین
(حدیث)

ناشر: **مکتبہ سید احمد شہید**

10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: 7223862-7228272-7228196

فہرست کتاب

فہرست مضامین

فہرست مضامین

حرف اول

مولانا ابوالحسن علی ندوی

اہل سنت کا مسلک

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر

اس موضوع پر حرف اول بھی ہے اور حرف آخر بھی

آئمہ اہل سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوگئی۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کی حکومت احادیث صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافت راشدہ کے بارے میں تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) خلافت راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب[۱] دہلویؒ اور آخر میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کا مسلک اور تحقیق ہے۔[۲]

اسی طرح گروہ اہلسنت یزید بن حضرت معاویہؓ کو اس دورِ خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں) اس دینداری اور صلاح و تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا جو ایک مسلمان حاکم اور فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا۔ بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل اور عادات کا مرتکب و عادی جانتا ہے جو شرعی حیثیت سے قابل تنقید و مذمت ہیں، پھر انہیں کے عہد میں واقعہ حرہ جیسا سنگین اور قابل شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبل[۳] اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ہے[۴]، دونوں نے سخت الفاظ میں یزید کی

---

۱ ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۱۳۶

۲ ''خلفائے راشدین'' از مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی، ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۹۹۱ء، ۱۴۱۱ھ

۳ ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض ۴ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۷

مذمت کی ہے، لیکن وہ لعن وطعن، سب وشتم اور تبرا سے محترز اور مجتنب اور رفض وتشیع سے بیزار اور اس کے منکر ومخالف تھے[1]۔

اس کے نتیجہ میں اور اس کے پس منظر میں محققین اہل سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انہوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو برسر صواب، شہید راہِ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا باور کرتے ہیں۔

اگر ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف جس کا حاکم وفرماں روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق وعادات قابل تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر برے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج وبغاوت اور انتشار انگیزی کے مترادف قرار دیا جائے تو پھر خاندان سادات ہی کے ان تین صاحب عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبدالملک ابن مروان اور دو آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا جو بہرحال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہاء اور مذاہب فقیہہ اہلسنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید وحمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبدالملک کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو امام ابوحنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی معرکۃ الآراء کتاب "منہاج السنۃ"

[2] ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہؒ ج ۱ ص ۵۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی"

[3] مولانا سید مناظر احسن گیلانی

حرف دوم

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

مقدمہ کتاب

اسلامی تاریخ پر شب خون

یزید بن معاویہؓ ایسا باطل نہ تھا جس کے خلاف مقاومت ضروری تھی یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش جو پاکستان میں محمود عباسی صاحب کی کتاب سے شروع ہوئی تھی، اب ہندوستان میں ایک مخصوص حلقے مین کی جا رہی ہے۔ چنانچہ لکھنو سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کیا گیا ہے اور یزید کی طرف سے بیانِ صفائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک خطرناک اقدام ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق اور محبت کا رشتہ یقینی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ مزید برآں فاسق اور برسرِ باطل اقتدار کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کی تمام کوششوں پر اسکا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ صدرِ اوّل میں حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کوششیں بعد کی صدیوں کے لئے نمونے اور معیار کا کام کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کام کرتی رہیں گی۔

واقعۂ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی واقعی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے اور یزید کے کردار کو بلند و بالا ثابت کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افرادِ خاندان کی کامیاب تربیت نہیں کی ورنہ وہ اپنے ذاتی اقتدار کے حریص بن کر اقتدارِ وقت سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتے۔ پیغمبر برحق جن کو اللہ نے مامور فرمایا تھا کہ بنی نوعِ انسان کے لئے ہدایت کا سامان بہم پہنچائیں اور دعوت کا سلسلہ خود اپنے قریب کے اعزاء و اقرباء سے شروع کریں۔ وانذر عشیرتک الاقربین (اور ڈرائیے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو) انہوں نے خود اپنے گھرانے کو فراموش کر دیا۔ اور ان کی دعوت اور ان کی تربیت کا اور رات دن کی

صحبت کا ان کے گھر والوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ سب حب جاہ کے شکار ہو گئے۔ ایک سچے اور اچھے مسلمان خاندان کی یہ خصوصیت ہر جگہ دیکھی جا سکتی ہے کہ اس کے تمام افراد عقیدہ وعمل کے لحاظ سے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ آدمی جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جو باتیں بچپن میں اس کے کانوں میں پڑتی جو نمونے اپنے خاندان میں دیکھتا ہے اسی کے مطابق وہ قدرتی طور پر ڈھل جاتا ہے۔ عصبیت میں بھی اور محبت میں بھی اس کے دل و دماغ پر اسی نمونے کی چھاپ ہوتی ہے۔ بہت ہی شاذ و نادر لاکھوں کروڑوں میں دو چار ایسے ہوتے ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلق اپنے نواسوں یعنی حضرت حسنینؓ سے تھا اور جس طرح کی شفقت کے واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور حضرات حسنینؓ کے والدین حضرت فاطمہ زہراؓ اور سید علیؓ کرم اللہ وجہہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہرا تعلق تھا اس کے مطابق اور قرین عقل و قیاس اور موافق کتب تاریخ و احادیث و رجال یہ بات ہوگی کہ اہل بیت لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اب ان احادیث کا انکار جن سے ان اہل بیت سے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہو درحقیقت نادانی اور صحاح وسنن کے تمام مجموعے کو مشکوک اور ناقابل اعتبار ٹھہرانا ہے۔ ان عظیم حضرات کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو میدان میں لانا اور اسے ہیرو بنانا جس کے سیاہ کارناموں پر امت کے تمام اکابر متفق ہوں بڑی جسارت کی بات ہے۔

یزید کی کردار سازی اور اسے حاکم برحق قرار دینا درحقیقت ملت اسلامیہ کے دلوں سے اسلام کی اور اہل بیت کی محبت وعظمت کو نکالنے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت سے اسلام کی تاریخ میں غیر شرعی موروثی نظام حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا دراز ہوا کہ ترکی کی خلافت کے خاتمے کے وقت ہی وہ ختم ہو سکا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ واقعۂ حرہ میں مدینے میں انصار و

مہاجرین پر جو قیامت ٹوٹی اس کا ذمہ دار بھی یزید تھا۔ جس نے تین روز تک شام کے لشکریوں کو یہ آزادی دے دی کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس گھر کو چاہیں لوٹ لیں اور جس کی ناموس و عزت چاہیں تاراج کریں۔ کون نہیں جانتا کہ یزید ہی کے حکم سے مسجد نبوی کی حرمت پامال کی گئی۔ وہ بقعہ پاک جہاں جبرئیل امین اترتے تھے اور جس کے ایک حصے کو جنت کی کیاریاں یعنی "ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے۔ وہاں گھوڑے باندھے گئے۔ اب جو شخص بھی ان اعمال سے راضی ہو، اس کی تاویل کرے اور ان اعمال کے ذمہ دار یزید کا وکیل بنکر کھڑا ہو، اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی کیا عزت و وقعت باقی رہ سکتی ہے۔

جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے قتل سے بھی راضی ہیں۔ جو کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور جن کو سب سے پہلی غذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دست مبارک سے ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دندانِ مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا گویا اس عالم وجود میں آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن ہی تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرت حسین کے بعد وہ یزید کی مخالفت میں صف آراء ہوئے اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسر حق سمجھے اور یزید کی کردار سازی کرے تو یہ تاریخ اسلام پر شب خون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرۂ نسب و محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی نہ آپ کے اسوہ میں نہ عمل میں نہ تربیت میں۔ وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین

صحابہ کی تربیت نہ کر سکے۔ مدینے کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے تھے یہ وہ انصار مدینہ تھے جنہوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا ہم آپ کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے آپ کے لئے سمندر میں کود جائیں گے۔ کیا وہ اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

بدنام زمانہ سلمان رشدی نے کھلے بندوں وار کیا تھا اور کھل کر دشمن کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور تمام مسلمانوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور دشمنانِ دین نے اس کی پشت پناہی کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ لیکن محمود عباسی اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اس سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اپنے زہر کو نام نہاد تحقیق کے کیپسول میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو صحیح عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

"نئے مطالعہ کی روشنی میں" واقعہء کربلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی نیا وثیقہ برآمد ہوا ہے اور نہ کوئی نئی تاریخ دستاویز اور نہ لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس سے مصنف کتاب کو نیا مخطوطہ مل سکا ہے۔ تاریخ کے مصادر و مراجع وہی ہیں جن کی روشنی میں سینکڑوں برس سے امت کے اعیان علماء و صلحاء ایک نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش ایک طرح کا فکری شذوذ ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے اور بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پیش نظر کتاب ایسی ہی ایک کوشش ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک علمی اور دینی پیش کش۔ ایک ابتدائی مقالہ کے سوا جسے ہندوستان کے علمی افق پر چھیڑی گئی بحث کے پس منظر میں لکھا گیا ہے پوری کتاب محدثِ جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے قلم سے ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، مصنف لغات القرآن ایک عالم جلیل اور محدثِ کبیر ہیں۔ آپ نے سنن ابن ماجہ کی شرح لکھی

ہے جو ہندو پاکستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی اہل علم کے نزدیک اہمیت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیث نبویہ پر آپ کے قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات کا علمی وزن ہے۔ امام حسن بن زیاد کی کتاب الآثار کی تحقیق آپ کا زبردست علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کے علاوہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالے المدخل فی اصول الحدیث پر آپ کا گراں بہا علمی و تحقیقی تبصرہ الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمان مدظلہٗ نے ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا ہے اور فقہ حنفی میں آپ کو اس درجہ رسوخ حاصل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو اپنے نام نامی کا جزء (نعمانی) بنا لیا ہے۔ اکابر دیوبند سے آپ کو گہرا تعلق ہے۔ دیوبند کے صد سالہ تقریب کے موقع پر الفرقان میں آپؒ کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کو دین حنیف ابراہیمی اور مسلک حنفی کا قلعہ بتایا تھا، کئی مرتبہ مہمان استاد کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس حدیث دیا ہے پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عرصۂ دراز تک احادیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔

جب پاکستان میں محمود عباسی کا فتنہ اٹھا تو اس کو دبانے میں علمائے ہندو پاکستان نے بیش از بیش خدمات پیش کیں۔ ان بزرگوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء اور مشہور دینی محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ہندوستان سے حصہ لیا۔ پاکستان میں حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی کتابیں مکتبۂ اہل سنت کراچی نے شائع کیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عباسی فتنہ چند نیم خواندہ افراد تک سمٹ کر رہ

گیا۔ اب وہاں کوئی عالم دین اس فتنہ میں شریک نہیں ہے۔ ہندوستان میں چونکہ یہ فتنہ نیا نیا شروع ہوا ہے اور بھیس بدل کر نئے انداز میں ابھارا جا رہا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مجلس علمی کی طرف سے اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کی تحریریں شائع کی جائیں اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ کتاب کو غلط افکار و نظریات کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے غلط نظریات کو قبول کرلیا ہے ان کو ان نظریات سے رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔

محسن عثمانی ندوی ۲۸/۸/۱۹۹۲

مجلس علمی، ۱۲۱، ذاکر باغ نئی دہلی ۲۵

۱۸ اگست ۱۹۹۲ء مطابق

۸ صفر ۱۴۱۳ھ

ڈاکٹر حسن عثمانی ندوی

حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر

گزشتہ چالیس برس کے عرصہ میں اس برصغیر میں متعدد ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصود کبھی صاف طور پر اور کبھی اشارتاً یہ ثابت کرنا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام دینی نقطہ نظر سے بھی غلط تھا اور عقل و احتیاط کے بھی خلاف تھا اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی دہرائی جاتی رہی ہے کہ یزید کے اندر کوئی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی ضروری تھی۔ سب سے پہلے تو یہ بات جان لینے کی ہے کہ واقعہ کربلا حضرت حسینؓ اور یزید کی آویزش کے سلسلے میں گزشتہ ایک ہزار برس کے عرصے میں اہل دین و صلحاء ایک موقف رکھتے ہیں یہاں تک کہ مسائل فقہ میں جن چار اماموں کی امت اسلامیہ پیروی کرتی ہے انکا موقف بھی ایک ہے اور ان کے سیاسی بیانات سے ان کے رجحانو میلانات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں کوئی دوسرا موقف اختیار کرنے کا مطلب بہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو ائمہ فقہ سے بڑھ کر فقیہ اور دین میں فہم و بصیرت کا حامل ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔ علماء دین اور ائمہ عظام تسلسل اور تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کو جس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ یہ ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی امت کے اعیان سے مشورت اور استمزاج کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ انہوں نے اقتدار حاصل کر لیا تھا اور لوگوں نے بس ان کی اطاعت کر لی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کی بیعت کے بعد مشہور صحابی اور فاتح عراق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان سے ملے تو انہوں نے السلام علیک یا یھا الملک کہہ کر خطاب کیا یعنی اے بادشاہ آپ

کو سلام۔ حضرت معاویہؓ کو امیر المومنین کے بجائے ملک کہہ کر خطاب کرنا ناگوارہ ہوا۔ لیکن ان کو خود بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ وہ مسلمانوں میں پہلے بادشاہ ہیں۔

بلاشبہ حضرت معاویہؓ کا زمانہ فتوحات کے اعتبار سے اور اسلام کی وسعت و اشاعت کے اعتبار سے اور امن و امان کے اعتبار سے بہت خیر و برکت کا زمانہ ہے وہ صحابیہ رسول اور کاتب وحی تھے اور زبردست انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر فوراً خلافت راشدہ کے بعد ان کا عہد نہ شروع ہوا ہوتا تو لوگ ان کی عظمتوں کے قصیدے پڑھتے اور سیاست وحکومت کے لئے ان کو نمونہ اور معیار سمجھتے لیکن سیاست وحکومت کا یہ چاند گہن میں اس لئے پڑ گیا کہ خلافت راشدہ کے دورِ زریں کے بعد فوراً وہ سر برآرائے سلطنت ہوئے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ پیش نہ آتا جس کے عہد میں حضرت حسینؓ شہید کئے گئے اور ایک دو باتیں اور ہوتیں تو ان کی حکومت کا زمانہ قابل مثال زمانہ قرار پاتا۔ وہ بڑے خدا ترس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت رکھنے والے انسان تھے انہوں نے اپنی وصیت میں اہل خاندان سے کہا تھا کہ خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال انہوں نے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔

تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا اسکو میں نے اسی دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتے میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا شاید خدا اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے مغفرت فرما دے۔

یزید کی ولی عہدی کے نقصانات

حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشیں نامزد کر دیا اس

وقت صحابہء کرام کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہ صحابہء کرام کی اولاد و احفاد کا عہد تھا۔
جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے
راشد خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ کر رکھو، انہیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے
راشدین کے زمانے سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا۔ جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس
روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا اس اعتبار سے اہل تقویٰ اور اہلِ علم
حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا
وارث ہو جائے۔ حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ یہ
ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہئے۔ اسلام کے
اجتماعی نظام میں ملوکیت کے دور آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہل دین کا ضمیر
برداشت کرتا۔ اسلام کے نظام میں جو رخنہ پڑ گیا تھا اسے پُر کرنے اور جو بگاڑ پیدا ہو
گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے سب سے پہلی کوشش حضرت امام حسینؓ کی تھی۔ یہ
کوشش ظاہری اور مادی اعتبار سے کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ واقعہ ہے کہ ہر دور
اور ہر عہد میں اہل دین اور اہل ہزیمت کو بگاڑ کے خلاف مقابلے اور مقاومت پر آمادہ
کرتی رہی ہے وہ ایک غلطی جو یزید کی ولی عہدی کی شکل میں کی گئی تھی اس کا نتیجہ
سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کا یہ نظام ایسا
مستحکم ہوا کہ موجودہ عہدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک بمشکل کوئی تزلزل
ہو سکا۔ یہ تزلزل ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں۔ ان کو یہ احساس
تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنوامیہ کے دور سے لوگ مسند اقتدار پر بیٹھے ہیں قیصر و
کسریٰ کی سنت ہے اس میں مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کے انتخاب کو دخل نہیں
ہوتا ہے اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں چنانچہ انہوں نے اس انحراف کی جس
کی ابتدا یزید کی ولی عہدی سے ہوئی تھی اصلاح ضروری سمجھی انہوں نے اپنی خلافت کو
قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے
ہوئے کہا:

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہوتا اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنالو"۔

سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی بات طے ہوگئی تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔

ایھا الناس انّی قد اُبتلیتُ بِھذا لا مرغیر رأی کان مِنی ولا طلبة له ولا مشورة مِنَ المُسلمین و انّی قد خلعتُ ما فی اعناقکم من بیعتی فااتخذ والانفسکم فصاح الناس صیحة واحدة و قد اختر نالک یا امیر المؤمنین ورضینابک!

لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایسا کیا گیا۔ میں اپنی بیعت کا قلادہ تمہاری گردنوں سے اتارتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا۔ "امیر المومنین ہم نے آپ کو ہی منتخب کیا اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔

مجمع نے آپ کی خلافت سے دست برداری قبول نہیں کی اور آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کر لیا۔ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک موروثی نظام بادشاہت مزاج دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلادہ از خود کیوں اتارتے۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا۔ لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آتے تھے بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسر اقتدار آتے تھے اور لوگوں پر حکومت کرتے تھے بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں

---

۱ (ابن الجوزی ص ۵۳)

بلاشبہ بہت سی برکتیں تھیں۔ مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظامِ قضا کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن خلافت علی منہاج النبوۃ باقی نہیں رہی تھی۔

دینی طبقہ کی رائے عامہ

اسلام کی تاریخ میں جب اس سیاسی بدعت کا آغاز ہو رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی خاموش رہ جاتے جنھوں نے نبوت کا زمانہ اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ گروہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات مزاجِ دین کے عین مطابق تھی کہ کچھ لوگ اس انحراف کو برداشت نہ کرتے اور اسے چیلنج کرنے کی ہمت کرتے۔ یزید کی حکمرانی سے علماء و صلحاء کا طبقہ اور اہل دین و تقویٰ کا گروہ حکومت سے دور ہوتا گیا دینی حلقوں میں نفرت و ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت حسینؓ کا یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا دینی طبقے کی رائے عامہ کا مظہر اور بہت بڑی علامت تھا کسی نے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دیا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ تمام ائمہ اہل سنت ان کے طرفدار اور حامی رہے ہیں۔

"امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا"۔[1]

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"جس شخص نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا"۔[2]

مجدد الف ثانیؒ کہتے ہیں:

"یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرۂ فساق میں داخل ہے"۔[3]

۱۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴

۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۴۸۷ ۔ ۳۔ مکتوبات امام ربانی جلد ۱ مکتوب ۲۵۱

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کہتے ہیں:

''گمراہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار تھا''۔[۱]

عہد خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں

نظام خلافت اور نظام ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے اگر خلافتِ راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل بین فرق محسوس کئے جائیں گے۔

(۱) خلافت راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود و باش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران و روم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی جن پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔

(۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں تھا۔ بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن گیا تھا جب کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اس بیت المال کا متولی ہوتا تھا اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرتا تھا تو کمالِ احتیاط اور تقویٰ کے ساتھ۔

(۳) خلافتِ راشدہ کے عہد میں لوگوں کو خلیفہ سے بھی محاسبہ کرنے کی آزادی تھی بلکہ اس محاسبہ کی بھی ہمت افزائی کی جاتی تھی ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند تھا اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید ہوسکتی ہے۔

(۴) خلافتِ راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کر سکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا۔ ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤں سے بالکلیہ آزاد نہ تھیں۔

(۵) خلافتِ راشد میں تمام اجتماعی کام صلاح و مشورے یا شورائی نظام کے

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۱۳

ذریعہ انجام دیئے جاتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور ''وامرھم شوریٰ بینہم'' کے حکم شریعت کو پامال کیا جاتا تھا۔

(۶) خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی طہارت وتقویٰ کا بلند ترین نمونہ پیش کرتی تھی ملوکیت کے دور میں فسق و فجور، ہوا و ہوس، نوش ونشید کا سیلاب شاہی درباروں تک پہنچ گیا تھا۔ خود یزید کی زندگی بے داغ نہ تھی۔ آبرو فاختہ اوراباحیت زدہ مصاحبین کا گروہ خلفاء کے دربار میں پایا جاتا تھا جب کہ اس طبقہ کا وجود خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں نہ تھا۔

(۷) حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب وسنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن گیا تھا۔ ملکی اور مالی مفادات کے لئے دین کو قربان کیا جاتا تھا اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ بنو امیہ کے عہد میں نومسلموں تک سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ حکومت کا خزانہ بھرا رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس خلاف شرع آرڈیننس کو ختم کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

(۸) اقربانوازی اور کنبہ پروری اور دوسری اخلاقی خرابیاں جو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں سخت معیوب تھیں عام ہوگئیں۔

(۹) خلافت راشدہ کے زمانہ میں حکمراں کا تعلق خاص قبیلہ اور نسل سے نہ تھا دور ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمران ہو جاتا تھا اور کئی نسلوں تک اقتدار اسکے قبضہ میں رہتا تھا تو نسلی عصبیتوں کو بڑھاوا دیتا اسلام سے پہلے ہر قبیلہ کا بت الگ ہوتا تھا۔ اسلام نے قبائلی عصبیتوں کو مٹا کر وحدت امت کا نصب العین عطا کیا تھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد قبائلی عصبیتیں زندہ ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے فتوحات کے قدم بعد میں اسپین تک پہنچے تو قبائلی عصبیتوں نے وہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور قبائل

کی الگ الگ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہوتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف یہودیوں اور عیسائیوں تک سے مدد لی جاتی تھی۔ پھر قبائلی تعصبات کی آگ ہی نہیں بھڑکی بلکہ عرب و عجم کی کشمکش بھی شروع ہوگئی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد ایک مدت تک عرب سامراجی نظام پایا گیا جس کا ردعمل غیر عرب مسلمانوں پر ہوا۔

(۱۰) خلافتِ راشدہ کے دور میں کلمہ حق کہنے اور خلیفہ تک کو برسر عام ٹوکنے کی لوگ ہمت رکھتے تھے اور خلیفہ کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد ملوکیت کے دور میں حق بات کہنے کا مطلب کبھی اپنی جان سے اور کبھی عافیت کی زندگی سے ہاتھ دھونا تھا۔ ضمیر کو کچلنے کے لئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنے کے لئے حکومت کی طرف سے عہدہ و منصب کی بخشش شاہانہ پیش کی جاتی اور علماء دین ان مناصب کو رشوت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے نتیجہ میں وہ حکمرانوں کو زجر و توبیخ اور ایذا رسانی کا شکار رہتے تھے جب امام مالک نے خلفاء کی جبری بیعت کے کالعدم ہونے کا فتویٰ دیا تو ان کی پیٹھ پر تازیانے برسائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ خلافت راشدہ کے نظام حکمرانی کو ختم کر کے عجمی ملوکیت کے موروثی نظام کو اختیار کرنے کے جو مفاسد ہوسکتے تھے وہ سب کے سب پیدا ہونا شروع ہوگئے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

> ''زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی تھی''

جن صحابہ کرام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ان کا بیعت سے انکار کرنا دراصل اسلامی نظام میں ان ہی آنے والے انحرافات کو روکنے اور ان پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔ ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اصلاح نہ ہوئی تو یہ بگاڑ بڑھتا ہی جائے گا یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے خلافت کو ہرقل کی ملوکیت میں تبدیل کر دینے پر تنقید

کی تھی اور اپنی ناراضی ظاہر کی تھی انہیں پورے طور پر یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹڑی بدل دی ہے اور اب یہ راستہ "مکہ" کے بجائے "ترکستان" کی طرف جا رہا ہے۔ منزل اور سمت سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے جن کو اللہ نے نورِ بصیرت عطا فرمایا تھا حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ کیا اور سمت سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے لیے میدان میں نہیں آئے تھے۔ یہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ حضرت حسینؓ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسما بنت ابوبکرؓ تھیں اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اختلاف کی بنیاد

تاریخ کی کتابوں میں ان اجل صحابہ کے نام موجود ہیں جنہوں نے یزید کے لئے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بنز بیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اختلاف کی بنیاد یہ تھی کہ نظام حکومت اپنے اسلامی مزاج سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور خلفائے راشدین کے بجائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت زندہ کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کو اہل دین اور صحابہء عظام کا دینی ضمیر برداشت نہیں کر سکا تھا۔ یزید کی ولی عہدی کے مسئلے پر ابن ایثر نے اختلاف کی جو روداد سنائی ہے۔ اس میں مروان کے سامنے عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کا بیان موجود ہے۔ اس بیان سے اختلاف کی اصل بنیاد کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

"تم لوگوں کی نیت یہ ہے کہ خلافت کو ہرقل کی ملوکیت سے بدل دو کہ ایک ہرقل مرا تو دوسرا ہرقل آ گیا"۔!

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ کو یزید کی ولی عہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا تھا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنایئے نہ کہ دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو یزید کی ولی عہدی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو کہا:

"اپنے بعد معاملے کو اس طرح چھوڑ جایئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے کہ انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا، یا پھر حضرت ابوبکرؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا مگر اپنی اولاد کو نہیں، نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو۔ یا خلیفہ ثالث حضرت عمرؓ کی طرح کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنا دی تھی مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھتا"۔[۲]

خود حضرت حسینؓ کا قول تاریخ میں موجود ہے۔ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عامل، انصاف کا خوگر، حق کا تابع اور تعلق مع اللہ کے صفت سے متصف ہو۔[۳]

اب جن لوگوں نے برسرِ ممبر اور علی روس الاشہاد یزید کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے نزدیک یزید نہ کتاب اللہ پر عالم تھا نہ انصاف کا خوگر نہ حق کا تابع اور نہ تعلق مع اللہ کی صفت سے متصف۔ یزید کا کردار کیا تھا۔ البدایہ والنہایہ جیسی قابل اعتماد کتاب میں اور دوسری بہت سی تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات والترك لبعض الصلوات فى بعض الاوقات و اماتتها فى غالب الاوقات۔	اس کے ساتھ اس میں شہوات کی طرف میلان موجود تھا۔ کبھی وہ تارک الصلوۃ بن جاتا تھا۔ نمازوں کے معاملے میں وہ نہایت لاپرواہی کا شکار تھا۔

۱۔ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰ ۲۔ ابن اثیر ۳۔ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۸

اسلامی حکومت کا مقصود ہی اقامت نماز ہے۔ اگر کوئی حکمران دین کے معاملہ میں اتنا لاپروا ہو جائے کہ اسے نمازوں کی بھی فکر نہ رہے اور اقامت صلوۃ کے بجائے اماتت صلوۃ کا مجرم بن جائے تو پھر اس کے لئے کوئی ڈھال باقی نہیں رہتی اور اس کے خلاف اقدام درست ہو جاتا ہے۔

حضرت معاویہؓ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے کہ حضرت معاویہ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولی عہدی پر اصرار کیوں تھا اور یہ اجتہادی غلطی ان سے کیوں سرزد ہوئی تاریخ کہتی ہے کہ حضرت معاویہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے یہی صورت مناسب تھی۔ اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام و انصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے تھے۔ اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ ان سب کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا، جو ہر باپ کے سینے میں ہوتا ہے ابن کثیر نے اسباب ولی عہدی میں اس سبب کو سب سے پہلے بیان کیا ہے:

"وذالک من شدة محبة الوالدلولده"

صحابہ کرام کا روکنا بربنائے مصلحت وشفقت

جن بزرگوں نے حضرت حسینؓ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطہء نظر یہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پر نکیر کرنا اور مخالفت میں قدم اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ نقطہء نظر یہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔

حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنیفہ نے ان سے کہا:

"تمام علاقوں میں گھومئے پھریئے تاکہ اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطہ نظر کیا ہے۔ لوگوں سے ملنے کے بعد جو رائے قائم ہوگی وہی صحیح رائے

ہوگی''۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مشورہ دیا کہ ابھی مقابلے کے لئے اٹھنا قرین مصلحت نہیں انہوں نے کہا:

''عراق کا ارادہ نہ کرو اور اپنی جان کھونے کے لئے وہاں نہ جاؤ۔ کم از کم اتنی بات مان لو کہ موسم حج گزر جانے دو۔ حج میں آنے والے لوگوں سے مل کر وہاں کے حالات کا اندازہ کرو اور پھر جو طے کرنا ہے طے کرو''۔

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ان حضرات کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وقت ابھی سازگار نہیں ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ اس وقت قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا اور کوفے کے عمائدین کے بے شمار خطوط کو انہوں نے اپنے موقف کے لیے دلیل بنایا تھا۔ انہوں نے اخلاص کے جس موقف کو صحیح سمجھا اسے اختیار کیا۔

حضرت حسینؓ کی مخالفت بڑے فنکارانہ طریقہ سے ہو رہی ہے اور بڑی چابک دستی کے ساتھ یزید کی صفائی پیش کی جا رہی ہے تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ایک دو بزرگوں کو چھوڑ کر کوئی یزید کا مخالف نہ تھا باستثنائے چند سب نے بطیب خاطر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یزید میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی کہ اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی۔ اس بارے میں جو بات کہ بار بار دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف یہ کہ بیعت کر لی بلکہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں کو نصیحت بھی کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس یہ دونوں بزرگ شروع سے یزید کی ولی عہدی اور یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اجتماعی ڈھانچہ بدل رہا تھا اور جو سیاسی نظام شروع ہوا تھا وہ منہاج سنت پر مبنی نہیں تھا اور یہ بات صحابہ کرام اور اہل دین و تقویٰ کے لئے بڑی صبر آزما تھی۔ لیکن یہ حضرات دیکھ

رہے تھے کہ اس صورتِ حال کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ شام کے قشونِ قاہرہ کی نظروں میں نہ اہلِ دین کا تقدس ہے نہ دین کا احترام اور نہ خود اس کی دینی تربیت ہو سکی ہے۔ مذہب اور سیاست کے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ اب ہتھیار ڈالنے اور بدرجہ مجبوری بیعت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقہ میں گورنر کو بھیجتے تھے تو نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی گورنری پر مامور کیا تو نصیحت کی "یسّر ولاتعسّر" نرمی اور آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا یہی طریقہ خلافت راشدہ کے عہد میں بھی تھا لیکن بنو امیہ کے زمانے کے گورنر تمام دینی تقاضوں کو فراموش کر کے ظلم پر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے حجاج کے مظالم کو دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا:

"اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا"۔

ظلم وستم کی خونچکاں داستان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت جس کے بروز و شب تسبیح و تلاوت اور مسلسل عبادت میں گزرتے ہوں مجبوراً بیعت کر لیتے ہوں اور اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر میں آمادۂ بیعت ہو جاتے ہوں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان حضرات کے طرزِ عمل کو حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لئے دلیل بنا کر پیش کیا جائے اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے۔ خلافت راشدہ کے بعد اہل دین کی اکثریت نے اس وقت کے حالات میں جو ممکن ہو سکا وہ کیا۔ انہوں نے حکومت وقت سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ گیر ہو گئے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید و احیاء کی پرخلوص جدوجہد شروع کر دی تاکہ دینی اور اخلاقی نظام پر سیاسی نظام کی غلط کاریوں کا سایہ کم سے کم پڑے انہوں نے بادِ مخالف کے جھونکوں کے درمیان شمع روشن کی۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بے کار گریباں تو مرا دور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجود بیعت کر لینے کے یزید کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس پر وہ مراسلت بہترین شہادت ہے جو ان کے اور یزید کے درمیان ہوئی تھی۔ شہادت حسینؓ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تو اس دعوت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبول نہیں کیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بادل ناخواستہ بیعت کر لی تھی لیکن بیعت کر لینے کے بعد وہ اس کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکار بیعت سے یزید بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے خط میں انعام و اکرام اور حسن سلوک کا وعدہ کیا۔ یزید کا خط ابن اثیر کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے یزید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

> ''تمہارا خط ملا، میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری تعریف کا خواہاں نہیں بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ تم میرے اس حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو مجھے تمہارے حسن سلوک کی ضرورت نہیں اور تمہاری یہ درخواست کہ میں دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے نفرت اور ابن زبیر کو میں اکیلا چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا مجھے نہ تمہاری خوشی منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ تم ہی حسینؓ اور جوانانِ عبدالمطلب کے قاتل ہو۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو خون آلود میدان میں ڈال دیا تھا اور ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا...... یہ سب کچھ تم نے خدا، رسول اور اہل بیت کی عداوت میں کیا۔ حسینؓ نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی

درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں
اور ان کے خاندان کا صفایا کیا جا سکتا ہے موقع غنیمت جانا اور تم
اُن کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے گویا تم مشرکوں اور کافروں
کو قتل کر رہے ہو............ آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی
کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے"

والسلام[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہ الفاظ روز روشن کی طرح یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس وقت کے عالم اسلام کا دینی حلقہ یزید کو ناپسند کرتا تھا۔ اس دینی حلقہ نے حضرت امام حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کا عملی ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اس حلقہ کا دل ان کے ساتھ تھا۔ جن لوگوں نے روکنے کی کوشش کی وہ بربنائے شفقت کی تھی کہ اہل اسلام کے اس کعبہ محبت کو کوئی آنچ نہ آئے یا اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اقدام کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔ آج یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی لیکن اس وقت قطعیت کے ساتھ ان کے لئے ناسازگاری کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کوفے کے عمائدین کے خطوط ان کے پاس آ رہے تھے۔ وفود کی شکل میں لوگ آ رہے تھے اور انہیں بلا رہے تھے۔ انہوں نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ انہیں نکلنا چاہئے تو کیوں اسے غلط کہا جائے کیا یزید کی حکومت کے خلاف بے چینی موجود نہیں تھی کیا خلافت کو موروثی نظام سے بدلنے پر اضطراب نہیں پایا جاتا تھا؟

حکمت الٰہی کیا تھا؟

علامہ ابن تیمیہ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ حکمت الٰہی یہ تھی کہ امام حسینؓ کو شہادت کے بلند و ارفع مقام تک پہنچایا جائے تا کہ شہداء کا عیش اور سعداء کی منزل پا سکیں۔ لیکن اس حکمت الٰہی سے بڑھ کر ایک اور حکمت الٰہی اس واقعہ شہادت میں

---

[1] ابن اثیر کامل۔ ج ۴ ص ۵۲/۵۱

موجود ہے جس کا رشتہ پوری ملتِ اسلامیہ کے مستقبل کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے اور یہ کہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ غلط اور فاسد اقتدار کے خلاف اعلانِ حق کی ایک زندہ نظیر باقی رہ جائے جو ہر دور میں اہل عزیمت کے لئے نمونہ کا کام کرے اور فساد کو مٹانے کے لئے انہیں بے چین مضطرب کر دے۔ یہاں امام ابن تیمیہ ہی کے قول کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"دین کے اعزاز و غلبے کے لئے جانوں کو خطرے میں ڈالنا دین میں مشروع ہے"۔

حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اہل عزیمت کیلئے نمونہ اور نظیر

بظاہر یزید کے زمانہ کی دونوں کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ یہ دونوں کوششیں اہل عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر کا کام دیتی رہیں۔ اور اہل دین و صلاح کی نظروں میں اسلامی سیاست و خلافت کی آئیڈیل شکل ہمیشہ باقی رہی اور اس کے لئے جدوجہد بھی جاری رہی۔ جدوجہد اس چیز کے لئے تھی کہ خلافت کو صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اسلامی نظام حکومت کی چول جو کھسک گئی تھی اسے اپنی جگہ پر بٹھایا جائے۔ اور یہ اجارہ داری جو امویوں نے اور عباسیوں نے قائم کر لی تھی اسے ختم کیا جائے۔ لیکن اموی اور عباسی حکومتیں طاقتور حکومتیں تھیں۔ ان کی پشت پر مضبوط فوجی نظام تھا ان حکومتوں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں کچھ حمایت اگر مل سکتی تھی تو ان لوگوں کو جو ایک طرف اپنے زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے اور دوسری طرف علو نسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے سوسائٹی میں غیر معمولی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ موروثی نظامِ حکومت کے خلاف علم جہاد اٹھانے والے اس دور میں وہ لوگ تھے جن کا تعلق اہل بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا امکان دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ تھا اور معاشرہ میں ان کی حیثیت

مرکز امید کی تھی۔

امام حسینؓ کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف محاذ آرائی کی اور ۱۲۲ھ میں اقامت دین کی اس جدوجہد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ اگر یہ اقامت دین کے لئے جدوجہد نہ ہوتی اور یہ کشمکش جہاد نہ ہوتی تو امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کے مؤید اور حامی نہ ہوتے۔ امام صاحب کی تائید اور حمایت اسی لئے تھی کہ وہ اس موروثی نظام حکومت کو غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ انہوں نے زید بن علی کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے اور اس اسفسار پر کہ یہ جہاد ہے کہ نہیں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے جس طرح واقعہ بدر جہاد تھا۔

"خروجه يُضاهي خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر و امدّ جنودَه المال و لكنه كان ضعيفَ الثقة في انصاره و لذا قال في الاعتذار عن حَمْل السيف معه"

زید بن علیؓ کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے خروج کے مماثل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے زید بن علی کی فوج کی مالی معاونت کی لیکن چونکہ حضرت زید کے حمایتیوں پر انہیں بھروسہ کم تھا اس لئے انہوں نے تلوار اٹھانے سے معذرت کی۔[1]

حضرت زید بن علیؓ کے بعد حضرت محمد ذونفس زکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنی بن سیدنا حسنؓ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ المحض نے کوفہ میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور امام ابوحنیفہؒ امام مالک نے ان کی بھی تائید وحمایت کی امام ابوحنیفہؒ نے مالی مدد کی۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کو محمد ذوالنفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا اگرچہ کہ لوگ منصور کی بیعت کر چکے ہوں[2]۔

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ یہ کوششیں کتنی کامیاب ہوئیں اور کتنی نہیں۔ انسان صرف اپنی کوششوں کا مکلف ہے ان کے نتائج کا نہیں۔ یہ دنیا صرف دارالعمل

---

[1] (مناقب امام ابوحنیفہ لبزازی بحوالہ لابی زہرہ ص ۱۶۴) [2] تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴

ہے۔کوششوں کی جزاء کی اصل جگہ آخرت ہے۔ اس دنیا میں اہل حق صلحاء بلکہ انبیاء کو بھی کامیابی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ دنیوی نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسیع تر مصلحتوں سے ہے اور تنہا وہی ان مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن ان کوششوں کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کہ ان کی وجہ سے باطل کے خلاف مزاحمت اور سلطان جائز کے خلاف کلمہ حق کہنے کی ایک پوری تاریخ وجود میں آئی ہے۔ اسلامی تاریخ کی آبرو ان سے قائم ہے جنہوں نے مضبوط ترین طاقتوں کے مقابلہ میں بھی سپر نہیں ڈالی اور بلند ترین مقصد کے لئے انہوں نے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام کی تربیت اور تعلیم سے تیار ہونے والے علماء اور فقہاء دین بھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہیں رہے۔ انہوں نے حق کی پرواہ کی اور جان کی پرواہ نہیں کی جب عبدالملک نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین بنانا چاہا تو مشہور تابعی سعید بن مسیب نے مخالفت کی اور قید و بند کی تکلیفیں اٹھائیں اور کوڑے کھائے۔ حجاج نے جب بصرہ اور کوفہ کے نومسلموں پر جزیہ لگایا تو علماء نے شدید مخالفت کی اور جب عبدالرحمان بن اشعث نے حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کی اور امر بالمعروف کا علم بلند کیا تو علماء کی بڑی تعداد نے جن میں سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور شعبی جیسے بزرگ شامل تھے، عبدالرحمان کا ساتھ دیا اس حق پسندی کی وجہ سے سعید بن جبیر کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اس بغاوت کے سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ امام شعبی جیسے علماء نے جو حکومت کے ساتھ تعاون کرتے تھے، باغیوں کا ساتھ دیا۔ ملوکیت کے اس عہد کے بارے میں امام حسن بصریؒ کہا کرتے تھے:

"امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں"۔

امام غزالی نے علماء حق کی بے خوفی اور حق گوئی کے واقعات نقل کرنے کے

بعد لکھا ہے:

هذه كانت سيرة العلماء و عادتهم في الامر بالمعروف والنّهى عَن المُنكر و قِلّة مُبالاتهم بسَطْوةِ السلاطين لكنّهم اِتّكلُوا على فَضلِ اللّٰه تعالٰى ان يَحرِسهم و رَضوا بحكم الله تعالى ان يَرزقهم الشهادة۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کا بھی دستور اور طریقہ تھا وہ بادشاہوں کی سطوت اور طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انہیں اللہ کی رحمت پر بھروسہ تھا کہ وہی ان کا نگراں اور محافظ ہے۔ وہ خدا کے اس فیصلہ پر بھی راضی تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہو۔[1]

ایک بنیادی مسئلہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ

جمہور علماء اہل سنت حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست اور ان کے موقف کو حق سمجھتے ہیں۔ شیعیت کے خلاف محاذ آرائی میں حضرت امام حسینؓ کے اقدام کو ہی غلط ثابت کرنے کی کوشش بڑی غلطی ہوگی۔ یہ مسلک اہل سنت و الجماعت کا نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام درست نہ تھا۔

یہاں منہاج السنۃ کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت حسینؓ کے برسرِ حق ہونے سے انکار کرنے والوں کا بہت بڑا سہارا بن گئے ہیں۔

(۱) یہ بات جان لینے کی ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ ہو یا تابعین عظام کا یا بعد کے زمانوں کے اہل بیت یا غیر اہل بیت کا ان میں سے بڑے بڑے اہل علم و دین سے بعض وقت ایسی نوعیت کا اجتہاد سرزد ہو جاتا ہے جن میں کچھ ظن و وہم اور کبھی کوئی باریک قسم کی ہوائے نفس شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا اجتہاد اس شخصیت کی عند اللہ عظمت کے باوجود قابل اتباع نہیں ہوتا"۔

---

[1] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۳۵۱ باب امر بالمعروف والنہی عن المنکر)

(۲) ''مسلمانوں کے اکابر اہل علم نے ہمیشہ ان خرابیوں کی مخالفت کی ہے مثلاً یزید کے خلاف اہل مدینہ خروج پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن عمر، سعید بن میتب اور علی بن الحسین (زین العابدین) نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ یا ابن الاشعث کی بغاوت کا فتنہ اٹھا تو حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے سمجھایا لہٰذا اہل سنت کے یہاں یہ مسئلہ بالکل طے شدہ ہو چکا ہے کہ فتنے کے وقت میں تلوار اٹھانا مناسب نہیں۔ علماء اہل سنت نے اس مسئلہ کی اس درجہ اہمیت سمجھی ہے کہ اسے عقائد کی فہرست میں داخل کر کے لازم کیا ہے کہ ائمہ و خلفاء کے جور و ستم کا مقابلہ تلوار کے بجائے صبر اور برداشت سے کیا جائے .... یہی وجہ تھی کہ جب حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو اکابر اہل علم و دین مثلاً ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے اس ارادہ کے خلاف مشورہ دیا'' ؎ !

علامہ ابن تیمیہ کے ان اقتباسات کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت الزامی جواب کی ہے کیونکہ منہاج السنۃ ایک شیعی عالم حسین بن مطہر کی کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ الندامۃ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کی حیثیت اہل سنت کی طرف سے وکیل کی ہے۔ لیکن یہ اگر ان کے واقعی خیالات ہیں تو وہ اپنے خیالات میں منفرد اور تنہا ہیں اور ان کے بت سے شاذ افکار کی طرح یہ بھی ان کا شذوذ ہی ہے اور جس طرح سے ان کے بہت سے خیالات اور نظریات سے اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے اس نظریہ سے بھی اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے روضہ اطہر کی طرف اشارہ کر کے ایک بار فرمایا تھا کہ اس صاحب قبر کی بات کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔

کُلّ یُوخذمنه و یُردّ علیه الاصاحب هذا القبر

بلاشبہ علامہ ابن تیمیہ کے محاسن و کمالات بہت ہیں۔ ان کا بے مثال حافظہ ان کا غیر معمولی تبحر علمی، ان کی خداداد جرأت و شجاعت دین کے معاملہ میں ان کی غیرت و حمیت، ان کا تقویٰ اور خشیت یہ سب کچھ مسلم ہے۔ ان کی زبان ابر گوہر بار

تھی ان کا قلم تیغ اصیل تھا ان کی حاضر جوابی بے نظیر تھی۔ ان تمام صفات و کمالات کے باوجود جہاں تک میانہ روی اور مسلک کے توازن اور زبان و قلم کی احتیاط کا تعلق ہے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور بہت سے مستند علماء نے بہت کچھ کہا بھی ہے۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں بہت سے مسائل میں ان کے یہاں شذوذ بھی پایا جاتا ہے روضۂ اقدس کی زیارت اور تطلیقاتِ ثلاثہ وغیرہ کے بارے میں ان کے تفردات کا علم سب کو ہے۔ یہاں بھی ردِّ شیعیت کے جوش میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ علم عقائد اور کلام کی کتابوں میں تو حضرت حسینؓ کو برسرِ حق اور یزید کو برسرِ باطل لکھا گیا ہے۔ شرح عقائد نسفی اور متعدد علم کلام کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ شرح عقائد نسفی میں امام شافعی کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ امام بوجہ فسق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے کیونکہ امام شافعی کے نزدیک فاسق قابلِ ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو رعیت کو کس طرح بچائے گا۔[۲]

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابل ولایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے اور یہ اختلاف ظاہر ہے کہ امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا۔ جن بزرگوں نے امام کے خلاف اقدام سے روکا ان کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کو خوں ریزی سے بچایا جائے اور خلافت خاصہ نہ سہی خلافت عامہ باقی رہے۔ دشمنان اسلام کو اسلامی حکومت کی طرف معاندانہ نظر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ جن بزرگوں نے اقدام کی اجازت دی ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان ظالموں کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور عادلانہ نظام خلافت جو شریعت کے اصولوں پر مبنی ہو قائم ہو سکے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے طرزِ عمل کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں بعض دوسرے علماء اور محققین کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

---

۱ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۲، ۱۳، ۳۱۴ ۲ اردو ترجمہ شرح عقائد نسفی ص ۲۳۶

ظالم حکمران کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابن حزم کا موقف

علامہ حافظ ابن حزم کا نقطہء نظر یہ ہے کہ شاہان حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ اپنے عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں تک پر جزیہ عائد کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔[۱]

اس سلسلے میں علامہ ابن حزم نے مزید یہ لکھا ہے کہ جب حکمران کو شریعت کے دائرے میں واپس لانا اور ظلم و جور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقہء کار کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے "العنف الدموی" (خون ریزی) کہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو بربنائے کتاب وسنت ہے۔ اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب وسنت دو میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے۔ حد او حق قائم کیا جائے اور انہیں سزا دی جائے لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اتلاف اور کتاب وسنت کے مطابق عمل اور امن و امان ان کو معزول کئے بغیر ممکن نہ ہو تو انہیں منصب خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں خلیفہء وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب وسنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمران کو قتل کر دینا واجب ہو جائے گا۔[۲]

---

۱ رسالہ التلخیص لوجوہ التخلیص صفحہ ۱۷۳۔۱۷۴ ۲ الفصل صفحہ ۱۶۷۔۱۷۶ ج ۴

بعض علماء نے یہ ضروری لکھا ہے کہ ظلم و جور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دل سے برا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ علماء بعض احادیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اس نقطہء نظر کی پُر زور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمران کی طرف سے زدوکوب کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورت حال کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظام حکومت کتاب وسنت کے مطابق ترتیب دیا ہو۔ کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہو جائیں تو ان پر صبر کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموشی اور صبر کا رویہ اختیار کیا جائے۔[1]

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے یہ جواب دیا ''تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو'' پوچھا گیا! ''اگر وہ میری جان کے درپے ہو جائے تو میں کیا کروں؟'' آپ نے فرمایا ''تم بھی اس سے قتال کرو''۔ پوچھا گیا ''اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟'' آپ نے جواب عنایت فرمایا ''وہ مقتول جہنمی ہوگا'' پوچھنے والے نے پھر پوچھا ''اگر میں قتل کیا جاؤں تو'' آپ نے فرمایا ''تم جنت پا جاؤ گے''۔ یہ حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔[2]

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ

---

[1] الفصل صفحہ ۱۷۲، ۱۷۳ ج ۴ [2] الفصل صفحہ ۱۷۳ ج ۴

یہ خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خون ریزی ہوگی، اہل اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسر پیکار ہونا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی لیکن جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضروری موجود ہے لیکن شکست کا امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور بسا اوقات کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان خطرات کا اعتبار کر لیا جائے تو کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں۔ اہل کفر کے خلاف جہاد کرنے سے اس کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں مرد اور بچے غلام اور قیدی بنا لئے جائیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل کفر سے جہاد واجب ہے۔ لہٰذا ان دونوں معاملات میں یعنی کفار کے خلاف جہاد اور بے راہ و مسلم خلفاء کے خلاف جہاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا درجہ جہاد کا ہے اور دونوں کا مقصود کتاب و سنت کی عملداری ہے۔[1]

علامہ ابن حزم کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمران کا معاملہ یہ ہو گیا ہو اس کو کفر اور اہل کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روحِ اسلام کی مخالفت ہے۔ ایسے حکمران کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے۔ البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہل حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے۔[2]

فاسق و فاجر حکمران کیخلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی کا موقف

جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں لیکن

اگر فہمائش ونصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں علانیہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بجھانے کی کوئی کوشش اس پر کارگر نہ ہوسکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمران کے خلاف تادیبی کارروائی کی جا سکتی ہے یا نہیں اس بارے میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں:

”رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے۔ بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً آسان ہے۔ حاکم کی اصلاح نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتا ہو تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہوسکتا ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہو تو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ لباس حریر زیب تن کرتا ہو تو اس کا دامن وگریبان پکڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر شراب کی صراحیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انہیں زبردستی توڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب داب اور ہیبت وحشمت کو کم کرتا ہے۔ جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امر منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے۔ اب یہاں پر دو ممنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہئے لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبط بیان میں لانا

مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر
بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام
لینا ہوگا“۔[1]

امام غزالی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آگئی ہو اور وہ خود بھی فاسق اور بدکردار ہو اور اس کا ظلم و جور سے حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمران کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعہ ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابوبکر جصاص کا موقف

”گذشتہ تمام متقدین ومتاخرین اہل دین وفقہ امر بالمعروف و
نہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ کچھ بے خبر
اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے
اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ و
فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ (تم باغی جماعت
سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے)
آیت کے الفاظ صاف تقاضا کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ
کرنا واجب ہے۔ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے
بہرہ حشویہ کا گروہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم و جور اور قتل نفس
جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے
تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا

---

[1] احیاء علوم الدین جلد دوم، باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر

ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نکیر کا حق ہے مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نکیر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آگئے ہیں سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں، یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطانِ جائر پر نکیر نہ کرنے کا۔[1]

ابو المعالی امام الحرمین کا نقطۂ نظر

مسلم کی مشہور حدیث ہے:

من رأی منکم منکراً فلیغیّره بیده فان لم یستطیع فبلسانه فان لم یسطیع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان۔

تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کیلئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (قوت و طاقت کے استعمال سے) مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امام نوویؒ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمینؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

واذا جار و الی الوقت و ظهر ظلمه و غشمه و لم ینز جر حین زُجر عن سوء صنیعه بالقول قد هل الحل

وقت کا حکمران اگر ظلم پر کمر بستہ ہو اور ظلم و جور کا پہلو بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی وہ اپنے کرتوت

الحل و العقد التواطؤ علی خلعه و لو بشهر الاسلعة و نصب الحروب هٰذا کلام امام الحرمین۔

سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنی ہتھیار ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔ یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔[1]

واقعہ کربلا کی دینی و شرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات کافی ہیں۔ یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسینؓ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین کے درمیان متفق علیہ مسئلہ رہا ہے اور اس میں سے کسی کے شاذ نظریات سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ہم یہاں حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگوں کے اقدامات کی شرعی صحت کو ثابت کرنے کے لئے مرویات حضرت عمرؓ میں سے ایک روایت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی کے قول کو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت عمرؓ کی حدیث

ایک حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا ہے:

انه تصیب فی امتی فی آخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ینجو منه الی رجل عرف دین الله فجاهد علیه بلسانه و یده و قلبه فذلک الذی سبقت له السوابق و رجل عرف دین

یقیناً آخر زمانے میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دین کو پہچانا اور اس کے لئے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے قلب سے جہاد کیا۔ بس یہی شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت اور دنیوی اور اخروی سعادت آگے بڑھے گی۔

---

[1] شرح مسلم للنووی جلد ۲ ص ۱۵۲

اللّٰہ فسکت علیه فان رأی من یعمل الخیر احبه علیه و ان رأی من یعمل بباطل ابغضه علیه فذلک الذی ینجو علی ابطانه کله

اسکے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے خدا کے دین کو پہچانا (زبان و دل سے) دین کی تصدیق کی پھر اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے دین کے قدروں کو پہچانا اور خاموشی سے اختیار کی اور جو شخص کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی کو باطل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی نجات پانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔[1]

اس مقام پر اس مشہور حدیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا یمنعنّ و جلا مهابة الناس ان یتکلم بالحق اذا علمه الا انّ افضلَ الجهاد کلمة حقٍ عند سلطان جائرٍ.

کسی شخص کو لوگوں کا خوف اور دبدبہ حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جب کہ وہ اس کو جانتا ہو ہاں سن لو کہ سب سے ثواب والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔[2]

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت کو سب سے بڑا جہاد کیوں قرار دیا گیا ہے اس سلسلے میں علامہ خطابیؒ کہتے ہیں۔

"یہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس لئے ہے کہ جو شخص دشمن اسلام سے جہاد کرتا ہے وہ امید اور خوف کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ فاتح ہوگا یا مفتوح (یعنی اس کے شہادت پانے کا بھی امکان ہے اور کامیاب ہونے کا بھی امکان ہے) البتہ جو شخص ظالم بادشاہ پر

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الادب فی الامر بالمعروف ونہی عن المنکر [2] مسند احمد وترمذی کتاب الفتن

تنقید کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں مجبور ہے جب وہ اس کے سامنے حق کا اظہار کرے گا اور معروف کا حکم دے گا تو اس طرح سے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہوگا۔ خوف کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے یہ جہاد کی سب سے برتر قسم قرار پائی ہے۔

اعتدال کی راہ

بلاشبہ صحیح احادیث میں امراء و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔ اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں۔ لیکن صورتِ حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوٰۃ ہو نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہو اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہل عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح و درستی کی کوشش بھی ضروری ہے امام نووی نے جو صحیح مسلم کے شارح ہیں کتاب الامارہ باب وجوب اطاعت الامراء میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے۔

و قد ردّ علیه بعضهم هذا بقیام الحسین و ابن زبیر (ای خروجهما علی یزید) و اهلِ المدینة علی بنی امیه و بقیام جماعةٍ عظیمةٍ من التابعین و الصدر الاول علی الحجاج۔[1]

بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر کے اقدام سے اور اہل مدینہ کے بنی امیہ کے خلاف بغاوت سے اور تابعین کی اور صدرِ اول کی ایک بہت بڑی جماعت کی حجاج کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری

[1] معالم السنن جلد ۴ صفحہ ۳۵۰

مع الاشعث.

سے حجت اور دلیل پیش کی ہے۔[1]

یعنی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تابعین عظام اور اہل مدینہ کے صلحاء کا بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوانِ حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور سربراہِ مملکت کی رند مشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسینؓ نے پیش کی۔

صدرِ اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسنؓ کی ہے اور دوسری حضرت حسینؓ کی۔ بالفاظِ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسنؓ کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسینؓ کا موقف ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے اقتباسات سے ان کا جو موقف بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ نہ تو اعتدال کی راہ ہے اور نہ یہ جمہور امت کا مسلک ہے ناصبیوں کے گروہ نے اہل بیت کی دشمنی میں یہ موقف ضرور اختیار کیا ہے اس سلسلہ میں ایک مثال قاضی ابن عربی کی ہے جن کے بارے میں تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تصریح کی ہے کہ وہ ناصبی ہیں۔ ورنہ علماء اور محدثین اور فقہاء حضرت حسینؓ کے اقدام کو درست ہونے پر اور یزید کی خلافت سے اختلاف پر گویا متفق ہیں۔ یہاں شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں ابن تیمیہ کے موقف کے بالکل برخلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کو دینی بصیرت کے اعتبار سے درست اور اعلاء کلمۃ اللہ سے اسے وابستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

---

[1] شرح صحیح مسلم ج دوم صفحہ ۱۲۵

''ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے۔ یہ سب اہل حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہل علم دین جو حجاج سے برسرِ پیکار ہوئے جن کا شمار اہل حق میں ہیں اور حق ان ہی کے ساتھ تھا''۔[1]

خروج کے بارے میں اور تلوار اٹھانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے اس کی توضیح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

''جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے جو ظالم ہو اور اس شخص کی جان یا مال یا اہل وعیال پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا شخص معذور ہے اور اس شخص سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان و مال اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ طبری نے بسند صحیح عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل و قتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے''۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ اور

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۴۰

پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ جنہوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا"۔[1]

انعقادِ امامت کا مسئلہ اور یزید اور اسلام کا اصولِ حکمرانی

بعض علماء کے نزدیک یزید کی خلافت بھی مکمل طور پر منعقد نہیں ہوئی کیونکہ تمام ارباب حل و عقد کی بہ رضا و رغبت بیعت پائی نہیں گئی۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ارباب حل و عقد کا اجماع شرط ہے۔

الامام الذی یجتمع قول اهل الحل وَ العقد علیه کلهم.	امام وہ ہے جس پر تمام حل و عقد کے قول کا اتفاق ہو۔[2]

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انعقادِ خلافت کے لئے اہل ایمان کا اور خاص طور پر اہل اصلاح و تقویٰ کا اتفاق ضروری ہے یہ بات خود انہوں نے خلیفہء عباسی منصور کے سامنے کہی تھی:

ما اجتمع علیک اثنان من اهل التقوی و الخلافة تکون باجتماع المؤمنین و مشورتهم[3]	تمہاری خلافت میں دو اہل تقویٰ کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ خلافت مومنین کے اجتماع اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے۔

امامت کے شرطوں میں بعض علماء نے عدالت اور دین میں افضلیت کی شرط بھی لگائی ہے زیادہ تر علماء کے نزدیک یہ شرط ساقط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ عامۃ المسلمین امام سے راضی اور اس کی خلافت پر دل سے مطمئن ہوں۔

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۵۳۔۲۵۴

[2] الاحکام السلطانیة للقاض ابی یعلی الحنبلی صفحہ ۶

[3] ابو حنیفه للشیخ اب زهره صفحہ ۱۶۵

وھو ان تکون النفوس قد سکنت الیہ و کلمتھم علیہ اجمع .[۱]

نفوس اس کی طرف سے راضی اور مطمئن ہوں اور اس کے بارے میں اجماع کلمہ ہو چکا ہو۔

اگر خلیفہ اپنی زندگی میں مسلمانوں میں سے کسی ممتاز شخص کو اپنا جانشین بنائے تو جانشین کے اندر بھی شرائط امامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور ان شرائط میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے۔

و یُعتبر فی المعھود الیہ شروط الامامۃ وقت العھد الیہ و استہ امتھا الی ما بعد المول .[۲]

جس شخص کو جانشین اور ولی عہد بنایا جائے اس کیلئے بوقت ولی عہدی شرائط امامت پر پورا اترنا چاہئے اور جانشین بنانے والے کی وفات کے بعد بھی ان شرائط کو پایا جانا چاہئے۔

ان شرائط کو اگر مدنظر رکھا جائے تو یزید لائق امامت ہی نہ تھا چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"باجماع مؤرخین ثابت ہے کہ جب حضرت امام حسینؓ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائق امامت کے نہ دیکھا...... تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجہ شہادت کو پہنچے"[۳]

تنہا شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نہیں بلکہ ان کے بعد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تک تمام بزرگوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فصل پنجم میں شہادت امام حسین اور واقعہ حرہ سے متعلق کتاب الفتن کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں

---

[۱] الاحکام السلطانیہ ۴

[۲] الاحکام السلطانیہ ص ۹

[۳] تحفہ اثنا عشریہ در خواص مذاہب شیعہ

میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں انہوں نے یہ کہا ہے:

اعوذ باللّٰہ من رأس الستین و امارة الصبیان. — میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یشیر الی خلافة یزید بن معاویه لانها کانت سنة ستین من الهجرة. — اس کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ہے کیونکہ اس کی حکومت ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔[1]

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد سوم میں جو معجزات پر مشتمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے باب میں اس طرح کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ کتاب الفتن کی ان احادیث کی وجہ سے علماء اور محققین دین کو اس نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوئی کہ حق امام حسینؓ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہنا کہ یزید کوئی ایسا باطل نہ تھا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جا سکتی نہایت نا درست قول ہے۔ اس موضوع پر مولانا قاسم نانوتوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

''جس وقت حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہ کو نہ تھی''۔

''امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا۔ نماز چھوڑ دی بس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر معزول کرنے کے لائق ہوگیا''۔

''شاید اس وقت اربابِ حق و عقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہو

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۳

گئیں کسی پر فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آ گیا اور بدرجہء مجبوری بادلِ ناخواستہ بیعت قبول کر لی ...... اور جس کو ایک جماعت کثیر کے وعدوں پر معزول کر دینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اختلاف محض امیدوں اور اندیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو گئی''۔

''موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزید نہ آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا۔[1]

خلافت راشدہ کا عہد اسلامی خلافت کے لئے اسوہ اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے یہ ایک زریں عہد ہے۔ کامیابی مقدر ہو یا نہ ہو اس کی باز آفرینی اور بازیابی کی آرزو سے کسی مسلمان کا دل کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بہت سے اہل عزیمت نے اس اعلیٰ اور مثالی نمونے کے قریب ہونے کی کوشش اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔ انسان صرف اس سعی و کوشش کا مکلف ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلافت راشدہ سے مشابہت رکھنے والا اجتماعی نظام قائم ہو جائے اسلام کی تاریخ میں ان کوششوں کے نتیجہ میں وہ وقفے ملتے ہیں جن سے خلافت راشدہ بابرکت زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ہدایت اور تذکیر کی کوششیں، حکمرانوں کی غلط کاریوں پر انہیں ٹوکنا اور تمام اندیشوں کے باوجود کلمہء حق زبان پر لانا اسی نیش آرزو کی موجودگی کی علامت ہے جو ایک مومن کو بے چین رکھتی ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر مسلم ہے کہ یزید کی ولی عہدی کے ذریعہ

---

[1] قاسم العلوم نمبر۴ صفحہ ۱۳ بحوالہ مکاتیب شیخ الاسلام از مولانا حسین احمد مدنی

خلافتِ راشدہ کے اجتماعی نظام سے انحراف پایا گیا تھا۔ اس ولی عہدی کی تحریک جس نے بھی پیش کی ہو اسے اجتہاد کی غلطی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ صرف اس لئے کہ زبانِ نبوی نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہی اصول حکمرانی قرآنی آیتوں کے ذریعہ بھی صحیح قرار پاتے ہیں جو عہد خلافتِ راشدہ میں پائے جاتے تھے۔

ان اللّٰہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا و اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ط انّ اللّٰہ نعما یعظکم بہ ط انّ اللّٰہ کان سمیعًا بصیراہ یایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللّٰہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ و الیوم الاخر ط ذالک خیرو احسن تأویلاہ۔

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم (ہر قسم کی) امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل اور حقدار ہیں اور (اے حاکمو) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو پس اگر تمہارے درمیان (تمہارے اور اولوالامر کے درمیان) کسی بات پر نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف حتمی فیصلہ کے لئے لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔[۱]

تخت اقتدار، منصب اور حکومت ذاتی جائداد اور ملکیت کسی کی نہیں یہ ایک امانت اور ٹرسٹ ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ان امانتوں کو صرف ان کے سپرد کرنا چاہیے جو امانتوں کے اہل اور حق دار ہیں۔ غیر مستحق اور نا اہل افراد کو یہ امانت سپرد

---

[۱] النساء ۵۸۔۵۹

نہیں کرنی چاہئے۔ لفظ امانت اپنے اندر ایک جہان معنی رکھتا ہے اور اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) اسلام میں حکومت شخصی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے۔

(۲) حکومت کے مالک حکام نہیں بلکہ غیر حکام ہیں جو کسی شخص کو سپرد کر کے اسے حاکم بناتے ہیں۔ اس لئے اقتدار وحکومت کا تحقق غیر حکام کی سپردگی کے ذریعہ ہوگا بالفاظ دیگر اس حکومت کو نمائندہ اور منتخبہ ہونا چاہئے۔

(۳) منصب حکومت پر صرف حقدار اور اہل (الی اھلہا) شخص کو بٹھانا چاہئے۔

(۴) حکام کے لئے عدل وانصاف کا حکم ہے یعنی ظلم وجور کی وجہ سے یا اہلیت کے مفقود ہوجانے کی وجہ سے یہ معاہدہ قابل تنسیخ ہوسکتا ہے۔

(۵) حاکم اور محکوم یکساں طور پر خدا اور رسول کے قانون کے تابع ہیں۔

(۶) محکوم کو حاکم سے نزاع واختلاف کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد قرآن وسنت ہو۔

(۷) قرآن وسنت کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ ہوگا۔ قرآن وسنت کو حتمی اور قطعی حیثیت حاصل ہے۔

(۸) قرآن وسنت پر مبنی فیصلہ کرنے والی عدالت کو حاکم کے اثر سے آزاد ہونا چاہئے۔

(۹) صلاح وفلاح صرف اس نظام میں ہے جس کے اصول اوپر بتائے گئے۔

علماء اور محققین نے خلیفہ اسلام کے لئے متعدد شرطیں بیان کی ہیں مسلمان ہونا آزاد ہونا عاقل وبالغ ہونا عادل اور عالم ہونا قریشی ہونا جنگی اور انتظامی امور میں باصلاحیت ہونا اور فاسق وفاجر نہ ہونا یہ سب شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اختلاف نہیں ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائے گی۔ اختلاف اس میں ہے کہ فسق بعد میں پیدا ہوا یا فسق کی خبر نہ

تھی تو بیعت ختم کی جا سکتی ہے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف کفر کے ظاہر ہونے اور اقامت۔ صلوٰۃ کے نہ کرنے پر یا شریعت کے کسی حکم کے نہ ماننے پر بیعت ختم کی جا سکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کفر نہ بھی ہو لیکن فسق ظاہر اور معلوم ہو تو بیعت ختم کی جا سکتی ہے۔

اب اس زمانہ میں جو نبوت سے قریب تھا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جنہوں نے نبوت کا اور خلافت راشدہ کا زمانہ پایا تھا قرآن کے عطا کردہ اصولوں سے خلفاء راشدین کے بابرکت طریقوں سے اگر کوئی انحراف پایا جائے اور ان نفوس قدسیہ کی آنکھوں کے سامنے ایسے شخص کو مسند حکم رانی پر بٹھا دیا جائے جس کا دامن داغ داغ ہے اور پھر کوئی اضطراب نہ ہو اور مقاومت کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو اور کوئی اس نظام کو چیلنج نہ کرے یہ بات عقل عام کے بھی اختلاف ہے اور دینی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا تر

وہ فاسقانہ ثقافت جو یزید کے دور اور اس کے دربار میں پروان چڑھ رہی تھی تاریخ کی بے شمار کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کی بے شمار روایتوں کا انکار بعض اہل قلم نے یہ کہہ کر کیا ہے جن معتبر شخصیتوں نے یزید کے ہاتھ میں بیعت سے انکار کیا تھا ان کی زبان سے یزید کے فسق و فجور کی کوئی بات رکارڈ میں نہیں ہے اور ان کی زبان سے ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے اس کی بدکرداری کی شہرت عام کی تصدیق ہوتی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت قریب تھا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اہل دل علماء اور اصفیاء کی مجلسیں لوگوں کی بدکرداری کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اور فسق و فجور کا تذکرہ ان کی ثقاہت کے منافی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ان کی زبان پر بدرجہ مجبوری اور بوقت ضرورت اور

بقدر ضرورت آتا ہے اور صراحتاً کم اشارتاً زیادہ۔ امام حسینؓ نے شہادت سے پہلے جو خطبہ دیا ہے جس میں انھوں نے اپنے اقدام کی شرعی اہمیت بیان کی اس میں بھی یزید اور اس کے حلقہ بگوشوں کے کردار کی طرف اشارہ موجود ہے۔

"لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے خدا کے عہد کو توڑنے والے خدا اور رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً وعملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کردے۔ لوگو! خبردار ہوجاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو معطل کردیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام کردیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت میں آنے کا زیادہ حق ہے۔[1]

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہل مکہ کے سامنے تقریر کی اس تقریر میں انھوں نے حضرت حسینؓ کے مقام عظمت کو موثر انداز میں بیان کیا ہے اور یزید کے دامن کو معصیت سے آلودہ قرار دیا ہے۔

اما واللہ لقد قتلوہ طویلاً	خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو
باللیل قیامہ کثیراً فی النہار	رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور
صیامہ احق بماھم فیہ منہم	دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو
واولی بہ فی الدین والفضل	اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ
اما واللہ ما کان یبدل بالقران	حقدار اور دین وفضل کے اعتبار سے زیادہ

[1] ابن کثیر ج ۲

العنـاء ولا بـالبكـاء من خشية الـلـه الـحـم اء ولا بـاالصيام شرب الحرام ولا بـالـمـجالس في عسق الـذكر والركض في تطلاب الصيد يعرض يزيد فسوف يلقون غيا۱

مستحق تھے بخدا وہ تلاوت قرآن کے بجائے گانے بجانے اور خوف الٰہی سے رونے کے بجائے نغمہ وسرود کا شغل نہیں رکھتے تھے نہ روزوں کے بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ نہ ذکر الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے (یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں) سو یہ لوگ عنقریب آخرت کی بربادی سے دو چار ہوں گے۔

بلاذری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا جو بیان ہے اس میں یزید کے کردار کے بارے میں صراحت پائی جاتی ہے۔

فبسطاابن الزبير لسانه في يزيد بن معاويه تنقصه وقال بلغني انه يصبح سكران ويمسي كذلك۲

عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید بن معاویہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو یہ بھیا اطلاع ملی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں صبح اور نشہ کی حالت میں شام کرتا ہے۔

یزید کی تنقیص ومذمت پر ائمہ دین علماء اسلام صدیوں سے متفق رہے ہیں اور جس کی شخصیت اہل دین کی نظروں میں سب سے زیادہ قابل نفرت رہی ہے، اور واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کے بعد جس کی تعریف وتحسین کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اس دور میں بعض اہل قلم اپنے سوادِ قلم سے اس کی سیاہ چہرہ کو پرکشش بنانے اور سوادِ کو بیاض سے بدلنے کی سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہیں اور بالواسطہ طور پر ان صحابہ کرام کو بھی مجروح کررہے ہیں جو میدانِ کربلا میں اور مدینہ منورہ میں یزید کی فوج کے

۱ طبری ۴؍۲۷۴

۲ انساب الاشراف ج ۴ ص ۲۱

ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

خود یزید کے بیٹے معاویہؒ بن یزید کی شہادت

قـلـدابی الامرو کان غیر اهله ونـازع ابـن بـنـت رسـول الله صـلی الله علیه وسلم فقصف عـمـره وانبتـر عقبه وصار فی قبـره رهیناً بذنوبه بکی وقال ان مـن اعـظـم الامور علینـا عـلـمـنـا سوء مصرعه وسوء مـنـقلبه وقد قتل عترة رسول اللـه واباح الـخمر وخرب الکعبه[1]

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنی گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہوگیا۔ یہ کہہ کر رونے لگے جو بات ہم پر سب سے گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا بڑا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے۔ اس نے رسول اللہؐ کے قرابت داروں کو قتل کیا شراب کو حلال کیا اور بیت اللہ کو ویران۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت

حـدثـنـا نـوفـل بن أبـی اقـرب کـنـت عند عمر بـن عبـدالـعزیـز فذکـر رجـل یـزیـد بـن معاویه فقال امیر المومنین یزید فقال له عمر تقول امیر

ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے (احتراماً) امیر المومنین یزید کے الفاظ نکل گئے اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو اس کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ

---

[1] الصواعق المحرقہ ص ۱۳۴

المومنين فأمربه فضربه عشرين سوطاً[1] — اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت

لونه عادلاً في كل اموره مطيعاً الله في جميع افعاله ليس اعتقاد احد من ائمة المسلمين[2] — یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے عمل و کردار میں خدا کا فرمان بردار تھا یہ ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں۔

"وضع الید فی الید" کی روایت

حضرت حسینؓ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ایک شرط وضع الید فی الید کو کچھ لوگ اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؓ یزید کے ہاتھ پہ بیعت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عربی زبان و ادب کے ذخیرے سے ایک جملہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مفہوم بغیر کسی قرینے کے بیعت سمجھا جائے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ ہی پیش آتا ہے لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لئے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مبابلہ تک کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؓ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو کرب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لئے یا سر جھکانے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و انقیاد ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔ اصل عربی

---

[1] لسان المیزان — یزید بن معاویہ ج ۶

[2] منہا السنۃ ص ۲۲۰ ج ۳

عبارت یہ ہے:

ان اضع یدی فی یدیزید بن معاویه میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر
فیری فیما بینی وبیه رایه وہ دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس
کی کیا رائے ہوتی ہے۔

اس عبارت سے بیعت مراد نہیں بلکہ نفس قضیہ پر گفتگو مراد ہے۔

امام حسینؓ کی وضع الید فی الید کی تجویز بعینہٖ وہی تجویز ہے جو حر بن یزید تمیمی نے پیش کی تھی۔ مقام ذی حسم میں وہ جب ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ سے ملا تو اس نے یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے ممکن ہے مفاہمت کی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ امام حسینؓ اس تجویز پر راضی ہو گئے یہی وہ تجویز تھی جسے وضع الید فی الید کے الفاظ میں امام حسینؓ نے پیش کی تھی۔ اس سے مفاہمت کی گفتگو مراد ہے نہ کہ بیعت۔

اگر وضع الید فی الید سے مراد بیعت انقیاد ہوتی تو اس تجویز کو قبول کرنے کے بعد فوراً وہ خطبہ نہ دیتے جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں اپنے اقدام کی شرعی اہمیت انھوں نے پوری قوت کے ساتھ پیش کی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں نکلے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس پیشکش سے مراد استسلام (Surrender) ہو سکتا ہے ایک کمزور فوج اپنے سے کئی گناہ زیادہ فوج کے مقابلہ میں استسلام کی پیشکش کر سکتی ہے اور بات چیت کے ذریعہ اصولی اختلافات کے حل کا راستہ نکالنے کی دعوت دے سکتی ہے۔

"وتواصوبالحق وتواصوبالصبر" پر عمل کا نمونہ

واقعہ یہ ہے کہ اقدام امام حسینؓ حق اور صبر پر تلقین کا بہترین نمونہ ہے۔
قرآن میں گھاٹے اور خسران سے بچنے والوں کے اوصاف میں وتواصوبالحق وتواصوابالصبر آیا ہے۔ حق اور صبر کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کنبے اور محلے سے لے کر نظام حکومت کی تبدیلی کا مفہوم اس میں شامل ہے نظام وقت اور نظام حکومت کی تبدیلی کی کوشش فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہو۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کا بہرحال کچھ لوگوں کو بیڑا اٹھانا چاہئے اور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے والے پوری امت کی طرف سے احترام اور شکریے کے مستحق ہوں گے۔ بصورت دیگر پوری امت کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن یہ فرض کفایہ ان نفوس قدسیہ کے لئے جو اپنے اندر اس کام کی اہلیت ولیاقت پائیں، فرض عین بھی بن جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے ؎

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگادو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے

یہ ہے واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر۔ اس کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کی اسپرٹ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے اور اس نے پوری اسلامی تاریخ میں حکمراں طبقے کو لگام دینے اور غلط روی پر بریک لگانے کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر اس طبقے کو جس کے ہاتھ میں اقتداء کی باگ ڈور ہے مکمل

اطمینان ہو جائے کہ نہ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا ہے نہ بے خوفی کے ساتھ کلمہ حق کہنے والا تو وہ طبقہ اپنی من مانیوں اور مفسدہ پردازیوں پر اور بھی شیر اور دلیر ہو جائے گا۔

آج کے اس دور میں بھی سنوسی تحریک اور اخوان المسلمون کی دعوت سے لے کر جہاد افغانستان تک وہی شوق شہادت اور سرفروشی کی روح پائی جاتی ہے جس کا نمونہ سیکڑوں سال پہلے ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ ان ہی کے فیض سے اہل ایمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ اور تازہ کار رہا ہے۔ اگر ان کے نمونے نہ ہوتے تو اسلام کی تاریخ تملق، چاپلوسی، اور مداہنت کی تاریخ ہوتی خاک کے آغوش میں بس تسبیح ومناجات باقی رہ جاتی جو جمادات ونباتات زاحفات وحشرات کا دین ہے۔ وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا نمونہ کہیں نظر نہ آتا ہو مردان احرار وحق آگاہ کا مذہب ہے۔

آخر میں ایک بات اور

واقعہ کربلا یا کسی بھی اسلامی تاریخ کے واقعہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے کے لئے سب سے پہلے صحیح زاویہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں دین اسلام کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو نمونہ اور معیار کی ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اس کے داخلی تقاضے اور خارجی تقاضے دونوں بدرجہ اتم پورے ہوتے ہیں، انفرادی سطح پر معاشرہ میں تقویٰ اور خوف خداوندی موجود ہوتا ہے ذکر وعبادت سے فضا معمور ہوتی ہے اور اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہوتا ہے معاشرت اور سیاست کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی اشاعت و جہاد کا کام انجام پاتا ہے۔ دین اسلام کی دوسری حیثیت وہ ہے جو نمونہ اور معیار تو نہیں ہے لیکن وکام چلاؤ اور عام طور پر معمول بہ دین ہے۔ اس معمول بہ دین میں ذکر وشغل اور تسبیح وتلاوت اور اپنے اپنے محدود حلقوں میں تذکیر اور تزکیہ نفس کا

کام انجام دیا جاسکتا ہے، لیکن اقتدارِ وقت پر دین کی بالا دستی باقی نہیں رہتی جس کے اثرات معاشرہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ علامہ اقبال نے دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ وخداست
یہ مذہب ملاوجمادات ونباتات

اگر حالات ساز گار نہ ہوں اور فتنہ قوی ہو چکا ہو اور عزیمت بھی مفقود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ معمول بہ دین پر عمل کرلیا جائے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لا یکلف نفساء الا وسعھا لیکن یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ایک انسان معمول بہ دین کے فلسفہ کے مبلغ بن جائے اور جو نمونہ اور معیار ہے اسکی آرزو تک باقی نہ رہے۔

ایک مرض اور اس کے اسباب

پہلے یہ چند حدیثیں پڑھ لیجئے۔

۱۔ احب اھل بیتی الحسن والحسین [۱]	مجھے اپنے اہل بیت حسن اور حسین سے محبت ہے۔
۲۔ عن زید بن ارقم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قا: لعلی وفاطمہ والحسن والحسین انا حرب من حاربھم و سلم لمن سالمھم	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے۔[۲]

---

۱ ترمذی ۲ رواہ الترمذی۔ مشکوۃ ج ۲ ص ۵۷۰

۳۔ هماریحانتای من الدینا — حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی:

۴۔ ارقبوا محمداً صلی الله فی اهل بیته — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس ولحاظ رکھو۔[2]

بخاری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے:

''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قرابت رسول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

من ینسب لعبد المطلب مؤمناً کعلی وبنیه — جس مسلمان کا رشتہ نسب عبدالمطلب سے ملتا ہے جیسے علیؓ اور ان کے دونوں لڑکے

اوپر کی روایات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت بالخصوص حضرات حسنین پر بے اندازہ شفقت فرماتے تھے۔ گذشتہ بحثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہر دور میں ائمہ فقہاء اور محدثین اور علماء جگر گوشہ رسول سے محبت اور یزید سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں یہ بھی لکھا دیا گیا ہی کہ حق حضرت حسینؓ کے ساتھ تھا۔ اس بات کو عقیدہ کا جزء اس لئے غالباً بنا دیا گیا کہ یہ اندیشہ موجود تھا کہ مسلمانوں کو اس بارے میں گمراہ کیا جا سکتا ہے

---

[1] صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین

[2] بخاری باب مناقب قرابۃ رسول اللہؐ

چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلھا احاداً [1]	اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا ان تمام امور کی تفصیلات گو بطریق احاد مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں۔

ان احادیث اور ائمہ وعلماء کی تصریحات کی موجودگی میں حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانا اور یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنا اور ایک طرح کا نفسیاتی مرض ہے۔ اس مرض میں گرفتار لوگوں کے ذہن وفکر کا جائزہ لیا جائے اور تحلیل نفسی کی جائے تو درج ذیل اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور نکل آئے گا۔

۱۔ تصور دین کی غلطی، یعنی شعوری یا غیر شعوی طور پر یہ سمجھ لینا کہ دین کا معاملہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک فرد کے لئے ذاتی زندگی کی اصلاح تقویٰ اور تعلق مع اللہ کافی ہے۔ خلیفہ کیسا ہو عقد خلافت صحیح طریقہ سے ہو یا جبروا استبداد کے ذریعہ یہ اور دیگر سیاسی معاملات کا براہ راست دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یزید کی مخالفت کر کے حضرت حسینؓ نے بے جا اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جان گنوائی۔

۲۔ شیعیت کے معاملہ میں حد سے بڑھی حساسیت، یعنی ردشیعیت میں اتنا غلو کہ اہل بیت سے اور خاص طور پر سبط رسول سے والہانہ محبت کا اگر کسی نے اظہار کیا اور یزید پر لعنت وملامت کی تو اس میں شیعیت کی بو اور خو محسوس ہونے لگے اور ایسے جذبات کا رشتہ فوراً شیعیت سے جوڑ دیا جائے۔ یا زبان سے یہ بات نہ کہی

---

[1] شرح عقائد نسفیہ ۱۴۷ طبع مصر

جائے لیکن خود انسان کا سینہ نقد شیعیت میں انتہا پسندی کی وجہ سے اس طرح کے لطیف جذبات سے بالکل خالی ہو جائے اور حضرات حسنین سے واقعی محبت دل میں نہ پائی جائے۔

۳۔ تیسرا سبب حد سے بڑھی ہوئی عقلیت اور عشق رسول میں کمی یا اس سے محرومی کا روگ ہے جو مغربی تہذیب کے استیلاء کے دور میں ترقی پذیر ہے۔ کچھ لوگوں میں تو دل میں چھپا ہوا روگ زبان پر بھی آ جاتا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہؐ سے غرض ہے نہ کہ محمد بن عبداللہ سے۔ یعنی ذات گرامی کی تشریعی حیثیت سے بحث ہے نہ کہ آپ کی ذاتی زندگی سے۔ اس لئے آپ کی سنتوں کا اتباع اور آپ کی محبوب چیزوں کی محبوب رکھنا اور آپ کے اسوۂ حیات سے عشق ایک غیر ضروری چیز ہے۔ جب یہ معاملہ رسول کے ساتھ ہے تو سبط رسول سے محبت کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے اور جب عشق و محبت نہیں تو اس بارے میں غیرت و حمیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ غیرت کا گہرا تعلق عشق سے ہے۔ لیکن ابھی تک مخالفین حسینؓ اور موئیدین یزید میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبان سے یہ بات تو نہیں کہتے لیکن اگر وہ خود اپنے دلوں کا جائزہ لیں گے تو محسوس ہوگا کہ محبت اہل بیت یا تو سرے سے نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

سچ یہ ہے کہ عشق نبوی کا معاملہ محض جذباتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریعی حیثیت ہے اور اس محبت کے لئے نص صریح موجود ہے اس محبت میں کمی نہ پیدا ہونے کے لئے خصوصی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ دین کے اصل مزاج کے بقاء اور تسلسل اور اس امت کی حفاظت کے لئے اس عشق و محبت کی حیثیت مستحکم قلعہ ہے اور اس کے بغیر نہ دین کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ دین سے وابستہ امت کی۔

تاریخی مطالعہ یا معروضی مطالعہ کے حوالہ سے واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانے

اور حضرت حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں مذکورہ تین اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور مل جائے گا اور دینی روحانی اور سماجی علوم کے لئے بھی کوئی خورد بینی آلہ موجود ہوتا تو ان جرثوموں میں سے کوئی ایک جرثومہ ضرور دیکھ لیا جاسکتا۔

دین کے بارے میں صحیح اور متوازن تصور کو ذہن میں جاگزیں کرنا اور جمہور اہل سنت کے موقف کی صحت پر یقین اور عشق کے آب حیات سے تخم دل کی آبیاری نہ صرف واقعہ کربلا کے غلط مطالعہ کے سلسلہ میں نفسیاتی مرض کا علاج ہے۔ بلکہ یہ بہت سے فکری اور نفسیاتی امراض کا علاج بھی ہے۔ یہ وہ نسخہ شفاء ہے جس سے قلب ونظر کی بیماریوں کے بہت سے مریض شفایاب ہوسکتے ہیں۔

رضی اللہ عنہما

اکابر صحابہ پر بہتان

شہادت سیدنا عثمان
ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے بارے میں ایک
خودساختہ افسانے کا تحقیقی جائزہ

از

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

ناشر:

مکتبہ سید احمد شہید

10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: 7223862-7228272-7228196

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود احمد عباسی: اپنے عقائد ونظریات کے آئینہ میں

از علی مطہر نقوی

عباسی صاحب کی تلبیسات کا تجزیہ تو متعدد اہل علم اور اہل قلم کر چکے ہیں، لیکن زیر تبصرہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے ذریعہ عباسی ذہنیت کا پس منظر اور اس کے افکار ونظریات پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں۔ جس سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ اس کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی تالیف کے اصل محرکات کیا تھے؟

کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے کہ انھوں نے مختلف لوگوں کے مضامین سلیقہ سے مرتب کر کے ایک گلدستہ تیار کردیا ہے۔ تمہید نگارشات کے بعد کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔

پہلا حصہ تاثرات وانکشافات کا ہے، جو ایسے حضرات کے ذاتی مشاہدات پر مشتمل ہے جنہوں نے عباسی صاحب کو قریب سے دیکھا اور نجی محفلوں میں ان کے افکار وخیالات وخود عباسی صاحب کی زبان سے سنا۔ اس باب کو پڑھنے کے بعد قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ عباسی صاحب لادینی نظریات کے حامل تھے انہیں شیعوں سے کوئی ضد وکد نہ تھی اور "در مدح یزید گوید" کا شغل "حب معاویہ" کی وجہ سے نہیں بلکہ "بغض علیؓ" کی وجہ سے فرماتے تھے۔

دوسرے حصہ کا عنوان ہے۔ "عباسی صاحب اپنے عقیدت مندوں کی نظر میں" اس میں مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی کا وہ مضمون درج ہے جو عباسی صاحب کی کتاب کی پرزور حمایت میں صدق جدید لکھنؤ میں شائع ہوا تھا۔ نیز عزیز احمد صدیقی کی کتاب سے "عقیدتمندان محمود احمد عباسی کی فہرست" نقل کی گئی ہے اور عظیم الدین صاحب کا وہ خصوصی مقالہ درج ہے جو "مجلس حضرت عثمان غنیؓ کورنگی" نے "مجدد تاریخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی کے عنوان سے شائع کیا۔

تیسرے حصے میں عباسی صاحب کی کتاب پر علمی مجلات کے تبصرے ہیں جن میں عباسی صاحب کی "تاریخی تحقیق کی بخیہ دری" کی گئی ہے۔

چوتھا حصہ "مضامین اکابر" کا ہے جس میں ان مسائل کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ واضح کیا گیا ہے جن کو عباسی صاحب نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضامین زیادہ تر امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروق لکھنوی کے ہیں۔ دو ان کے صاحب زادے مولانا عبدالمؤمن کے اور ایک حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا۔

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب محمود احمد عباسی کی تحریک ناصبیت کو سمجھنے کے لئے کلید کا کام دے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس نازک وقت اور خطرناک ترین دور میں اہل سنت جس صورت حال سے غیر شعاری طور پر دوچار ہوتے جا رہے ہیں اور جس گہری سازش کا شکار بنتے جا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اندرون خانہ "حب صحابہ" اور "ردشیعہ" کا لیبل لگا کر بکمال ذہانت مذہب اہل سنت کا تحریف شدہ "جدید ایڈیشن" تیار کیا جا رہا ہے "خلافت راشدہ" جیسی دینی اصطلاحات جس کا خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی طرف سے مفہوم و مصداق بالکل متعین ہے۔ اس کی اصل دینی حدوں کو وسیع کر کر بے وزن و بے اثر بنایا جا رہا ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور خلیفہ رابع حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقابلہ میں "یزید" و "مروان" کو اعلیٰ سیرت کا حامل، پیکر محاسن، خادم دین وملت اور فہیم ومخلص باور کرایا جا رہا ہے، اور حیف صد حیف کہ یہ نت نئی تبدیلی اور خطرناک سازش خود چند نام نہاد اہل سنت افراد ہی کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

چنانچہ فی الوقت ملک کے طول وعرض میں غیر محدود طور پر "ناصبیت" کو فروغ دینے کی کوشش جاری ہے۔ "ناصبیت" نے "رفض" ہی کی کوکھ سے جنم لیا ہے، جو اس کا قدرتی ردعمل تھا۔ صحابہ کے مقابلہ میں "روافض" و "نواصب" آپس میں ایک دوسرے کے خورد وکلاں بھائی بھائی ہیں، البتہ رافضی بڑے بھائی ہیں اور ناصبی چھوٹے بھائی۔

ایک مرض کا علاج دوسرے مرض کے ذریعہ کرنا عقلمندی نہیں نادانی ہے۔ یہ خالص تباہی اور ہلاکت کا سودا ہے، لہٰذا رفض کا علاج ناصبیت سے کرنا خود رفض کو اپنانا اور بانی مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی روح کو شاد کرنا ہے۔ اب ذرا موجود دور کے ناصبیوں کے اس افتراء پردازی پر غور فرمائیں کہ "جملہ صحابہ کرام کے سردار حضرات خلفاء راشدین ایک دوسرے کے حریف، اقتدار پسند اور طالب جاہ

وشہرت تھے چنانچہ خلیفہ رابع حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے منتظر بیٹھے گھڑیاں گن رہے تھے اور جب وہ دنیا سے رحلت کر گئے تو ان کے بیٹے عبیداللہ بن عمر کو تہ تیغ کرانے میں کوشاں رہے۔ حالانکہ آپ فاروق اعظم کے مشیر خصوصی ہی نہیں بلکہ اس درجہ ان کے گرویدہ وعقیدتمند تھے کہ جب ان کا جنازہ لایا گیا تو بے تابانہ دست بدعا تھے کہ "اے الہ العالمین میرا اعمالنامہ بھی محض اپنے فضل سے روز قیامت ان جیسا روشن ومنور بنادے۔" آپ ہی کے الفاظ ہیں۔

خیر الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر۔ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور پھر عمر۔

غور فرمایئے "حب صحابہ" اور "ردشیعہ" حضرت فاروق اعظم اور علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو باہم شیروشکر باور کرانے میں مضمر ہے جو کہ امر واقعی ہے۔ یا ان کو باہم ایک دوسرے کا حریف ومعاند ثابت کرنے میں جیسا کہ شیعوں اور اس دور کے ناصبیوں کا دعویٰ ہے اور جو سراسر افتراء، اور خلاف واقعہ ہے۔ افسوس ہے کہ بانیان "مجلس عثمان غنی" اس کھلی حقیقت کو نہ سمجھ سکے، اور افتراء پردازی وبہتان طرازی میں لگے شیعوں کی نقل اتارنے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔

کسور اصل شیعان علی اور بانیان "مجلس عثمان غنی" یعنی شیعان عثمان دونوں کا منصوبہ صحابہ میں تفریق وعناد کو ہوا دیتا ہے۔ اصل مقصد میں دونوں شریک ہیں۔ صرف شخصیتوں کو مجروح کرنے میں فرق ہے، روافض خلفاء ثلاثہ کے دشمن ہیں اور بانیان مجلس نواصب، شیعہ امویہ علی وحسنین اور ان صحابہ کے جو امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت مرتضی کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین کو واجب الاحترام اور اپنا قائد مانتے ہیں خواہ وہ انصار ومہاجرین وعشرہ مبشرہ ہی کیوں نہ ہوں۔

حد ہوگئی بانیان مجلس کی روسیاہی کی کہ وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے میں بھی بنی ہاشم اور حضرت علی مرتضی کو ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے انتقام لے یہ تاثر یہ دیا جارہا ہے کہ گویا تہمت عائشہ میں بھی جس سے آمین و آسمان کانپ اٹھے علی حصہ دار ہیں، اور اگر براہ راست خود حصہ دار نہیں تو مفتوی کے خاندان بنی ہاشم سے تو وابستہ ہیں ہی، لہٰذا جرم ثابت، گویا خاندان بنی ہاشم سے ہونا خود ایک ناقابل معافی جرم اور خطاء عظیم اور شیعیت ہے۔ حضرات علی و حسنین و طلحہ و زبیر جیسے اکابر صحابہ کے بارے میں جو گھناونی اور من گھڑت کہانیاں ''مجلس عثمان غنیؓ'' کے شائع کردہ اس پہلے کتابچہ میں درج ہیں اس سے ناظرین ان بدباطن ناصبیوں کے دلی کھوٹ اور زیغ والحاد کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ مجلس سے شائع کردہ تمام کتابچوں کا یہی حال ہے کہ چاندی سونے کے ورق میں لپیٹ کر زہر کی گولیاں دی جارہی ہیں۔ جن کے پڑھنے اور صحیح باور کرنے سے آدمی خاندان رسالت سے بدظن۔ اکابر صحابہ سے بدعقیدہ اور ایمان کی حلاوت سے محروم ہوجاتا ہے۔

اخیر میں ہم مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ کے شکر گزار ہیں کہ مولانا موصوف نے ہماری تحریک پر اس فتنہ کے قلع وقمع کے لئے قلم اٹھایا، اور یہ قیمتی مقالہ لکھ کر اس مجلس کے دجل وفریب کا پردہ چاک کردیا جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیراً

ترجمان اجداد

علی مطہر نقوی (امروہوی)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر فتنہ عظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّد المرسلین سیدنا محمد وعلیٰ وآلہ الطاہرین واصحابہ الطیبین

امابعد: برصغیر پاک وہند میں روافض کا وجود زمانہ قدیم سے ہے ایک زمانہ میں ملاحدہ باطنیہ نے ''ملتان'' میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ملت کے بطل جلیل سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کو کہ انھوں نے ''ملتان'' سے ان کی سلطنت کا خاتمہ کرکے باطنی شیعوں کا قلع قمع کیا تاہم ان ''قرامطہ ملاحدہ'' کی یادگار ''آغاخانی'' اور ''برہان الدین'' کی جماعت سے وابستہ ''باطنی شیعہ'' اب بھی ہندو پاک کے مختلف شہروں میں جابجا کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ''ملاحدہ باطنیہ'' بالاتفاق غیر مسلم ہیں۔ یہ اپنے ائمہ کو نعوذ باللہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے افضل سمجھتے ہیں۔ صحابہ اور دین کے دشمن ہیں۔ قرآن وشریعت کو معطل کردینے کا اپنے ائمہ کو حقدار سمجھتے ہیں چنانچہ آغاخانیوں نے تو آجکل دین وشریعت کو بالکل معطل کر ہی رکھا ہے یہ لوگ اپنے ائمہ میں خدا کے حلول کرنے کے بھی قائل ہیں۔

''شیعہ اثناعشری'' جو بارہ اماموں کے قائل ہیں ان کو معصوم جانتے ہیں اور ان کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں انھوں نے بھی ''دکن'' میں اقتدار حاصل کرکے اپنی ریاستیں قائم کرلی تھیں مجاہد کبیر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عہد میں ''دکن'' کی ان ریاستوں کو ختم کرکے قلمرو سلطنت میں داخل کرلیا تھا تاہم جب سے ہمایوں ''ایران'' سے لوٹا مغل دور حکومت میں شیعہ ''اثناء عشریہ'' کی تعداد بڑھتی ہی رہی۔ ''اودھ'' میں ان کی ریاست مستقل قائم ہوگئی تھی۔ جو انگریزوں کے زمانہ میں ختم ہوئی، اب عام طور پر رافضی کے نام سے یہ لوگ الگ جانے پہچانے

جاتے ہیں اور کم وبیش ہر بڑے شہر اور قصبے میں موجود ہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام سے تبری وبیزاری ان کے بھی دین کا جز ہے۔ قرآن کریم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے غیظ اور ان پر غصہ اور خفا ہونے کو کفار کا خاصہ بتایا ہے۔ ارشاد ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ

پچھلے چند برسوں میں جب سے محمود احمد عباسی امروہوی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" منظر عام پر آئی ہے چونکہ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی طرح کردار کشی کی گئی ہے جس طرح روافض حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی کیا کرتے ہیں۔ اس لئے بہت سے نادان مسلمان جن کو ملعون عباسی کی ابلہ فریبی کا پتہ نہیں کہ اس کتاب میں اس نے دجل وتلبیس کے کیسے کیسے خوشنما جال بچھائے ہیں۔

جھوٹ کو سچ سمجھ کر رافضیوں کی ضد میں اس درجہ آگئے بڑھ گئے کہ انھیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے اکابر صحابہ کی تنقیص وتوہین میں مزہ آنے لگا۔ اس صورت حال سے منکرین حدیث اور کمیونسٹوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ وہ بھی دبے پاؤں ان کی صف میں آکر شامل ہوگئے۔ شدہ شدہ نوبت بایں جارسید کہ اس فتنہ پردازی کی اشاعت کے لئے باقاعدہ مجلسیں بن گئیں۔ اسی قسم کی ایک مجلس اور اس کے غلط انداز فکر کا قارئین سے تعارف کرانا مقصود ہے یہ مجلس کورنگی کراچی میں حضرت عثمان غنی کے نام پر قائم کی گئی ہے۔ جس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"مجلس عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرات کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو مؤثر طور پر زائل کرنے اور مسلمان امت کی صحیح تاریخ منظر عام پر لانے کے لئے قائم کی گئی ہے جس کی پہلی خدمت آپ کے سامنے

ہے اس عظیم اور مقدس مقصد کے لئے آپ کا تعاون ضروری ہے۔" (ص ۲)

یہ پہلی خدمت جس کے لئے جملہ مسلمانوں سے تعاون کی اپیل کی گئی ہے ۳۲ صفحات کا ایک کتابچہ ہے جس کا نام ہے۔ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کیوں اور کیسے؟ یہ سلسلہ مطبوعات مجلس حضرت عثمان غنیؓ کی پہلی کڑی ہے جو ۱۲۷ اے ۵۱ کورنگی نمبر ۶ کراچی ۳۱ سے شائع ہوئی ہے۔ کتابچہ کی قیمت ایک روپیہ لکھی ہے۔ مرتب کا نام احمد حسین کمال ہے اور پتہ جمعیۃ اکادیمی۔ سی ۱۵۳ کورنگی ۶ کراچی مرقوم ہے۔ مطبع کا نام درج نہیں کیا گیا۔

لیکن اس کتابچہ کے ذریعہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو مؤثر طور پر زائل کرنا تو کجا الٹی یہ کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو اس طرح رنگ آمیزی کر کے بیان کیا جائے کہ جس سے حضرت ممدوح کی شہادت کے اصل ذمہ دار تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ قرار پائیں اور آپ کے ہر دو صاحبزادگان حضرات حسنین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان دونوں حضرات کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر اور حضرت عمار بن یاسر اور دیگر حضرات اہل مدینہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا کردار بھی اس بارے میں گھناؤنا نظر آئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طوفان باندھنے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کو مورد طعن وملامت بنایا جائے اور اس کی ذمہ داری بھی ان ہی کے سر ڈالی جائے۔ اب پہلے اس خود ساختہ افسانہ کو مختصراً مرتب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے، پھر اس کے جھوٹ سچ کا خود ہی فیصلہ فرمائیے۔ مرتب کے الفاظ ہیں۔

قیامت صغریٰ

مدینہ کے ایک گروہ کی حوصلہ افزائی پاکر کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ سے کئی ہزار افراد پر مشتمل، شرپسندوں اور باغیوں کا گروہ اچانک مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا محاصرہ کرلیا...... شہر مدینہ کا رابطہ دوسرے شہروں سے کاٹ دیا۔ مدینہ میں رہنے والے اکابر حضرت علیؓ وغیرہ خاموشی کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل گئے یا چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھ رہے...... اہل مدینہ کی بے وفائی و بے حسی سے کبیدہ خاطر ہوکر...... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچتی بچاتی مکہ معظمہ تشریف لے گئیں تاکہ مدینہ کے افسوسناک حالات سے...... حج کے موقع پر آئے ہوئے دنیا بھر کے مسلمانوں کو مطلع کردیں کہ مدینہ میں کونسی قیامت صغریٰ برپا ہورہی ہے۔

باغیوں نے یہ محسوس کرکے کہ حج پر آئے ہوئے مسلمان...... مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آکر ان باغیوں کی سرکوبی نہ کرڈالیں...... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگادی، اس وقت حضرت عثمانؓ کے دروازے کے سامنے کھڑے، مدینہ کے جو افراد بے بسی کے ساتھ یہ کاروائی دیکھ رہے تھے۔ ان میں حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادے حسنؓ اور حسینؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر کے صاحبزادے محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ شامل تھے۔ دروازے میں جونہی آگ لگی اور شعلے بلند ہوئے، حضرت عثمان کے داماد اور کاتب مروان تلوار لے کر باہر نکلے تاکہ باغیوں کو آتشزنی کی کاروائی سے روکیں، باغیوں نے مروان پر حملہ کردیا، ابن اپناع نے آگے بڑھ کر مروان کو نشانہ بنانا چاہا لیکن مروان کی تلوار نے اس کا کام تمام کردیا۔ مروان کافی دیر تک باغیوں سے نبرد آزمار ہے لیکن باغیوں نے انھیں دھکیل کر فاطم بنت اوس کے مکان میں بند کردیا اور آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کود کر کئی شرپسند حضرت عثمان کے مکان میں داخل ہوگئے۔ ان شرپسندوں کی قیادت

حضرت علیؓ کا ایک سوتیلا بیٹا اور پروردہ محمد بن ابی بکر کر رہا تھا۔ اس محمد نے حضرت عثمان کو پیشانی پر پیکان سے ضرب لگائی، اور داڑھی پکڑ کر کھینچی اس کے ایک ساتھی کنانہ بن بشر نے کان کے نچلے حصہ میں تیر مار کر حضرت عثمان کے حلق سے پار کر دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی غافقی نے لوہے کی سلاخ سے حضرت عثمانؓ کا سر پھاڑ دیا اور اس قرآن کو ٹھوکر مار کر دور پھینک دیا جسے حضرت عثمان تلاوت فرما رہے تھے۔ اس کا تیسرا ساتھی عمرو بن حمق حضرت عثمان کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور آپ کے سینہ پر خنجر کے نو (۹) چرکے لگائے۔ اس کے چوتھے ساتھی سودان بن حمران مرادی نے تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے حضرت عثمان کا چراغ حیات گل کر دیا۔ یہ تھے وہ "پنجتن"، جنہوں نے مسلمانوں کے خلیفہ کو...... دن دھاڑے مدینہ میں...... بے رحمی کے ساتھ شہید کر ڈالا...... اس خونین حادثہ کے بعد تین دن تک حضرت عثمان کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی...... تین دن کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان رات کی تاریکی میں حضرت عثمان کے چند قریبی رشتہ دار مروان وغیرہ کوڑا کے ٹوٹے ہوئے ایک تختہ پر حضرت عثمان کی لاش ڈال کر قبرستان جنت البقیع کے ایک حصہ "حش کوکب" میں لائے زبیر، ابوجہم بن حذیفہ، حسن، حکم بن حزام، نیا ر بن مکرم اسلمی جنازے کے ہمراہ تھے۔ جبیر بن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور رات کے اندھیرے میں نہایت خاموشی کے ساتھ حضرت عثمان کی میت کو دفن کر دیا۔ (از ص ۸۹ تا ۹۱)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت خلافت: باغی جب حضرت عثمان کو شہید کرنے کے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور مدینہ میں جتنا فساد وہ کرنا چاہتے تھے کر چکے تو اب انہیں اس اندیشہ اور خوف نے پریشان کر ڈالا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے حج کے موقع پر خلیفہ کی امداد کے لئے ضرور اپیل کی ہوگی اور مسلمان ان کی اپیل پر لبیک کہہ کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے دوڑ پڑیں گے اس احساس کے پیش نظر انھوں نے اپنی حفاظت کی راہ ڈھونڈنا شروع کی وہ سب کے سب حضرت علی

کے گرد و پیش جمع ہو گئے اور ان پر زور دیا کہ وہ اپنی خلافت کے لئے بیعت کر لیں۔ اہل مدینہ کو بھی مجبور کیا کہ وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ (ص ۱۰)

صفحہ ۱۰ پر ہی مؤلف نے "شہادت عثمان غنی پر رنج والم کے جذبات" کا عنوان قائم کیا اور پھر صفحہ ۱۶ تک مختلف حضرات کے مراثی سے ان اشعار کا ترجمہ پیش کیا ہے جو ان کے مرثیہ کے سلسلہ میں کہے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں ولید بن عقبہ کی طرف منسوب کر کے ان کے الفاظ کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"اے بنو ہاشم اپنے بھانجے کے خون آلود ہتھیار واپس دیدو، اس کا مال نہ لوٹو یہ تمہیں جائز نہیں ہے۔

"بنی ہاشم قیادت کے معاملہ میں جلدی نہ کرو، عثمان کے قاتل اور اس کا مال لوٹنے والے یکساں مجرم ہیں۔" (ص ۱۵)

اور نائلہ بنت فراضہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ انھوں نے معاویہؓ بن ابی سفیان کے نام جو خط لکھا تھا اس میں تحریر تھا کہ

"مدینہ والوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر کے مکان میں ہر ہر چیز کا داخلہ بند کر دیا۔ حتی کہ پانی تک نہ آنے دیا۔" (ص ۱۵)

اور یہ بھی کہ

"اہل مصر کی قیادت محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر کر رہے تھے۔ (ص ۱۶)

حضرت عثمان کے خلاف سازش اور شہادت: "لیکن صد ہزار افسوس کہ اسلام کے خلاف خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد ابی لہب اور اس کی بیوی نے عناد و سازش کا جو بیج بویا تھا اور جس پر قرآن حکیم نے سورۃ "تبت یدا" میں ان دونوں کو ملعون ٹھہرایا تھا۔ وہ بیج ایک پودے کی شکل میں مدینہ پہنچا اور پروان چڑھتا رہا اس کا پہلا نشانہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیوی حضرت ابوبکر کی پیاری بیٹی اور امت کی محترم ماں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنائی گئیں، اور ان پر

مخالفوں وسازشیوں نے تہمت عائد کی، جس کی برات خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر فرمائی۔ بالآخر یہی سازش تھی جس نے خلافت کے مسئلہ پر نزاع کھڑا کیا اور افراد بنی ہاشم نے ۶ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمر کو شہید کرایا۔ اب جبکہ نومسلموں اور عرب قریش اور بنی ہاشم کی نئی نسل جوان ہوگئی تھی۔ سازش نے پیر پھیلائے پر اور پرزے نکالے اور حضرت عثمان کے خلاف نکل کر سامنے آگئی۔ جس خلیفہ نے اسلامی مملکت کو بچایا لوگوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ شہر آزادیاں عطا کیں اس خلیفہ کو دن دہاڑے دارالخلافت اور دارالرسالت شہر مدینہ میں...... بھوکا اور پیاسا تڑپا کر لوہے کی سلاخوں سے مار مار کر ہلاک کرڈالا گیا جبکہ مدینہ میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے اکابر اور حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے نوجوان بنی ہاشم موجود تھے۔ کیا آسمان وزمین نے اس سے زیادہ دردناک کوئی اور منظر بھی دیکھا ہوگا۔" (ص ۲۹ و ۳۱ و ۳۲)

مرتب نے حضرت عثمان کے کارناموں کے سلسلہ میں ایک عنوان قائم کیا ہے۔ خطرناک سازش کو ناکام بنادیا: اور پھر اس کے ذیل میں یہ کہانی لکھی ہے۔

"خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سازش کو ناکام بنانے کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی جس کے نتیجہ میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت میں ایران کے وہ نومسلم ملوث تھے جو جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینہ آئے۔ انہوں نے بن ہاشم کے نوجوانوں سے ربط وضبط بڑھایا اور ہرمزان نامی ایک ایرانی کے گھر پر ایرانی نومسلموں اور بن ہاشم کے نوجوانوں کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا رہتا تھا اور ایک گروہ تشکیل پا گیا تھا ایک دن فجر کی نماز میں جبکہ ابھی کافی اندھیرا تھا اور حضرت عمر امامت فرما رہے تھے۔ اس گروہ کے ایک فرد فیروز ابولولوۃ نے پیچھے سے زہر آلود خنجر

سے حضرت عمر پر پے در پے قاتلانہ وار کر ڈالے اور دوسرے کئی نمازیوں کو شہید و زخمی کر دیا۔ بعد کو خود بھی خودکشی کر لی۔ اس شخص نے جس خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کئے وہ ہرمزان کا تھا۔ حضرت عمرؓ کے قتل کی سازش کے اصل محرک کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت عمر کے صاحبزادے عبیداللہ نے مشتعل ہو کر ہرمزان کو قتل کر دیا اور چند دوسرے سازشی بھی اس کی زد میں آ گئے۔ حضرت عثمان جب خلیفہ منتخب ہو گئے تو بجائے اس کے کہ حضرت عمرؓ کے قتل کی تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف مکمل کاروائی کا مطالبہ کیا جاتا۔ بنو ہاشم اور حضرت علی کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ عبیداللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے اس کی شدید مخالفت کی اور دوسرے تمام اصحاب رسول نے بھی اسے غلط قرار دیا۔ تاہم حضرت عثمان نے عبیداللہ بن عمر کی طرف سے خود "دیت ادا کر کے مقتول کے وارثین کے ساتھ صلح وصفائی کرادی لیکن بنو ہاشم اور حضرت علی کی طرف سے عبیداللہ بن عمر کے قتل کئے جانے پر اصرار جاری رہا حتی کہ جب حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کے ہاتھ پر باغیوں نے بیعت کی تو پہلی کارروائی یہ ہی کی گئی کہ عبیداللہ بن عمر کو "دیت" پر رہا کر دینے کا حضرت عثمان کا فیصلہ منسوخ کیا گیا اور عبیداللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلے قتل کر دینے کا حکم جاری کیا گیا۔" (ص ۲۱ تا ص ۲۴)

مولف کی نظر میں خلافت عثمانی کا اصل کارنامہ ہی اس سازش کا فرو کرنا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

"حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی دینی سیاسی اور تاریخی عظمت بجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے وفتوحات تسلیم لیکن حضرت عثمان نے خلیفہ ثانی حضرت عمر کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمر کے صاحبزادہ حضرت عبیداللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا

تھا جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہوسکتی تھی جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہوگئی۔ (ص ۳۰)

یہ ہے "مجلس عثمان غنی" کورنگی کراچی کا پہلا کارنامہ اور بالکل نیا اکتشاف کہ امت اسلامی اب تک جو تاریخ پڑھتی رہی وہ سراسر غلط اور قطعاً جھوٹ ہے۔ حقیقت واقعہ وہ ہے جو اس "مجلس" کے نمائندے احمد حسین کمال کو سوجھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ شہری آزادیاں عطا کیں۔ (ص ۳۱)

ورنہ نعوذ باللہ عہد رسالت اور عہد صدیقی و عہد فاروقی میں تو کہیں ڈھونڈے سے بھی شہری آزادیوں کا دور دور پتہ نہیں چلتا۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر جن لوگوں نے طوفان اٹھایا تھا اس کے کرتا دھرتا منافقین مدینہ نہیں بلکہ

خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد ابی لہب اور اس کی بیوی نے عناد و سازش کا جو بیج بویا تھا۔ وہ بیج ایک پودے کی شکل میں مدینہ منورہ پہنچا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس کا پہلا نشانہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنائی گئیں اور ان پر مخالفوں اور سازشیوں نے تہمت عائد کی بالآخر یہی سازش تھی جس نے خلافت کے مسئلہ پر نزاع کھڑا کیا اور افراد بنی ہاشم نے ٦ ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔" (ص ۳۰، ۳۱)

سمجھے آپ یہ "افراد بنی ہاشم" کہہ کر کس پر چوٹ کی اور اس گھناؤنے جرم کو کس مقدس ہستی کے دامن پر لگایا۔ تاریخ میں افراد بنی ہاشم میں سے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کسی فرد کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو اگرچہ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے پہلے ہی دن آپ نے مسجد نبوی میں حاضر ہوکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی تھی۔ تاہم چونکہ چھ ماہ

تک آپ بالکل خانہ نشین رہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمہ سے نڈھال اور بے جان تھیں۔ آپ ہر وقت ان کی تسلی و دلدہی میں لگے رہتے یا جمع قرآن میں مصروف رہتے تھے، اور اپنی ان مصروفیات کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشوروں میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس لئے اس خیال سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال فرما جانے پر پھر تجدید بیعت[1] فرمائی تھی، لیکن "مجلس عثمان غنیؓ" کا یہ نقیب اتنی سی بات کو بڑھا کر اس کو نزاع خلافت کا مسئلہ بناتا ہے، اور پھر اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ اس کا سلسلہ افک عائشہؓ سے ملا کر ایک طرف تو یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کا ڈانڈا ابولہب اور اس کی بیوی کی اسلام دشمنی اور عناد سے مل جائے۔ (حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ پر طوفان اٹھانے میں خاندان نبوت افراد بنی ہاشم میں سے کسی فرد کا ذرا سا بھی تعلق نہیں یہ سب اس کی من گھڑت ہے۔ دوسری طرف اسی سازش کا سلسلہ دراز کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا الزام بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے سر ڈالنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں۔

"بالآخر یہی سازش تھی جس نے خلافت کے مسئلہ پر نزاع کھڑا کیا اور افراد بنی ہاشم نے ۶ ماہ تک حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو شہید کرایا۔" (ص ۳۱)

حالانکہ مدینہ میں ہرمزان یا اور دوسرے نو مسلموں کے آباد کرانے میں نہ کسی کی کوئی سازش تھی نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کسی سازش کے تحت عمل میں آئی تھی مگر کتابچہ میں یہی تحریر ہے کہ

"اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کیا اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کو شہید کرایا۔ اب جبکہ نو مسلموں اور عرب

---

[1] امام اہل سنت نے بھی النجم میں اپنی بھی یہی تحقیق بیان فرمائی ہے۔ (از ادارہ)

قریش اور بنی ہاشم کی نئی نسل جوان ہوگئی تھی۔ سازش نے پیر پھیلائے پر پرزے نکالے اور حضرت عثمان کے خلاف نکل کر سامنے آ گئی۔" (ص ۳۱)

حالانکہ تاریخ میں اس بات کا سرے سے کہیں وجود ہی نہیں ملتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو سازش کی گئی تھی اس میں بنی ہاشم کا کوئی فرد ملوث ہوا ہو۔ مگر مرتب کتابچہ کو اصرار ہے کہ

"مدینہ کے ایک گروہ کی حوصلہ افزائی پاکر کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ سے کئی ہزار افراد پر مشتمل شرپسندوں اور باغیوں کا گروہ اچانک مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا محاصرہ کرلیا مدینہ میں رہنے والے اکابر حضرت علیؓ وغیرہ خاموشی کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل گئے یا چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔" (ص ۴)

"ان سرکشوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگادی، اس وقت حضرت عثمان ؓ کے دروازے کے سامنے کھڑے مدینہ کے جو افراد بے بسی کے ساتھ یہ کارروائی دیکھ رہے تھے ان میں حضرت علی کے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر شامل تھے۔ (ص ۶)

حالانکہ سب جانتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والے اکابر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اصلاح حال کی کوششوں میں ذرا کمی نہیں کی۔ وہ برابر اس سلسلہ میں سرگرم ہی رہے اور ان باغیوں کو فتنہ سامانیوں سے باز آنے کی برابر فہمائش کرتے رہے۔ سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی سختی سے ممانعت تھی ایسی صورت حال میں مدینہ کے رہنے والے

اکابر زبانی فہمائش کے علاوہ اور کیا کرتے۔ تاہم مزید احتیاط کی غرض سے کہ کہیں یہ مظاہرہ۔ مظاہرہ کی حد سے آگئے بڑھ کر کوئی ناگوار شکل اختیار نہ کر لے ان حضرات اکابر نے اپنے اپنے لخت جگر کو (جن کے اسماء گرامی مرتب کے قلم سے بھی نکل گئے ہیں) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر متعین کردیا۔ مظاہرین کی تیراندازی سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ خون میں نہا گئے۔ محمد بن طلحہ بھی زخمی ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کے بھی زخم لگے ان حضرات کی مدافعت کے سبب مظاہرین کو دروازے میں گھسنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ البتہ بعض شرپند پڑوس کے مکان سے دیوار پھاند کر اوپر پہنچ گئے اور خلیفہ وقت کو شہید کرڈالا۔ شوروغل میں جو لوگ دروازہ پر متعین تھے وہ بالاخانہ کی آواز نہ سن سکے جو اوپر جا کر مدد کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس سانحہ جانکاہ کا علم ہوا تو آپ مسجد سے نکل کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف ہی آرہے تھے۔ آپ نے اس خبرِ وحشت اثر کے سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ خدایا میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ پھر آپ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو مارا محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی سخت سرزنش کی کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح رونما ہوا۔ ان حضرات نے کہا ہم کیا کرسکتے تھے۔ قاتل دروازے سے نہیں گئے بلکہ مکان کی پشت سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود یہی لکھا جارہا ہے کہ

"اب جبکہ نومسلموں اور عرب قریش اور بنی ہاشم کی نئی نسل جوان ہوگئی تھی۔ سازش نے پیر پھیلائے پر اور پرزے نکالے اور حضرت عثمان کے خلاف نکل کر سامنے آگئی خلیفہ کو دن دہاڑے مدینہ میں ہلاک کرڈالا گیا جبکہ مدینہ میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیر جیسے

اکابر اور حضرت حسین، حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے نوجوان بنی ہاشم موجود تھے۔" (ص ۳۱و۳۲)

مرتب کا جی چاہتا ہے کہ کسی طرح بھی ہو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کا داغ ان مقدس حضرات کے دامن پر لگ جائے چنانچہ اس نے اسی لئے قاتلین عثمان میں محمد بن ابی بکر کا تعارف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کی بجائے "حضرت علی کا ایک سوتیلا بیٹا اور پروردہ کہہ کر کرایا ہے۔ محمد بن ابی بکر کے بارے میں اتنا تو صحیح ہے کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی بھی پکڑی تھی، لیکن حضرت عثمان نے جب ان سے فرمایا کہ برادرزادے اگر تمہارے باپ تمہاری اس حرکت کو دیکھتے تو انہیں یہ بالکل پسند نہ آتی تو شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ انہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی قتل سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اب معاملہ قابو سے باہر ہو چکا تھا۔[1] ظاہر ہے کہ جو بے کمال اس فکر میں ہو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شریک ٹھہرائے (چنانچہ اسی غرض سے اس نے

---

[1] حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن ابن بکر نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں پیکانوں سے وار کیا وہ آپ کے حلق میں اتر گئے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کسی اور نے کیا تھا۔ محمد بن ابی بکر تو اسی وقت شرما کر واپس لوٹ گئے تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے اس ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے جس کی تمہارے باپ عزت کیا کرتے تھے۔ بس اتنا سننا تھا کہ ان پر ندامت طاری ہوگئی۔ اپنا منہ چھپا کر واپس ہونے لگے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں آڑے بھی آئے لیکن اس کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ امر الٰہی پورا ہو کر رہا۔ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔

ویروی ان محمد بن ابی بکر طعنه بمشاقص فی اذنه حتی دخلت فی حلقهٗ و الصحیح ان الذی فعل ذلک غیره، وانه استحیی ورجع حین قال له عثمان لقد اخذت بلحیة کان ابوک یکرمها، فندم من ذلک وغطی وجه ورجع وحاجز دونه فلم یفد، وکان امر الله قدرا مقدورا وکان ذلک فی الکتاب مسطورا (ج ص۸۵ طبع بیروت ۱۹۶۶)

عبیداللہ بن عمر کی داستان مزے لے لے کر بیان کی ہے) اس سے کس امر میں سچ بولنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

عبیداللہ بن عمر کا اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ابولولوہ نامی مجوسی نے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ شہید کر ڈالا تو انہوں نے جوشِ انتقام سے بے تاب ہو کر قاتل کی کمسن لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھا اور جفینہ کو جو ایک نصرانی ذمی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان دونوں کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ قتل میں شریک تھی۔ صحابہ ہر چند ان کو منع کرتے رہے لیکن ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے کو نہ آیا آخر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی پاس بھیجا۔ انہوں نے بڑی خوشامد سے تلوار ان کے ہاتھ سے لی اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حرکت پر ان کو سرزنش کی تو ان کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے۔[۱] چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ان کو اسی روز حوالات میں بند کر دیا گیا۔[۲] پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے ان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا خود حضرت عثمان اور عام مہاجرین کی رائے یہی تھی کہ ان کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔[۳] بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بارے میں کچھ تخصیص نہیں مگر حضرت عمرو بن

۱۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۵۰ طبع بیروت ۱۳۷۷ھ ۲۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عبیداللہ کو حوالات میں بند کر دیا جائے تاکہ آپ کے بعد جو شخص خلیفہ ہو وہ ان کے بارے میں اپنا فیصلہ نافذ کر سکے۔ وقد کان عموقدامر بسجنہ لیحکم فیہ الخلیفہ مزبعدہ (البدویہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۸)

۳۔ "طبقات ابن سعد" میں ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے مہاجرین و انصار کو طلب کر کے فرمایا کہ مجھے اس شخص کے بارے میں جس نے دین میں یہ رخنہ برپا کر دیا ہے مشورہ دیجئے تو سب مہاجرین یک زبان ہو کر عبیداللہ کے قتل کرنے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کی تائید کرنے لگے۔

فلما استخلف عثمان دعا المھاجرین والا نصارفقال اشیروا علی فی قتل ھذا الرجل الذی فق فی الدین مافتق، فاتفق المھاجرون علی کلمۃ واحدۃ یشایعون عثمان علی قتلہ (ج ۳ ص ۳۵۶)

العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوشش سے قصاص کی بجائے دیت پر معاملہ طے ہو کر قضیہ رفع دفع ہو گیا اور یہ بالکل غلط ہے جو اس کتابچہ میں درج ہے کہ

"جب حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر باغیوں نے بیعت کی تو پہلی کارروائی یہی کی گئی کہ عبیداللہ بن عمر کو "دیت" پر رہا کر دینے کا حضرت عثمان کا فیصلہ منسوخ کیا گیا اور عبیداللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلے قتل کر دینے کا حکم جاری کیا گیا۔ (ص ۲۴)

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ منتخب ہو گئے تو بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے عظیم سربراہ اور محمد رسول اللہ کے خاص صحابی حضرت عمر کے قتل کی باقاعدہ تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف مکمل کارروائی کا مطالبہ کیا جاتا بنو ہاشم اور حضرت علی کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ عبیداللہ بن عمر کو ہرمزان کے قتل کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔ (ص ۲۳)

ہرمزان وغیرہ کے بدلہ میں عبیداللہ بن عمر کے قتل کا مطالبہ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہیں ہوا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود مہاجرین وانصار کو بلا کر ان سے مشورہ طلب کیا کہ عبیداللہ کو قصاص میں کیوں نہ قتل کر دیا جائے۔

---

[۱] حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنۃ" میں فرماتے ہیں۔

کاش مجھے (کہیں سے) یہ پتہ چل جاتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کب عبید اللہ کے قتل کا ارادہ کیا؟ اور کب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبیداللہ کے قتل پر قابو ملا؟ اور کب ان کو اتنی فرصت ملی کہ وہ عبیداللہ کے معاملہ پر غور کرتے؟

یالیت شعری متی عزم علی علی قتل عبیداللہ، ومتی تمکن علی من قتل عبیداللہ ومتی تفرغ حتی ینظر فی امرہ (ص ۲۰۲ ج ۳ طبع بولاق مصر ۱۳۲۲ ہجری)

اور یہ جو لکھا ہے کہ

”بجائے اس کے کہ...... حضرت عمر کے قتل کی باقاعدہ تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام افراد کے خلاف مکمل کارروائی کا مطالبہ کیا جاتا۔“ (۲۳)

خود اس جھوٹ کی قلعی کھول دینے کے لئے کافی ہے کہ کیونکہ اگر واقعی کوئی سازش تھی اور بالفرض بنوہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا مطالبہ نہ کیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو از خود اس کی باقاعدہ تحقیق کرنا چاہئے تھی اور صحابہ کو بھی ان سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے تھا کہ اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف مکمل کارروائی کی جائے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی تحقیق نہ کریں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے وقوعہ کے روز ہی اس کی تحقیق کرالی تھی کہ آپ پر حملہ کسی کی سازش کے نتیجہ میں نہیں ہوا۔ ”مجلس عثمان غنی“ کو نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحقیقات پر اعتماد ہے اور نہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت کا فیصلہ تسلیم ہے کہ ”حضرات عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی مسلمان کا ہاتھ نہیں“ بلکہ فرد جرم خود عبیداللہ بن عمر کے خلاف عائد کی گئی کہ انھوں نے اشتعال میں آ کر خون ناحق کا ارتکاب کیا لہٰذا مقتول کی ”دیت“ ادا کی جاتی ہے یہ ہے اسلام کے قانون انصاف کا تقاضا جو باجماع صحابہؓ ہوا۔ دنیا میں ایسے انصاف کی مثالیں کم ملیں گی مگر اس ”مجلس“ پر افسوس کہ جس نے اکابر صحابہ کرام پر افتراء پردازی کو اپنا شعار بنالیا ہے۔

اسی طرح یہ بھی سَراسر افتراء اور محض جھوٹ ہے جو ولید بن عقبہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے کہ

”بنی ہاشم اپنے بھانجے کے خون آلود ہتھیار واپس دیدو اس کا مال نہ لوٹو

یہ تمہیں جائز نہیں ہے'' الخ (ص ۱۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مال واسباب اور ہتھیار تو بڑی بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو تمام باغیوں کے مال واسباب لوٹنے سے بھی منع فرمایا ہے اور فقہ اسلامی کی تمام کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے قول وعمل سے اس بارے میں سند لی جاتی ہے کہ باغیوں کے مال واسباب سے قطعاً تعرض نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مفتریوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

ظاہر ہے کہ جس ''مجلس'' کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس درجہ غیظ ہو کہ وہ ہر قسم کی جھوٹی تہمت حضرت ممدوح کے سر منڈھ دینے سے ذرا باک نہ کرے اس کے نقیب سے یہ توقع رکھنا کہ وہ حضرت موصوف کو خلیفہ برحق مانے گا محض عبث ہے اسی لئے اس کے الفاظ ہیں۔

> ''باغی جب حضرت عثمان کو شہید کرنے کے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور مدینہ میں جتنا فساد وہ کرنا چاہتے تھے کر چکے تو...... سب کے سب حضرت علی کے گرد وپیش جمع ہوگئے اور ان پر زور دیا کہ وہ اپنی خلافت کے لئے بیعت لیں۔ اہل مدینہ کو بھی مجبور کیا کہ وہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ (ص ۱۰)

لیجئے قصہ ختم حضرت علی رضی اللہ عنہ باغیوں کے بزور بنائے ہوئے خلیفہ اور امام تھے اہل مدینہ نے بھی مجبوراً ان سے بیعت کی۔ اہل السنۃ والجماعت خواہ مخواہ ان کو خلیفہ برحق جانتے ہیں۔ کسی نے خوشی سے ان سے بیعت ہی نہیں کی۔ یہ بات اب تیرہ سو پچاس برس کے بعد ''مجلس عثمان غنی'' نے اپنی پہلی سعی وکوشش سے ثابت کردی جو

> ''حضرات صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے بارے میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کو موثر طور پر زائل کرنے اور مسلمان امت کی صحیح تاریخ منظر عام پر لانے کے لئے قائم کی گئی

ہے۔ جس کی پہلی خدمت آپ کے سامنے ہے۔ (ص ۲)

اتنا سارا جھوٹ بولنے کے باوجود جرات کا یہ عالم ہی کہ اس کتابچہ کے مآخذ کی تفصیل بھی دی ہے جو یہ ہے۔

قدیم مآخذ: الطبری، المسعودی، یعقوبی، ابن خلدون، اخبار الطوال ابو حنفیہ دینوری، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان، ابوبکر محمد بن یحییٰ اشعری

جدید مآخذ: دائرۃ المعارف، مقالہ پروفیسر رفیق بک عظیم، ریاض النضرہ محب طبری، المحاضرات استاذ محمد خضری بک، عثمان بن عفان محمد رضا مصری۔

لیکن جھوٹ کے پیر کہاں کیا مجال جو کسی ایک جگہ بھی کسی کتاب کا کوئی حوالہ درج کیا ہو اور کتابوں سے مرتب کی واقفیت کا اندازہ تو اسی ایک بات سے ہوسکتا ہے کہ وہ محب طبری کی کتاب ''الریاض النضرہ'' کو جدید مآخذ میں شمار کرتا ہے۔

چہ دلا دراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو، اس مجلس کی شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

''مجلس عثمان غنیؓ'' نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں جو فسانہ تیار کرایا ہے۔ اس فسانہ کی ترتیب میں اس کے مرتب جناب احمد حسین کمال نے اصل کمال یہ دکھایا ہے کہ ان اکابر صحابہ پر تو جن کا شمار امت کے نزدیک برگزیدہ ترین ہستیوں میں ہے خوب دل کھول کر طعن وطنز کیا ہے لیکن جب ذات شریف کی اشتعال انگیز حرکات سے یہ واقعہ حزن انگیز وقوع پذیر ہوا۔ اس کو خراج تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''محاصرہ کے چالیسویں دن ان سرکشوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگادی دروازے میں جوں ہی آگ لگی اور شعلے بلند ہوئے حضرت عثمان کے داماد اور کاتب مروان تلوار لے کر باہر نکلے تا کہ باغیوں کو آتش زنی کی کاروائی سے روکیں۔

باغیوں نے مروان پر حملہ کردیا۔ ابن انبیاع نے آگے بڑھ کر مروان کو نشانہ بنانا چاہا لیکن مروان کی تلوار نے اس کا کام تمام کردیا۔ مروان کافی دیر تک باغیوں سے نبرد آزما رہے لیکن باغیوں نے انھیں دھکیل کر فاطمہ بنت اوس کے مکان میں بند کردیا۔"

اس امر کا تو ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی مجلس کے ممدوح شیر بہادر نے اس روز بہادری خوب دکھائی تھی۔ مگر قدرت کی اِس ستم ظریفی کا کیا علاج کہ جناب مروان نے اس روز جتنے زخم کھائے سب پیچھے ہی کی طرف سے کھائے۔ چنانچہ اس بہادری کے صلہ میں اسی روز سے تاریخ میں جناب کا لقب "۱ مضروب القفا" پڑ گیا اور "خیط باطل" (جھوٹ کا دھاگا)" کا خطاب تو پہلے ہی سے حاصل تھا اور کیوں نہ ہوتا جناب نے اپنی ذہانت سے کارروائی ہی ایسی فرمائی تھی کہ جس سے اصلاح کی بنی بنائی صورت حال بگڑ کر فوری اشتعال پیدا ہوگیا اور پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکا، اور آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون.

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں:

ومروان كان اكبر الا سباب في حصار عثمان لانه زورعلى لسانه كتابًاالى مصر بقتل اولئك الوفد (ج ۸ ص ۲۵۹)

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کا بڑا سبب مروان ہی تھا کیونکہ اسی نے حضرت عثمانؓ کے نام سے ایک جعلی خط مصر کو روانہ کیا تھا جس میں یہ حکم تھا کہ اس وفد کو قتل کردیا جائے (جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے محمد بن ابی بکر کی سرکردگی میں مصر کی طرف ان کی گورنری کا پروانہ لے کر جا رہا تھا)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

---

۱ جس کی گدی پر ضرب رسید کی گئی ہو۔

وکان کاتب الحکم بین یدیدومن تحت راسجوت قضیة الدار، دبسببه حصر عثمان بن عفان فیها (ج ۸ص ۲۵۷)	مروان حضرت عثمانؓ کی پیشی کا فیصلہ نویس تھا آپ کی حویلی کا قضیہ (جس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی) اسی کے دماغ سے چلا۔ اسی کے سبب سے حضرت عثمان بن عفانؓ کو اپنی حویلی میں محصور کیا گیا۔

اور حافظ شمس الدین ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں فرماتے ہیں:

وکان کاتب ابن عمه عثما والید الخاتم فخانه، واجلبوا ببیه علی عثمان ثم نجاهو. (ج ۳ص ۲۱۴) طبع دار المعارف، مصر)	مروان اپنے برادر عم اور حضرت عثمانؓ کا کاتب تھا۔ اسی کے پاس آپ کی مہر رہتی تھی۔ اس نے حضرت ممدوح کے ساتھ خیانت کی چنانچہ اس کے سبب مخالفین لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر چڑھا لائے اور پھر یہ خود بچ گیا۔

لفظ "پنجتن" اب اردو ادب میں مقدس ہوگیا ہے کیونکہ اس لفظ کے سنتے ہی ذہن ان پانچ مقدس ہستیوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جن کے اسماء گرامی کو حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ نے جو کبار اولیاء میں سے ہیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے پیر طریقت ہیں اس دعائیہ قطعہ میں نظم فرمادیا ہے۔

یارب بمحمد وعلی وزہراء یارب بحسین وحسن آل عبا
ازلطف برآرحاجتم درد وسرا بے منت خلق یا علی الاعلے

مگر اس کتابچہ کے مرتب نے محض شیعوں کی ضد میں لفظ "پنجتن" کا استعمال ان پانچ افراد کے لئے کیا ہے جنہیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل بتاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۸) اور پھر ان ہی "پنجتن" کے زمرہ میں اس نے حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نام لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے مشہور صحابی ہیں چنانچہ اس کتابچہ کے الفاظ ہیں۔

"اس (محمد بن ابی بکر) کا تیسرا ساتھی عمرو بن حمق حضرت عثمان کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اور آپ کے سینہ پر خنجر کے نوچر کے لگائے (ص ۷)"

حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ان تمام کتابوں میں مذکور ہے جو صحابہ کے حالات میں مدون ہوئی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ان کی وہ روایتیں موجود ہیں جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے اور صلح حدیبیہ کے بعد انھوں نے ہجرت کی تھی۔

علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون ناحق میں کسی صحابی کی شرکت ثابت نہیں چنانچہ علامہ عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محل" فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں رقمطراز ہیں۔

اعلم ان قتل امیرا المومنین عثمان رضی الله تعالیٰ عنه من اکبیر الکبائرفانه امام حق ، وقد اخبر رسول الله صلی الله علیه وعلی وله واصحابه وسلم بانه یقتل مظلوماً ، وقد اننی عمره فی طاعة الله تعالیٰ ورسول الله صلی الله علیه وسلم ، ولم یدخل احد من الصحابة رضوان الله علیهم فی قتله رضی الله عنه ولم یرض به احد منهم ایضا بل جماعة من

معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی یہ خبر دیدی تھی کہ یہ مظلوم قتل کئے جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی ساری زندگی حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت میں بسر کی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تو ان کے قتل میں

الفساق اجتمعوا كاللصوص دفعلوا ماقعلوا، وانكر الصحابة كلهم كما وزدفی الاحبار الصحاح، فالذا خلون فی القتل اوالراضون به فاسقن البتة لكن لم يكن فيهم واحد من الصحابة كماصرح به غير واحدٍ من اهل الحديث (ص۲۴۲ طبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۰ ہجری)	شریک تھا، اور نہ ان کے قتل ہوجانے پر راضی بلکہ فاسقوں کی ایک ٹولی نے چوروں کی طرح اکٹھا ہوکر جو کرنا تھا کر ڈالا۔ سارے صحابہ نے جیسا کہ صحیح روایات میں آتا ہے اس فعل شنیع پر نکیر کی پس جو لوگ بھی آپ کے قتل میں شریک ہوئے یا اسپر راضی ہوئے وہ سب یقیناً فاسق ہیں، لیکن (یادرہے)

ان قاتلوں میں جیسا کہ بہت سے محدثین نے تصریح کی ہی صحابہ میں سے کوئی ایک فرد بھی شریک نہ تھا۔ اس کتابچہ کے صفحہ دوم پر یہ دو شعر بھی مرقوم ہیں۔

چوں محافظ مصحف خدا است غنی دین است غنی ودین پناہ است غنی
سرداوندادودست وردست یہود حقاکہ بنائے لاالہ است غنی

چونکہ شیعہ حضرات اپنی مجالس میں اکثر یہ دو شعر پڑھا کرتے ہیں۔

شاہ ہست حسین وبادشاہ ہست حسین دین است حسین ودین پناہ است حسین
سردادو نداودست وردست یزید حقاکہ بنائے لاالہ است حسین

اس لئے مجلس "عثمان غنیؓ" نے بھی شیعوں کے مقابلہ میں یہ تک بندی کی ہے جو سراسر جذباتی ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے اگر "بناء لاالہ" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوسکتے ہیں تو پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں نہیں ہوسکتے؟ آخر "مجلس عثمان غنیؓ" کے اس ادعا اور شیعوں کے اس ادعا میں اصولاً فرق کیا ہے؟ اور اگر شیعوں نے اس بارے میں غلو سے کام لیا ہے تو "مجلس عثمان غنیؓ" غلو سے کب خالی رہی؟

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت

میں یہ کہنا کہ

سر داد ونداد دوست در دست یہود

کس طرح صحیح ہوسکتا ہے جب کہ مرتب رسالہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو ہاشم کو ملوث قرار دیتا ہے چنانچہ اس نے "شہادت عثمان غنی پر رنج والم کے جذبات" کے زیر عنوان مختلف مراثی کا جو ترجمہ نقل کیا ہی اس میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

"کاش کوئی پرندہ بھی مجھے یہ خبر دیدیتا کہ یہ عثمان وعلی کا کیا قصہ رونما ہوگیا۔[1]"

گویا مرتب کتابچہ کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی نزاع کا نتیجہ تھا اسی طرح ولید بن عقبہ کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ

> "اے بنو ہاشم اپنے بھانجے (عثمان) کے ہتھیار واپس کردو، اس کا مال نہ لوٹو، یہ تمہیں جائز نہیں ہے، بنی ہاشم قیادت کے معاملہ میں جلدی نہ کرو، عثمان کے قاتل اور اس کا مال لوٹنے والے یکساں مجرم ہیں۔" (ص ۱۵)

معلوم ہوا مرتب کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال اور ہتھیار لوٹنے والے سب بنو ہاشم تھے اور وہی قیادت کے بارے میں ~~حضرت ہتھیار لوٹنے والے بنو ہاشم تھے اور وہی قیادت کے بارے میں~~ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھگڑ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بنو ہاشم کے سربراہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے۔ نیز مرتب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نائلہ کا وہ خط بھی نقل کیا

---

[1] حالانکہ جس شعر کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ سراسر الحاقی ہے جس کو اہل شام نے محض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرنے کی غرض سے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مرثیہ میں شامل کردیا ہے (ملاحظہ ہو اسد الغابہ از حافظ ابن الاثیر جزری ترجمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ہے جو انھوں نے جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام لکھا تھا اور جس میں یہ تصریح تھی کہ

"اہل مصر کی قیادت محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر کر رہے تھے۔" (ص ۱۶)

اب "مجلس عثمان غنی" یہ بتلائے کہ اس کے خیال میں محمد بن ابی بکر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنی ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا نعوذ باللہ یہ سب کے سب یہود تھے؟ جو یہ کہا جا رہا ہے کہ

سر داد و نداد دست در دست یہود

اگر یہ سب حضرات "مجلس عثمان غنی" کے خیال میں یہودی تھے تو پھر یہ بتایا جائے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے جہاد کیوں نہ کیا؟ کیا اسلام میں یہود سے جہاد کی ممانعت ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو باوجود اپنے ہمراہیوں کی قلیل تعداد ہونے کے یزیدی لشکر سے جہاد کیا تھا جو اگر کافر نہیں تو ظالم ضرور تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اقتدار خلیفہ ہونے کے "مجلس عثمان غنی" کے مزعومہ یہودیوں کے خلاف جواب یہودی نہیں بلکہ (العیاذ باللہ) مرتد ہو چکے تھے۔ کیوں جہاد نہ کیا! آخر مجلس مذکورہ گمراہی میں اس حد تک کیوں آگے بڑھ گئی ہے کیا شیعوں کا انتقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے خاندان اور متعلقین واصحاب سے بھی لینا ضروری ہے۔ نعوذ باللہ من افضلال والا ضلال۔

زیر نظر کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے۔"

"مجلس عثمان غنی" کو ایسا پسند آیا اور مرغوب خاطر ہوا کہ جلد ہی مجلس نے اس کی تلخیص بھی "شہادت عثمان غنی" کے نام سے شائع کی، جو "افریشاء پرنٹنگ پریس کراچی" میں طبع ہوئی اور چھوٹی تقطیع کے سولہ صفحات پر مشتمل ہے مگر اب کی بار اتنی ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے کہ تلخیص کرتے وقت یہ کوشش کی ہے کہ اتنا جھوٹ بولا جائے جس کو لوگ آسانی سے باور کر سکیں، اور ایسے کھلم کھلا جھوٹ اور بہتان سے احتراز کیا جائے

جس کو صحیح ماننے پر کسی بھلے مانس کا ضمیر تیار نہ ہو۔ اس تلخیص اور اصل میں بس فرق ہے تو اتنا ہی ہے۔ اصل کی طرح ''تلخیص'' میں بھی ان ہی مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اصل میں

''حضرت عثمان کی بیعت خلافت کی تاریخ نومبر ۶۴۴ مطابق ذی الحجہ ۲۳ ہجری دوشنبہ کے دن'' (ص ۲۱)

لکھی ہے مگر ''تلخیص'' کے سرورق پر تاریخ ''آغاز خلافت ۳ محرم ۲۴ ہجری مرقوم ہے۔ دونوں تاریخوں میں جو کھلا تضاد ہے اس کا علاج غالباً ڈاکٹر صاحب کے ذہن رسا میں ہوگا۔

یہ ہے ''مجلسِ عثمان غنی'' کے پہلی کوشش کا جائزہ جس کا اشتہار'' داستان کربلا'' کے ص ۲ پر ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

مجلس حضرت عثمان غنی کی اولین پیش کش شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تالیف ڈاکٹر احمد حسین کمال

''تاریخِ اسلام کے اس المناک سانحہ سید الشہداء امام مظلوم، داماد رسول خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اس درد انگیز اور سازشانہ شہادت پر ایک محققانہ مقالہ جس کے نتیجہ میں امت مسلمہ کا اتحاد واتفاق گم ہوکر رہ گیا۔ جس کے قصاص میں غفلت برتنے پر برسوں خلافت کا نظام درہم برہم رہا۔''

''سید الشہدا'' اور ''امام مظلوم'' کے الفاظ شیعوں سے لئے گئے ہیں، حدیث میں ''سید الشہداء'' کے الفاظ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں وارد ہوئے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ اس اشتہار سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ ''مجلس عثمان غنی'' کے عقیدے کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منصب خلافت پر ہی فائز نہ تھے کیونکہ

''حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص میں غفلت برتنے

پر برسوں خلافت کا نظام درہم برہم رہا۔"

یہ اس مجلس کی پہلی کوشش ہے کہ جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کیسی خطرناک کوشش ہے جو عام انسانوں کے ذہن کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف سے بدظن کرنے کے لئے کی جارہی ہے اور پھر صحابہ ہی کے نام پر کی جارہی ہے اور سنی بن کر کی جارہی ہے۔ ہر درد مند حساس مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فریب کا پردہ چاک کرے۔ دینی جرائد اور مجلات کے مدیروں اور دیگر اہل سنت ارباب قلم کو بھی اس طرف توجہ کرنا چاہئے، اور قبل اس کے کہ یہ فتنہ عوام میں جڑ پکڑ کر برگ وبار لائے اس کا قلع قمع ہونا چاہئے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ بعض نادان مسلمان روافض کے سب وشتم اور تبرابازی سے تنگ آکر جواباً ان ہی کی روش اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ روافض اگر حضرات خلفاء ثلاثہ ابوبکر وعمر وعثمان ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن کرتے ہیں اور ان کی تحقیر وتوہین میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تو ان کا بھی جی چاہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر طعن کیا جائے حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تحقیر کی جائے اور جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رہ کر باغیوں سے جہاد کیا ہے ان پر کیچڑ اچھالی جائے۔ اب ظاہر ہے کہ تاریخ اسلام تو ان حضرات صحابہ کرام کے محاسن سے بھری ہوئی ہے پھر ان کے مطاعن ومثالب کہاں سے لائے جائیں سو اس کے لئے ان نادانوں نے اپنے پیش رو روافض کی تقلید میں جھوٹ پر کمر باندھی ہے، روافض حضرات خلفاء ثلاثہ اور عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افتراء کرتے ہیں۔ یہ نواصب حضرت علی، حضرات حسنین اور ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے طرح طرح کے بہتان باندھتے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ روافض سے کنارہ کش رہتے ہیں اور صحابہ کرام کے بارے میں ان کی ایک نہیں سنتے اسی طرح ان نواصب کی بھی کسی

خرافات پر دھیان نہ دیں۔ صحابہ کرام کی تنقیص اور تحقیر کا جہاں تک تعلق ہے اس بارے میں نواصب اور روافض دونوں کا ایک ہی حکم ہے دونوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ عام مسلمانوں کو برا بھلا کہنا اور ان کی تحقیر کرنا درست نہیں تو پھر حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور آپ کے جاں نثاروں اور اہل خاندان پر زبان درازی کتنی بری بات ہے ان بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا سراسر فسق اور بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس گناہ سے بچائے اور ان حضرات کی محبت اور عظمت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے آمین۔

''مجلسِ عثمان غنیؓ'' کی اس کوشش کو غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ رفض ہی کی تائید ہے کیونکہ رافضی بھی تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرات خلفاء ثلاثہ کے مخالف تھے۔ انہوں نے ان تینوں میں سے کسی سے بھی اپنی خوشی سے بیعت نہیں کی۔ دل سے ہمیشہ ان کے مخالف ہی رہے، اور ان تینوں کی خلافت کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔ روافض چونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بلافصل معصوم اور مفرض الطاعت مانتے ہیں اس لئے وہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نعوذ باللہ غاصب اور منافق سمجھتے ہیں۔

مگر حیف ہے ''مجلس عثمان'' پر کہ اس نے بھی اس کتابچہ کے ذریعہ یہی ثابت کیا ہے کہ ہاں واقعی یہ کچھ وہ کہتے ہیں سچ بات ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو نعوذ باللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی اس کی سازش میں شریک تھے۔ اسی سازش کے نتیجہ میں آپ نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی، اسی سازش نے ایران کے مفتوحین کا ایک گروہ مدینہ میں آباد کرا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا۔ یہی سازش تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف نکل کر سامنے آ گئی اور آپ کو شہر مدینہ میں ہلاک کر ڈالا گیا۔ اب خود ہی سوچئے کہ کوئی رافضی بھی اس سے زیادہ اور کیا

کہے گا، فرق بس اتنا ہے کہ روافض اپنے زعم باطل کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مخالفت کی بنا پر حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر کے درپے ہیں اور "مجلس عثمان غنی" اپنے افتراء کے مطابق اس مزعومہ سازش کا ڈانڈا ابولہب اور اس کی بیوی کی اسلام دشمنی اور عناد سے ملا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس سازش میں شریک قرار دیکر نعوذ باللہ آپ کو اسلام سے خارج قرار دینا چاہتی ہے۔ پھر اس خرافات کا نام جو سراسر من گھڑت اور جھوٹ ہے۔ بجائے تلبیس کے تحقیقات رکھدیا گیا دنیا میں اس سے زیادہ ظلم اور بے حیائی کی اور کوئی مثال ہوسکتی ہے۔ یہ محققانہ مقالہ نہیں جھوٹا افسانہ ہے۔ موجود دور کے ملحدوں، کمونسٹوں اور منکرین حدیث نے اپنی پوری توانائیاں اس امر پر صرف کر رکھی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے عقائد سے برگشتہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اقدام یہی ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ہاتھ صاف کیا جائے اور مسلمانوں کا اعتماد اس پر سے اٹھایا جائے۔ تاریخ اسلام میں جو محبوب شخصیتیں ہیں ان کو مجروح کیا جائے ان کے کردار میں طرح طرح کے کیڑے نکالے جائیں اور جو شخصیتیں نفرت کا نشان رہی ہیں ان کی عظمت بٹھائی جائے۔ ان کی خوبیاں گنائی جائیں۔ اسی غرض سے یہ لوگ مروان اور یزید کے دیوانے ہیں، اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی عیب چینی کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا اقدام حدیث وسیرت پر بے اعتمادی کا اظہار ہے، اور پھر قرآن پاک کی من مانی تاویلین کر کے دین متین کو مسخ کرنا ہے۔ یہ سب اقدامات بتدریج کئے جاتے ہیں اور اس طرح کئے جاتے ہیں کہ عام آدمی کا ذہن فوری طور پر اس سازش کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور وہ شروع میں اس کو ایک اصلاح اور تحقیقی کام سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت یہ ایک بہت بڑے فتنہ کی بنیاد ہوتی ہے جو بالآ الحاد اور بے دینی پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ناپاک کوشش کو شروع ہی میں ناکام بنادیں تاکہ اس کے برے اثرات سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں مرتب نہ ہوں۔ اللہ

تعالیٰ ان ملحدوں اور دروغ بافوں کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔

مجلس کے شائع کردہ اس کتابچہ پر دوبارہ غور کیجئے۔ اول سے آخر تک پڑھ جایئے اور دیکھئے کہ کیا اس میں کہیں بھی کسی صحابی کے بارے میں پھیلائی جانے والی کسی بدگمانی اور غلط بیانی کو زائل کرنے کی کوئی ادنی سی بھی کوشش کی گئی یا اس غلط ادعا کے برخلاف اس کتابچہ میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اہل سنت کے نزدیک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے افضل ترین فرد ہیں۔ الزام تراشی کی گئی ہے، اور حضرت زبیر و حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر جن کا شمار "عشرہ مبشرہ" میں ہے یعنی ان دس حضرات میں جن کو جیتے جی زبان رسالت سے جنتی ہونے کا مژدہ ملا تھا، اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر جو جوانان جنت کے سردار ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن طلحہ رحمہ اللہ پر طعن و طنز ہے، اور اس کے بعد سوچئے کہ یہ مجلس ان حضرات پر طعن و تشنیع کے ذریعہ اسلام کی کون سی خدمت انجام دینا چاہتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے "تفہیمات الٰہیہ" میں عقائد اہل السنۃ والجماعۃ پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا جس میں حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اہل حق جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی تفصیل ان الفاظ میں سپرد قلم فرمائی ہے۔

ونشهدبالجنة والخير	اور ہم[۱] حضرات عشرہ مبشرہ، حضرت فاطمہ
للعشرة المبشرة وفاطمة	حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت حسن،
وخديجة وعائشة	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب حضرات
والحسن والحسين	کے حق میں ان کے جنتی اور برگزیدہ ہونے کی
رضي الله عنهم ونوقرهم	شہادت دیتے ہیں، ان کی توقیر کرتے ہیں اور

۱ اگلے صفحہ پر

ونعترف بعظم محلهم فی الاسلام وکذالک اهل بدرو اهل بیعة الرضوان وابوبکر الصدیق امام حق بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم ثم تمت الخلافة وبعده ملک عضوض ، ابوبکر رضی الله عنه افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم عمر...... ونکف الستناعن ذکر الصحابة الابخیر وهم ائمتنا وقاد تنا فی الدین وسبهم حرام و تعظیم واجب (ج ا ص ۱۴۸ طبع بجنور ۱۳۵۵ھ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل)

اسلام میں جوان حضرات کا بڑا درجہ ہے اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح سے ان حضرات کے بارے میں بھی کہ جو غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق حضرت ابوبکر صدیق تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر خلافت نبوت کی مدت پوری ہوگئی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہی کا دور شروع ہوا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ہیں، اور پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں بجز ان کے ذکر خیر کے ہم اپنی زبانیں بند رکھیں گے۔ وہ دین میں ہمارے پیشوا اور مقتداء ہیں، ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم کرنا واجب ہے۔

ل ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: (۱) ابوبکر صدیق (۲) عمر فاروق (۳) عثمان ذوالنورین (۴) علی مرتضیٰ (۵) ابوعبیدۃ بن الجراح (۶) عبدالرحمٰن بن عوف (۷) طلحہ بن عبیداللہ (۸) زبیر بن العوام (۹) سعد بن ابی وقاص (۱۰) سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔ کسی فارسی شاعر نے حسب ذیل قطعہ میں ان حضرات کے اسماء گرامی کو نظم کردیا ہے۔

ابوبکر و عمر عثمان و علی

اللہ تعالیٰ ان تمام ملحدوں اور دروغ بافوں کے شر سے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بارے میں مسلمانوں کے ذہن کو مسموم کرنا چاہتے ہیں ساری اُمت محمدیہ کو بچائے آمین یارب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین

فہرست مضامین

شہدا کربلا رضی اللہ عنہم پر افتراء

شہدا کربلا پر افتراء رضی اللہ عنہما

شہادت حسینؓ کے بارے میں ایک
خود ساختہ داستان کا علمی جائزہ

از

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

ناشر:
مکتبہ سید احمد شہید
10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: 7223862-7228272-7228196

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا اما بعد

بندہ مومن کی طبیعت ساری ہی برائیوں کی طرف مائل ہوسکتی ہے۔ مگر کذب اور خیانت کی طرف اس کا میلان نہیں ہوا کرتا، تصدیق اور ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ صدق وامانت اس کی فطرت میں داخل ہو، اور کذب اور خیانت سے اس کو طبعی نفرت ہو۔ جھوٹ بولنا، دغا بازی، یہ منافق کا شیوہ ہے مسلمان کا نہیں۔

''رفض'' اور'' ناصبیت'' یہ دو ایسی بدعتیں ہیں جن کی بنیاد ہی کذب اور دروغ گوئی پر قائم ہے۔ غضب خدا کا تصور تو کیجئے '' رافضی'' اور ناصبی یہ دونوں فرقے '' خیرامت'' کے افضل ترین افراد کے بارے میں جن کے جنتی ہونے کی زبان رسالت نے شہادت دی ہے اور جن کی ثنا وصفت خود قرآن پاک میں جابجا مذکور ہے کس بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور کیسی کیسی افترا پردازی اور بہتان طرازی کرتے ہیں۔

رافضی، حضرات صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کہتے ہیں کہ: العیاذ باللہ ان سے بیعت کرنے والے مسلمان نہیں منافقین تھے انہوں نے ہی انکو اپنا خلیفہ اور امام بنایا تھا اور ان تینوں حضرات نے تخت خلافت پر زبردستی قبضہ جمالیا تھا ورنہ خلافت تو دراصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھا اور وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بلافصل تھے۔ یہ لوگ ان حضرات ثلاثہ اور ان سے بخوشی بیعت کرنے والے تمام اصحاب کرام کو سرے سے مومن ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان سب کو منافق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس جھوٹ کو سچ باور کرنے سے بچائے۔ آمین

اسی طرح '' ناصبی'' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے قائل نہیں کہتے ہیں کہ ان کو سبائیوں نے امام بنایا تھا انہوں نے ہی ان سے بیعت کر کے ان

کو خلیفہ کیا اور دوسروں سے بھی زبردستی ان کی خلافت کی بیعت لی۔ یاد رہے سبائیوں کا سربراہ عبداللہ بن سبا، ایک یہودی منافق تھا جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے بظاہر اسلام کا دم بھرتا تھا۔ ناصبیوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی، بلکہ ان کا دور حکمرانی ہنگامہ پروری اور فتنہ وفساد کا دور تھا جس میں ہر طرف مسلمانوں کے خون کی ارزانی تھی، خلافت راشدہ کا زمانہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد دوبارہ اس وقت شروع ہوا جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا، ان کا بیٹا یزید بھی خلیفہ راشد تھا مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبائیون کے ورغلانے میں آ کر خلیفہ برحق یزید کے خلاف بغاوت کر دی۔ آخر اپنے کیے کی سزا کو پہنچے، حرہ میں جن صحابہ وتابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قتل عام ہوا وہ بھی سب باغی تھے جو یزیدی فوج کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بقول ان ناصبیوں کے خلیفہ راشد یزید علیہ ماعلیہ کے ''ملحد فی الحرم'' یعنی حرم الٰہی میں اتحاد کے داعی تھے اس لیے مجبوراً یزید کو فوج بھیج کر حرم کعبہ کا محاصرہ کرنا پڑا۔ غرض ان ناصبیوں کے نزدیک یزید کے سب اقدام برحق تھے اور اس کے خلاف جس نے بھی صدائے حق بلند کی وہ حق پر نہ تھا۔

اسلامی تاریخ چونکہ ان جھوٹوں کا ساتھ نہیں دیتی اس لیے ان کو اب خود تاریخ گڑھنی پڑ رہی ہے۔ موجود دور میں اس دجل وفریب اور کذب و دروغ کی ابتدا تو محمود احمد عباسی نے ''خلافت معاویہ ویزید'' لکھ کر کی تھی لیکن بعد کو کمیونسٹ ملحدوں اور منکرین حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اس میں خاطر خواہ اضافہ کرنا شروع کر دیا، منکرین حدیث تو دور اول یعنی صحابہ کی تاریخ کو بے اعتبار قرار دے کر حدیث وروایت سے اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں اور کمیونسٹ ملحدوں کا مقصد یہ ہے کہ اہل قبلہ میں

اشتعال پیدا کر کے قتل و قتال کا ایسا بازار گرم کیا جائے کہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے جس طرح کہ دشمنوں نے صوبائی تعصب کو ہوا دے کر مشرقی پاکستان میں کیا تھا۔

اس وقت "ناصبیت" کے پرچار کے لئے کراچی اور پنجاب دونوں جگہ مسلسل کام ہو رہا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس فتنہ کی لپیٹ میں عربی مدارس بھی آ رہے ہیں، یونیورسٹی اور کالج کے شعبہ تاریخ کے اساتذہ بھی اور بعض عوامی واعظ بھی، اس فتنہ کی زد میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عربی نہیں جانتے اور جو جانتے ہیں وہ اصل عربی ماخذوں سے رجوع نہیں کرتے تاکہ جھوٹ سچ معلوم ہو کر اصل حقیقت سامنے آ جائے۔

اسی جھوٹ کے پرچار کا ایک ادارہ "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے نام سے کراچی میں قائم ہے جو آئے دن کوئی نہ کوئی کتابچہ چھاپ کر مسلمانوں میں شائع کرتا رہتا ہے جس کو پڑھ کر سادہ لوح عوام گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس مجلس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر جس کا نام ہے "حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کیوں اور کیسے؟" مفصل تنقید "اکابر صحابہؓ پر بہتان" کے نام سے چھپ کر منظر عام آ چکی ہے۔ [1]

پیش نظر کتاب "شہدائے کربلا پر افترا" مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا علمی و تحقیقی جائزہ ہے۔ جس کا نام ہے "داستان کربلا حقائق کے آئینے میں" ان دونوں کتابچوں کے مرتب مجلس مذکور کے مشہور داستان گو ڈاکٹر احمد حسین کمال ہیں جو کسی زمانے میں "جمعیۃ علماء اسلام" کے ہفت روزہ جریدہ "ترجمان اسلام" کی ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔

اسی مجلس کا پانچواں کتابچہ "حادثہ کربلا" کے نام سے مکرر طبع ہو چکا ہے۔ جس کا طرز بیاں "داستان کربلا" سے بھی زیادہ زہریلا اور گستاخانہ ہے اس میں خوب دل کھول کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چوٹیں کی گئی ہیں ایک مسلمان کیلئے جو

[1] پہلے یہ تنقید "ناصبی سازش" کے نام سے طبع ہوئی ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت سے واقف ہو صبر وتحمل کے ساتھ اس کا پڑھنا بھی دشوار ہے اور اس کے مطالعہ سے جو ذہنی اذیت اور کوفت ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو جذبہ ایمانی سے سرشار ہو اس کے باوجود مولوی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کی اس کتابچہ کے بارے میں یہ فہمائش ہے کہ:۔

''مولانا ابو الحسین محمد عظیم الدین صاحب کا رسالہ'' حادثہ کربلا'' میں نے دیکھا ہے، ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے اہل سنت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہے تاکہ سبائی دروغ بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو اور ان کی آنکھیں کھلیں'' فقط

احقر محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ

۲۶ صفر ۱۳۹۵ ہجری ۹ مارچ ۱۹۷۵ء

'' حادثہ کربلا'' اسی'' داستان کربلا'' کا خلاصہ ہے اور اسی جھوٹ کو اس میں بھی مزے لے لے کر دوہرایا گیا ہے اور سند کے لئے پھر مجلس ہی کے'' داستان گو'' کا نام بایں الفاظ پیش کر دیا ہے۔

'' برصغیر کے معروف اہل قلم، تاریخ اسکالر ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں'' (ص ۱۵ طبع اول وص ۱۱ طبع ثانی)

'' حادثہ کربلا'' طبع اول پر مولوی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کے ارشاد گرامی کے بعد'' پیش لفظ'' ڈاکٹر احمد حسین کمال کے قلم سے شائع ہوا ہے جس میں مجلس کے داستان گو صاحب نے مرتب رسالہ کے گن گائے ہیں۔ گویا وہی مضمون ہے:۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

رسالہ'' شہدا کربلا پر افترا'' مجلس حضرت عثمان غنی'' کے شائع کردہ ان دونوں کتابچوں کے زہر کا تریاق ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے امید ہے کہ جو بھی اس رسالہ کو بنظر انصاف پڑھے گا اس پر حقیقت حال آشکارا ہو جائے گی۔ اس

رسالہ کے مصنف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب مدظلہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ملک کا علمی طبقہ ان سے بخوبی واقف ہے۔

اس رسالہ کو لکھے ہوئے اگرچہ چار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا مگر اس کی طباعت کی نوبت اب تک نہ آسکی۔ پہلے اس مقالہ کو ایک مذہبی ماہنامہ میں شائع کرنے کا ارادہ تھا۔ مدیر ماہنامہ نے کچھ عرصہ اسکو اپنے پاس اشاعت کے خیال سے رکھا مگر بعد کو مروان ویزید سے تعلق خاطر کی بنا پر اپنے دوستوں کے مشورہ پر اس کی اشاعت کی ہمت نہ کرسکے۔ مسودہ واپس ہوا تو ایک ناشر صاحب نے مدت تک اس کو اپنے پاس دبائے رکھا آخر خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے ان سے برآمد ہوا اور حق تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ اس کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس کو شرف قبولیت سے نوازے اور میدان حشر میں اس حقیری کوشش کی بدولت مصنف وناشر اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب کی شفاعت کا مستحق بنائے۔ آمین

ناظرین کرام سے صرف اتنی استدعا ہے کہ اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد اگر ان کو اس کے مضمون سے اتفاق ہو تو اس کی اشاعت وخرید میں سرگرمی دکھائیں تاکہ ''رد ناصبیت'' کے کام کو آگے جاری رکھا جاسکے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین ۔ والعاقبة للمتقین، ولا عدوان الا علی الظالمین، والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا محمد الصادق الامین وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ اجمعین الی یوم الدین. امابعد:۔

نواصب کون ہیں: ''نواصب'' ''ناصبیہ'' اور ''اہل نصب'' تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور ان کی آل واصحاب کے خلاف بغض وعداوت کا علم بلند کررکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری ''اساس البلاغہ'' میں لکھتے ہیں:

وناصبت لفلان ، عادیتهٗ نصباً ومنه الناصبیة، والنوا صب واهل النصب الذین ینصبون لعلی کرم الله وجههٗ

نَاصَبْتُ لِفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ''ناصبیہ'' ''نواصب'' اور ''اہل نصب'' کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبری وبیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ: مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہوگیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو ''شیعہ مروانیہ'' ''شیعہ امویہ'' اور ''شیعہ عثمانیہ'' بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہوگیا، اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہوگئی۔ چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقریزی اپنی مشہور ومعروف کتاب ''الخطط والاثار فی مصر والقاہرة والنیل وما یتعلق بہا من الانہار'' میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان وانقضت ايام بنى امية ببنى العباس فى سنة ثلاث وثلاثين ومائة خمدت جمرة اصحاب المذهب المروانى وهم الذين كانو ايسبلون على بن ابى طالب ويتبرون منه، وصاروا منذظهر بنو العباس يخافون القتل ويخشون أن يطلع عليهم احد الا طائفة كانت بناحية الواحات وغيرها، فانهم اقاموا على مذهب المروانية دهراً حتى فنوا ولم يبق لهم الان بديار مصر وجود البتة. (ج ۲ص ۳۳۸ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

جب مروان (الحمار بنی امیہ کا آخری تاجدار) قتل ہوگیا اور بنی امیہ کے ایام حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۳ ہجری میں ختم ہوگئے تو اصحاب مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا اور سب وشتم کیا کرتے تھے اور جب سے بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہوگئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہوجائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو "واحات" (مصر کے بالائی مغربی علاقہ) وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔ بالآخر وہ بھی فنا ہوگئی اور اب دیار مصر میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی نہیں۔

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک: اور برصغیر ہندو پاک تو ان کے وجود نامسعود سے شروع ہی سے پاک چلا آتا تھا، تاآنکہ حال میں محمود احمد عباس امروہوی نے "خلافت معاویہؓ ویزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے متبعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصبیت" کے مشن کو فروغ دینے پر لگادیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جن کا کام ہی اہل سنت کو راہ اعتدال سے ہٹانا ہے، اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کراچی ہے۔ جس کے شائع کردہ پہلے

کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصبی سازش" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی تقطیع پر بتیس صفحات کا ہے جس کا نام ہے "داستان کربلا حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (سی ۱۵۳ کورنگی نمبر ۶ کراچی نمبر ۳۱) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام: لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا تعارف اور پروگرام پڑھیے جو ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

> "مجلس حضرت عثمان غنی" دراصل تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے۔ جس کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار واشرار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب واباطیل کی اصلاح اور چھان پھٹک ہے جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطراف عالم میں اسے پھیلایا...... لیکن چونکہ اولین اہل قلم ...... عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں، جن کی شوکت وحکومت...... ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ...... پیوند خاک ہوئیں، بنابریں، انھوں نے اپنے کفروزندقہ اور جذبہ انتقام کو نفاق کو خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتریات ومکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں...... تاریخ کا یہی وہ اہم مگر بے حد پیچیدہ موضوع ہے جسے

---

[۱] اب اس کا نام بدل کر "اکابر صحابہ پر بہتان" کر دیا گیا ہے۔

انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈ کر حق وانصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی رعایت رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قوم کو اس پر غور وفکر اور پھر قبول کی دعوت دینا ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے پیش نظر ہے۔......

جواسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچادرد رکھتے ہیں ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا وآخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔ (داستان کربلا ص ۳۰ و ۳۱)

''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی جو مہم چلائی ہے اس کا ایک نمونہ تو '' اکابر صحابہ پر بہتان'' میں گزرا، اب تاریخ اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیے!

اس کتابچہ کا نام '' داستان کربلا'' حقیقت میں اسم بامسمیٰ ہے عربوں کے کاہنوں کی طرح ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے '' داستان امیر حمزہ'' کی طویل وعریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر میں گزری ہیں اور اس نے نوشیرواں نامہ، ہرمز نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایرج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیال سکندری، طلسم لوخیز جمشیدی، طلسم زعفران زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طول طویل داستان میں اتنا تو سچ ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمرو بن امیہ ضمری، معدیکرب، مالک اشتر، لندھور ابن سعدان، نوشیرواں، بزرجمہر، افراسیاب، زمرد شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ

پچھلے پانچ عجم سے، لیکن '' داستان امیر حمزہ'' پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدھ احمق ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو سچ باور کرتا ہوں، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قمر نے بھی جن کے قلم سے داستان امیر حمزہ صاحب قران'' کی طویل وضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ '' داستان امیر حمزہ صاحب قران'' کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے۔

مگر آفرین ہے '' مجلس عثمان غنیؓ'' کے ارکان اور اس مجلس کے ہیرو احمد حسین کمال پر جنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر '' داستان کربلا'' لکھی اور اس پر بصد طمطراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ بے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان '' حقائق کے آئینہ'' میں سپرد قلم کی گئی ہے، سچ ہے۔

اِذَالَمْ تستحْیِ فاصنع ماشئت   بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

'' مجلس عثمان غنیؓ'' کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گویوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو

اب ذرا اول پکڑ کر اس داستان کو پڑھے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرات و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

خود ساختہ '' داستان کربلا'': '' داستان کربلا'' کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بعث اهل العراق الى الحسين الرسل والكتب يدعونهٔ اليهم فخرج متوجهاً اليهم فى اهل بيته وستين شخصاً من اهل الكوفة صحبة. (البدايه والنهايه، جزنهم ص ۱۵۳)

۲۲ رجب ۶۰ ہجری کو امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہوگیا۔

۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوگئی۔

شعبان ۶۰ ہجری میں حضرت حسینؓ اہل وعیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

کوفہ میں رہنے والے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آ کر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے قاصد پر قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور اپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔

آپ نے صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے تایازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعان علی کے پیغامات اب بھی برابر آرہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ البدیہ والنہایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اہل عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آ جائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہل بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی میعت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔"

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کیلئے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیر یزید کے ہاتھ پر ماسوا عبداللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ۱۸۹ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زرود پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا

کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی، آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعان علی آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زرود مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداریوں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلنے پر اصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زرود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورت حال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا...... ان دونوں نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:۔

> میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافت حال کے لیے کوفی بھیجا تھا، ساٹھ کوفی جواب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آ جائیں، اہل کوفہ بیتابی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کر دیا اس لئے اب میرے سامنے یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں" عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو اس صورت حال

سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا، عبداللہ بن زیاد سے قبلت کہہ کر منظوری دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک کو دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا تا کہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام ''واقصہ'' سے حضرت حسین نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور اب ''القرعا'' اور ''مغیبہ'' کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے۔ ۹ محرم کی شب کو ''العذیب'' اور ''قصر مقاتل'' کی منزلیں طے کر کے آپ نے ''الطف'' کی سرسبز و شاداب زمین میں ''کربلت'' کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا اسی ''کربلت'' کو ''کرب و بلا'' کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ ''کربلت'' عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔[1]

''کربلت'' دریائے فرات سے بیس میل دور اور کوفہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ

---

[1] یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے مگر ناصبیوں کے ''امام التاریخ اطباسی صاحب یہ لکھتے ہیں، ''ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین'' کربلا کہلاتی تھی، جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم وملائم زمین تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر ''کربلا'' کہلاتی تھی (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم) یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع ''کربلا'' کا تو ذکر آتا ہے مگر ''کربلت'' نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں جھوٹ نہ ہو۔

جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتی کہ آپ نے یہاں تک فرمایا:

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرا دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے بڑا احمق ہے"۔

(جلاء العیون، طبری)

ساٹھوں کوفی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے، لیکن ان سے جدا ہونا ابن زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابن زیاد کا فوجی دستہ ساتھ میں ہے! اس لئے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع اور جوابی کارروائی کرنے لگے، اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ دستے نے بھی سنی، حر، شمر اور عمر بن سعد حسینی کیمپ کی طرف دوڑے، شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر قتل کر ڈالا، ایک آدھ ہی بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا۔ لیکن افسوس اس دوران حضرت حسین کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیئے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے جعفر، محمد عبدالرحمن، عبداللہ اور

عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے۔ یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حر خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لئے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے اکیس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، حُر بھی کوفیوں کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے وار سے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء بدھ کے دن پیش آیا، بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو ''کربلت[1]'' کے بجائے ''نینوا'' کے مقام پر پیش آیا۔ بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا، بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندانِ علی کے بچے کھچے افراد و خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعانِ علی نے خفیہ طور پر ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے فرمایا:

> ''اے غدارو! اے مکارو میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا''۔

خاندانِ علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے مہمان رہے، پھر پوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ واپس آ کر جوار رسول میں حسب سابق رہنے لگے۔

[1] اس نام کا کوئی تاریخی وجود نہیں۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔ (از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے ''مجلس حضرت عثمانِ غنیؓ'' یعنی حال کے ''مذہب مروانی'' کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گذری اور جس میں اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ''شیعان اموی'' کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی ذرا سی بھی آنچ نہ آنے پائے، کیونکہ شیعانِ بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفۂ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب نواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجا لائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ الٹا الزام مظلوموں کے سر تھوپا جائے، واقعۂ کربلا کی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حرہ کے مظالم کا ذمہ دار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کارشر میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آ کر سلف صالحین صحابہ و تابعین

اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن تا کجے جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح

(۱) چنانچہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ان ساٹھ کوفیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو ورغلانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے ورغلانے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کر لیا تو یہ ساٹھوں کوفی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب ہم صلاح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور شمر ذیالجوشن کا محافظ دستہ جو کاروان اہل بیت کی حفاظت کے لئے کوفہ کی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناگہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو نہ بچا سکا مگر ان ''شیعہ مرانیہ'' ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے ''امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی'' کا (جس کے لیے یہ ناصبی ''رحمۃ اللہ'' بھی لکھتے ہیں) یہ بیان ہے۔

---

۱ ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ ''علی المرتضیٰ'' کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۲ پر یہی الفاظ ہیں۔

''امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ''

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بارہا ملاقاتیں ہوئیں اور علمی گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی ناقص ہے، عربی کا تو کیا ذکر اہل علم حضرات اگر ان کی تالیف ''خلافت معاویہ و یزید'' میں انہوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان ''علامہ صاحب'' کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی ''شیخ الاسلامی'' کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امروہہ کے بہت سے احباب ابھی زندہ ہیں ان سے ان کی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ

''امیر عبیداللہ زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض و مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت......

علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے''

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتلِ حسین کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مؤرخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہوگا......

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں، ایک تو برادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی

جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآن کریم کے بارے میں جو وہ اظہار خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپکو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کی جب نشر و اشاعت ہو رہی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم ہیں۔

کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی جانیں دے دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوفی سبائیوں[1] کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر[2] انہوں نے اپنی پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی، جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی...... چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ مؤقف پر قائم رہیں......

حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تحریص و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کر لیں،

---

[1] عباسی صاحب تو ان کوفی شہداء کو جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت میں اپنی جانیں نثار کر دیں "سبائی" کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور "مجلس حضرت عثمان غنی" کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

[2] کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح کے بعد اہل عراق پر کوئی دار و گیر نہیں ہوگی۔

ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں......

حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے"...... امیر کوفہ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ مزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، نمائندگان حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدباب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لیے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے، حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی، یہ موقع ہاتھ آ گیا، انہوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنہوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین[1] نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت

---

[1] جن کے کہے پر عباسی صاحب کا ایمان ہے۔

کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ، ''گورنر (صکوفہ) عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعان علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا) حسین اور ان کے مٹھی بھر تبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جوان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا، غیر مال اندیشانہ طور پر حملہ کر دیا (ص ۱۱۶۲)

عمر بن سعد امیر عسکر نے ...... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی......

حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پہ رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے......

انہوں نے مفادملت کی خاطر بہتیری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جس بین ثبوت خود انہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ

حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پرذوالمحلول میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ محمود احمد عباسی) طبع چہارم (ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۱)

شیعانِ اموی "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے "امام التاریخ" کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجیے کہ ناصبیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہل بیت اور ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی معیت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعانہ جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیئے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھاسی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں! عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے آناً فاناً میں حسینی قافلہ کے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستہ فوج کو ایک متنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر "مجلس شیعانِ عثمان" کے داستان گو نے جو دستان بیان کی ہے وہ امام التاریخ کے بیانکردہ افسانہ سے بالکل جدا ہے، اس میں مذکور ہے کہ عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرے سے جنگ ہی نہیں کی، بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو ان کوفیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستہ فوج کے پہنچتے

پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کف افسوس مل کر رہ گیا، آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

ہمارے نزدیک تو ناصبیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے، فرق ہے تو بس اتنا کہ ناصبیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ ضالین و مغضوبین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے کہ جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے، لیکن ''مجلس حضرت عثمانِ غنیؓ'' کے داستان گو کا سارا بیان خانہ ساز و طبع زاد ہے۔ بہر حال اب شیعان اموی ''مجلس عثمان غنیؓ'' کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکین مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور ''داستان گو'' دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی

(۲) ''داستان گو'' صاحب کی حساب دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ، ۲۸ رجب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ رجب کا چاند اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن، اگر یہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی''

(داستان کربلا ص ۳)

''منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوئے، اس وقت امیر یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے۔

(داستانِ کربلا ص ۴)

سچ ہے ع دروغ گو را حافظ نباشد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح

(۳) ''داستان کربلا'' (ص ۷، ۸) پر جو یہ مرقوم ہے کہ

''دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتی کہ آپ نے یہاں تک فرمایا:

''افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عمزاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کرادیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے وہ بڑا احمق ہے''۔ (جلاء العیون طبری)

سو محض غلط ہے ''داستان گو'' صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

اس لئے انہوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ مقام شراف سے چل کر (جو واقصہ سے دو میل پر ہے) ''کوہِ ذی حسم'' کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حر بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا، تمازتِ آفتاب نے حر اس کی فوج اور سواریوں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساقی کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کی سواریوں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے، تعمیل حکم میں دیر نہ لگی، اور اول سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا، حُر کو قادسیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کارواں کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ میں لا کر پیش کیا جائے۔ عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے مکہ معظمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطقطانہ سے لے کر خُفان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت کے مطابق اس نے اپنے سامنے حُر کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کے لیے فرمایا۔ حجاج نے اذان دی، اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا وازار زیب تن کیے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

ایھا الناس انھا معذورۃ الی اللہ عزوجل و الیکم، انی لم آتکم حتی اتتنی کتبکم و قدمت علیّ رسلکم ان اقدم علینا، فانہ لیس	لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ پیام لے کر

انا امام لمل اللہ یجمعنابک علی الھدی فان کنتم علی ذلک فقد جئتکم فان تعطونی ما اطمئن الیه من عهودکم و مواثیقکم اقدم معرکم و ان لم تفعلوا و کنتم لمقدمی کارهین انصرف عنکم الی الکان الذی اقبلت منه الیکم۔ (تاریخ طبری ج ۸ ص ۴۰۱)

میرے پاس نہیں آئے کہ "آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے، ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر دے" سو تم اب بھی اگر اسی بات پر قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد پیمان کرو کہ جن سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر حر اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر سے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھ گے، اس نے جواب دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ آپ نے ظہر کی امامت فرمائی، عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

امابعد، ایها الناس، فانکم ان تتقوا و تعرفوا الحق لاهله یکن ارضی لله، و نحن اهل البیت اولی بولایة هذا الامر علیکم منهؤلاء المدعین ما لیس لهم، والسائرین فیکم بالجور والعدوان و ان انتم کرهتمو نا

امابعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اہل حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے اور ہم اہل بیت ان ناحق کے مدعیوں، اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی بہ نسبت تمہارے ولی امر ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق

وجهلتم حقناء و كان رأيكم غيرما اتتنى كتبكم، و قدمت به علّى رسلكم انصرفت عنكم. (طبری ج ۵ ص ۴۰۲)

سے نکرتے ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے جاتا ہوں۔

اب حر نے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا:

انا واللہ ماندری ما هذه الكتب التي تذكر. (ج ■ ص ۴۰۲)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا کہ ذرا وہ دونوں خرجینین تو لاؤ جن میں میرے نام ان کوفیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ دونوں خرجینین جو خطوط سے پُر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لا کر خالی کر دی گئیں اور آپ نے ان خطوط کو پھیلا کر ان کے سامنے ڈال دیا، حر نے اب بھی یہی جواب دیا کہ،

فانا لسنا هؤلاء الذين كتبوا اليک، و قد امرنا اذا نحن لقيناک الاّ نفارقک حتى نقدمک على عبيد الله بن زياد. (ج ۵ ص ۴۰۲)

ہم تو وہ نہیں ہیں۔ جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے تھے، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جیسے ہی آپ کا ہمارا آمنا سامنا ہو تو اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑیں جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الموت ادنى اليک من ذلک

اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ قریب ہے۔

یہ فرما کر حضرت ممدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حر اور اس کا رسالہ

راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حر نے پھر وہی جواب دیا۔

اوید و اللّٰہ ان انطلق بک الی عبید اللّٰہ بن زیاد (ج ۵ ص ۴۰۲)

بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذن و اللّٰہ لا اتبعک

خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں تیرا تابع نہیں ہو سکتا۔

اس پر حر نے کہا:

اذن و اللّٰہ لا ادعک

خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔

طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حر کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا پیچھا نہ چھوڑوں اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجیے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ چاہیں تو یزید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں کوئی ایسی عافیت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلا نہ پیش آئے۔

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عذیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، حر کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام "بیضہ" پر پہنچے جو واقصہ اور عذیب کے مابین پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ "داستان گو" نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گڑھ کر یہ اضافہ کر دیا ہے۔

''دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتی کہ آپ نے یہاں تک فرمایا الخ'' (''داستانِ کربلا'' ص ۸،۷)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام ونشان تک نہیں جو''داستان گو'' نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔

ان الحسین خطب أصحابه و أصحاب الحرّ بالبیضة فحمد اللّٰه واثنی علیه ثم قال ایها الناس ان رسول اللّٰه صلَی اللّٰه علیه وسلّم قال "من رأی سلطاناً جائراً مستحلًا لحرم اللّٰه ناکثاً لعهد اللّٰه مخالفاً لسنة رسول اللّٰه یعمل فی عباد اللّٰه بالاثم و العدوان فلم یغیر علیه بفعل ولا قول، کان حقاً علی اللّٰه ان یدخله مدخله الا و ان هؤلاء قد لزمو اطاعة الشیطان و ترکها طاعة الرحمن و اظهروا الفساد و عطاوا الحدود فاستأ روا بالفیء، واحلّو احرام اللّٰه و حرّموا حلالهٗ، و انا احق من غیّر قد اتتنی کتبکم و

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے مقام ''بیضہ'' میں پہنچ کر اپنے اصحاب اور حر کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا، جس میں حق تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ''جو کسی ظالم حکمران کو اس حال میں دیکھے کہ وہ محرماتِ الٰہی کو حلال کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب ہیں'' خبردار! ان لوگوں (حکمران ٹولے) نے رحمٰن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اختیار کرلی ہے، ملک میں فساد پھیلا دیا، حدود الٰہی معطّل کر دیں، مالِ غنیمت اپنے

قدمت علی رسلكم بيعتكم انكم لا تسلّمونی ولا تخذ لونی فان تممتم علی بیعتکم تصيبو ارشدكم فانا الحسين بن علی و ابن فاطمة بنت رسول الله صلّی الله عليه وسلّم، نفسی مع انفسكم و اعلی مع اهليكم فلكم فیّ اسوة و انلم تفعلو او نقضتم عهدكم و خدمتم بيعتی من أعناقكم فلعمهری ما هی لكم بنكر لقد فعلتموها بابی و أخی و ابن عمی مسلم بن عقيل، و المفرور من اختربكم فحظكم أخطاتم، و نصيبكم ضيعتم، وَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ و سيغننی الله عنكم و السلام عليكم و رحمة الله و بركاتهٗ.
(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۳ طبع دارالمعارف قاہرہ ۱۹۶۲ھ)

لیے مخصوص کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط میرے پاس آچکے ہیں اور تمہارے قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑو گے پھر اگر تم اپنی بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر اطہر فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد و پیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکتے ہو تو بجان من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ، میرے بھائی اور میرے برادر عمزاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی قسمت کو خراب کیا "جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے گا" اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۶۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے ''مقتل حسین'' کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان ساٹھ کوفی حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام ''بیضہ'' پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حر اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔ اپنے اُن اصحاب سے نہیں جو مکہ معظمہ سے آپ کے ہمرکاب تھے، حر اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازم مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حر اور اس کا رسالہ سدراہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر ''داستان گو'' صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق جارہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فریبی کا پردہ چاک ہوگا۔

بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساٹھ کوفیوں سے کریں گے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کے سامنے میدان کربلا میں جام شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اور طبری میں ''داستان گو'' صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

''جلاء العیون'' کے بارے میں اسی ''داستانِ کربلا'' کے الفاظ ہیں۔

''شیعہ کتاب جلاء العیون''

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو ''داستان گو'' صاحب

کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ دروغ گوئی اور بہتان طرازی روافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ "مجلس حضرت عثمان غنی" کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرنے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنت والجماعۃ حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ رافضیوں کی خرافات پر اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغویات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفاء ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسنین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ "نواصب" کو اگلے زمانہ میں "شیعہ عثمان" "شیعہ مروانیہ" اور "شیعہ امویہ" کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے "خلافت معاویہ و یزید" لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ "مجلس عثمان غنی" بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعان عثمان "مجلس حضرت عثمان غنی" کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں سچ ہے:

ما سلم الصدیق من رافض ۔۔۔۔۔ مانجی من ناصبین علی

(حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے تبرا سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی)۔

تیسرے جھوٹ کی تنقیح کہ یزید کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا

(۴) ''داستان گو'' صاحب نے ''البدایہ والنہایہ'' کی عربی عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا حوالہ غلط دیا یعنی (جلد نہم ص ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

''البدایہ والنہایہ'' مشہور عربی تاریخ ہے''

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی ''البدایہ والنہایہ'' کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

کتب یزید الی ابن زیاد انہٗ قد بلغنی ان حسیناً قد سار الی الکوفة و قد ابتلی به زمناک من بین الازمان و بلدک من بین البلدان و ابتلیت انت به من بین العمال، و عند ھا تعتق او تعود عبدًا کما ترق العبید و تعبد فقتلهٗ ابن زیاد، و بعث براسه الیه. (ج ۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۹۶۶ء)

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہران کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گورنروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائے گا چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی ''البدایہ والنہایہ میں یہ بھی ہے کہ

و بعث عبید اللّٰہ بن زیاد عمر بنسعد لقتالھم (ج ۸ ص ۱۷۰)

عبیداللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا

اور یہ بھی کہ

و ابطأ عمر عن قتاله فارسل ابن زياد شهر بن ذى الجوشن و قال له ان تقدم عمر فقاتل و الا فاقتله و كن مكانه فقد و يستك الامرة. (ج ۸ ص ۱۷۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کرے تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جائیو اور نہ عمر (ابن سعد) کو قتل کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لیجو، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں۔

اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی ''البدایہ والنہایہ'' ہی میں یہ بتائی ہے کہ

وكانوا اربعة الاف يريدون قتال الديلم، فعينهم ابن زياد و صرفهم الى قتال الحسين. (ج ۸ ص ۱۶۹)

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو ابن زیاد نے قتال دیلم سے روک کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کیلیے متعین کیا۔

عمر بن سعد کو تعمیل حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا۔

فوثب الى فرسه فركبها ثم دعا بسلاحه فلبسه و انه لعلى فرسه و نهض بالناس اليهم فقاتلوهم فجيئ برأس الحسين الى ابن زياد فوضع بين يديه فجعل يقول بقضيبه فى انفسه و يقول ان ابا عبدالله كان قدشمط.

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات سے مقابلہ کیلئے چل پڑا، فوج نے جاتے ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ابن

(ج ۸ ص ۱۷۱) زیاد کے سامنے ڈال دیا گیا اور ابن زیاد اپنی چھڑی آپ کی ناک پر رکھتا اور کہتا کہ ابوعبداللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

شمر اپنی خباثت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ و تنہا میدانِ قتال میں ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فرما دیا تھا۔

صدق اللّٰہ و رسولہٗ قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کانی انظر الی کلب ابقع بلغ فی دماء اھل بیتی (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۸)

اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں دیکھ رہا ہوں اس چکتبرے کتے کو جو میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالے گا۔

اس روایت کے آخر میں راوی کی یہ بھی تصریح ہے:

وکان شمر قبحہٗ اللّٰہ ابرص

شمر اللہ اسکا برا کرے برص میں مبتلا تھا۔

(ج ص ۱۸۹)

مگر ''داستان گو'' اسی کتے کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو محافظ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

''عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندانِ علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے'' (ص ۱۰)

''عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پامال بھی کیا تا کہ عبرت کا سامان بن جائیں'' (ص ۱۰)

حالانکہ ''البدایہ والنھایہ'' میں اس کے برعکس یہ مرقوم ہے۔

و قتل من اصحاب الحسین اثنان و سبعون نفساً فدفنھم اھل الفاضریة من بنی اسد بعدما قتلوا بیوم واحد (ج ۸ ص ۱۸۹)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے بہتر نفوس شہید ہوئے جن کو غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا۔

''غاضریہ'' کوفہ کے نواح میں ''کربلا'' کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہداء کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نمازِ جنازہ ادا کی تھی اور انہیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ ''البدایہ والنھایہ'' میں ہے:

و قتل من اھل الکوفه من اصحاب عمر بن سعد ثمانیة و ثمانین رجلاً سوی الجرحی فصلّی علیھم عمر بن سعد و دفنھم، و یقال ان عمر بن سعد امر عشرة فرسان فداسوا الحسین بحوا فرخیولھم حتی المقوه بالارض یوم المعرکة و أمر برأسه ان یحمل من یومه الی ابن زیاد مع خولی ابن یزید الاصبحی۔

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن سعد نے معرکہ کے دن دس سواروں کو حکم دیا جنہوں نے اپنی گھوڑوں کے سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لاشہ کو پامال کر کے پیوند زمین کر دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق آرڈر دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کو بھجوا دیا جائے۔ (ج ۸ ص ۱۸۹)

نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے

سرکاٹ کر جن میں یہ ساٹھ حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیئے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا۔ جس پر عبداللہ بن عفیف ازدی نے برافروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

و یحک یا ابن زیاد! تقتلون اولاد النبیین و تتکلمون بکلام الصدیقین.

ابن زیاد تجھ پر افسوس! تم لوگ انبیاء کی اولاد کو قتل کر کے صدیقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے ازاں بعد ''سر حسین'' کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی معیت میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا، دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

البشریا امیر المؤمنین بفتح اللّٰہ علیک و نصرہٖ، ورد علینا الحسین بن علی بن أبی طالب و ثمانیة عشر من اھل بیتہٖ و ستون رجلاً من شیعتہٖ فسرنا الیھم فسألنا ھم ان یستسلموا و ینزلوا علی حکم الامیر عبیداللّٰہ بن زیاد

امیر المؤمنین آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کی بشارت ہو، حسین بن علی بن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں ''ساٹھ اشخاص'' ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبیداللہ بن زیاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور اسکے حکم پر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں

او القتال، فاختار وا القتال فغدونا الیھم مع شروق الشمس فاحطنابھم من کل ناحیة حتی اخذ السیوف ماخذھا من ھام القوم، فجملوا یھربون الی غیر مھرب ولا وزر، و یلوذون منا بالاکام و الحفر لوذا کما لاذ الحمام من صقر، فو اللہ ما کانوا الاجرز جزو راونومة قائل حتی أتینا علی آخرھم فھاتیک اجسارھم مجردة و ثیابھممزملة و خدودھم معفرة، تصھرھم الشمس و تسفی علیھم الریح و ازرھم العقبان والرخم.

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۱)

یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں کو جا لیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کیلئے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور جس طرح شکرہ سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈنے لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سو اب ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے کپڑے لپیٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک میں لتھڑے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلا رہی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے۔

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم "مجلس حضرت عثمان غنیؓ" کے داستان گو کے علی الرغم اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوفی حضرات جو حضرت حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا اس

بارے میں اعتراف موجود ہے۔ یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو اس مہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

والله لا اجمعهما للفاسق أبدا اقتل ابن بيت رسول الله صلّى الله عليه وسلم و الحزو البيعت الحرام. (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۲۱۹)

خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں گناہ اپنے نامہ، اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کروں۔

یاد رکھیے ”داستان گو“ صاحب نے جن شہداء کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی کی ہے، یہ وہی شہداء کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ ”وہ جنت میں بے حساب داخل ہوں گے“ چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنھایہ میں لکھتے ہیں:

و قدروی محمد بن سعد وغيرهٗ من غيروجه عن علی بن ابی طالب رضی الله تعالیٰ عنه انه مرّ بکربلاء عند اشجار الحنظل و هو ذاهب الی صفين، فسأل عن اسمها فقيل کربلاء فقال کرب و بلاء فنزل و صلّی عند شجرة هناک ثم قال يقتل ههنا

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد و اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ ”صفین“ کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلاء میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا ”کربلا“ ہے فرمایا کرب و بلا ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ ”یہاں وہ شہداء قتل کیے جائیں گے جو صحابہ

شهداء هم خیر الشهداء غیر الصحابة یدخلون الجنة بغیر حساب و اشار الی مکان هناک فعلموه بشئ فقتل فیه الحسین. (ج ۸ ص ۱۹۹، ۲۰۰) ۔

کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلاحساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حسینی سادات اقالیم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔

وقد انقرضوا کافة فلم یبق لیزید عقب. (ج ۸ ص ۲۳۷)

سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیر ہی کے الفاظ ہیں:

فانهٗ لم یمهل بعد وقعة الحرة و قتل الحسین الا یسیراً حتی قصمهُ اللّٰه الذی قصم اجابرة قبله و بعدهٗ، انهٗ کان علیمًا قدیراً.

سو بلاشبہ واقعہ حرہ اور قتل حسین کے بعد یزید کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالیٰ نے اسکو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

ثم مات قبحهُ الله ثم اتبعهُ الله بيزيد بن معاوية فمات بعدهُ في ربيع الاول لاربع عشرة ليلة خلت منه فما متعهما الله بشيء مما رجوه و اعلوه بل قهرهم القاهر فوق عبادهٖ و سلبهم الملک و نزعهُ منهم من ينزع الملک ممن يشاء.

پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے مر گیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد ۱۴ ربیع الاول کو مر گیا اور ان دونوں کو جو امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور ان کی بادشاہی سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اس کی سلطنت چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

وقد اخطأ يزيد خطأ فاحشا في قولهٖ لمسلم بن عقبة ان يبيح المدينة ثلاثة أيام، و هذا خطأ كبير فاحش، مع ما انضم الى ذلک من قتل خلق من الصحابة و ابناء هم و قد تقدم انهُ قتل الحسين و اصحابهُ على يدى عبيد الله ابن زياد، و قد وقع في هذهٖ

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و تاراج کیجیو" فحش غلطی کی، یہ نہایت بڑی اور فاحش خطا ہے اور اس خطا کے ساتھ صحابہ کرام اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل اور شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم مفاسد برپا ہوئے کہ جو حد و شمار سے باہر ہیں

الثلاثة ایام من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة مالا یحد ولا یوصف، مما لا یعلمهٗ الا اللّٰہ عزوجل و قد اراد بارسال مسلم ابن عقبة توطید سلطانهٖ و ملکهٖ، و دوام ایامهٗ من غیر منازع، فعاقبهٗ اللّٰہ بنقیض قصدهٖ و حال بینهٗ و بین ما یشتهیه فقصمهٗ اللّٰہ قاصم الجابرة واخذهٗ اخذ عزیز مقتدر وَكَذٰلِكَ اَ. اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ.

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۲)

ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی کو نہیں۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہی اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب بلانزاع کے اس کے ایامِ سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد کو الٹ کر اسے سزا دی اس کی ذات عالی یزید کے اور اس کی خواہش کے درمیان حائل ہوگئی (کہ اس کی تمنا پوری نہ ہوسکی) چنانچہ اللہ عزوجل نے جو ظالموں کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے اس کی کمر بھی توڑ ڈالی اور اسی طرح اس کو دھر پکڑا جس طرح کہ ہر چیز پر غالب اور اقتدار والا پکڑا کرتا ہے" اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی"

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

خلیفہ عبدالملک اموی نے یزید کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ کر ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنبنی دمآء آل بنی ابی طالب فانی و ایت آل حرب لما تهجموا بها لم ینصروا۔ [۳]

(تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۴ طبع بیروت ۱۳۷۹)

مجھے آل بنی ابو طالب کی خونریزی سے بچاتے رہنا کیونکہ میں آل حرب[۲] کا انجام دیکھ چکا ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر چل پڑے تو بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

[۱] قرآن پاک کی آیت ہے۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

افسوس یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں حافظ ابن کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

الناس انما میلھم الی الحسین لانہ السید الکبیر و ابن بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فلیس علی وجہ الارض یومئذ احدٌ یسامیہ ولا یساویہ و لکن الدولۃ الیزیدیۃ کانت کلھا تناویہ. (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱)

سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو (فضائل و کمالات میں) آپکا مقابلہ یا برابری کر سکے لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ ''البدایہ و النھایہ'' سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ''داستانگو'' صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرت ابن زبیر پر افترا

(۵) 'داستان گو' صاحب آگے چل کر ''اصل حقیقت'' کے زیر عنوان پھر

ع ''حرب'' یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں ''آل حرب'' سے خود یزید مراد ہے۔

ع یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنو مروان بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی ''منہاج السنۃ'' میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مروان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے خلافت معاویہ ویزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

''حضرت حسینؓ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۱۲) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

''اہل عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں، حسین کو انہوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے لڑنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے مخلص ساتھی بہت تھوڑے ہیں''۔

''ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا اور اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی''۔ (''داستانِ کربلا'' ص ۲۴، ۲۵)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو تقریر ''داستانگو'' صاحب نے نقل کی ہے غور فرمایئے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ ''آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے گئے تھے'' کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بستا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوفی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے

نہیں آیا تھا؟ کیا عبید اللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوفی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب وتحریص پر عمر بن سعد کے زیر کمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے یہی ان بہتر نفوس کے قاتل ہیں۔ جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہل بیت اور وہ ساٹھ کوفی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ ''کربلا'' میں شہید ہوئے۔ ''داستان گو'' صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے بدا عمال عمال اور یزیدی دستہ فوج کی بجائے جو تمام تر کوفیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوفی شہیدان کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنہوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضاء و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ بولنے سے ذرا نہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت جوڑنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متہم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بلوائیوں کو اکسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کرے اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزدگان حضرات حسنین، حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ دار ٹھہرائے۔ اس سے ان کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود ''شہداء کربلا'' کو حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ بولے کم ہے! افسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں، اس کے کتابچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے اس کے ان کتابچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ ہیں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے اور تقسیم کرتے ہیں۔

فان کنت لاتدری فتلک مصیبة و ان کنت تدری فالمصیبة اعظم

(اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت ہی بڑی مصیبت ہے)۔

"داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ "بہرحال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا.........

خاندانِ علی کے بچے کھچے افراد و خواتین کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعانِ علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے۔ فرمایا

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا، اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے اہل خانہ ابھی کل

---

[۱] "داستان گو" کی اس افتراء پردازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ "اکابر صحابہ پر بہتان" ملاحظہ فرمائیں

تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں میں اسے نہیں بھول سکتا ہوں“
(شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)

یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ عار کا دھبہ اب رونے سے زائل نہیں ہوسکتا۔ (شیعہ کتاب، جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵)
”فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی“ (داستان کربلا ص ۱۰،۱۱،۱۲)

”داستان گو“ صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں جو بعض شیعانِ علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں“ اور جن کے غلط مشورے اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو ”داستان گو“ صاحب نے ”جلاء العیون“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کیا یہ وہی مردے تھے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آگئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھیر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی لاشوں کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہ ساٹھ کوفی 'شہداء کربلا' (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو ”داستان گو“ صاحب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عبید اللہ بن زیاد کے دباؤ میں آکر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے جانثاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات ”شہداء کربلا“ کے اصل قاتل تھے اور اس

لیے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زیب داستان کے لیے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیسا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے۔

لما قتل الحسین علیہ السلام قام ابن الزبیر فی اهل مكة و عظم مقتلهٗ وهاب اهل الكوفة خاصة و لاماهل العراق عامة، فقال بعد ان حمد الله و اثنى عليه و صلّى عليه محمد صلّى الله عليه وسلّم ان اهل العراق غُدُرٌ فُجُرٌ الا قليلا و ان اهل الكوفة شرار اهل العراق و اهم دعوا حسيناً لينصروه و يولّوه عليهم، فلما قدم عليه ثاروا اليه، فقالو الهٗ اما ان تضع يدک فی ایدینا فنبعث بک الی ابن زیاد بن سمیة سلماً

جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہل مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہل کوفہ کا خصوصیت کے ساتھ عیب بتایا اور عمومی طور پر اہل عراق کو ملامت کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہل عراق میں قلیل تعداد کو مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بدکار ہیں اور کوفہ والے تو اہل عراق کے بدترین لوگ ہیں، انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں گے، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بخیریت ابن زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم آپ پر چلائے

فیمضی فیک حکمۂ و اما ان تحارب، فرأی واللّٰہ انۂ ہو و اصحابہ قلیلٌ فی کثیر، و ان کان اللّٰہ عزوجل لم یطلع علی الغیب احداً انۂ مقتول، و لکنۂ اختار المیتۂ الکریمۃ علی الحیاۃ الذمیمۃ فرحم اللّٰہ حسیناً و اخزی قاتل الحسین، لعمری لقد کان من خلافھم ایاہ و عصیانھم ماکان فی مثلہٖ واعظ و ناہ عنھم و لکنۂ ما حمّ نازل و اذا اراداللّٰہ امرًا لن یدفع افبعد الحسین نطمئن الی ھؤلاء القوم و نصدق قولھم و نقبل لھم عھداً! لا ولا نراھم لذالک اھلا اما واللّٰہ لقد قتلوہ، طویلاً باللیل قیامۂ کثیراً فی النھار صیامۂ احق بماھم فیہ منھم و اولیٰ بہٖ فی الدین و الفضل، اما

ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار رہیں، سو بخدا حسین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے بجانِ من ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور نافرمانی کی وہ ان کے طرزِ عمل سے نصیحت پکڑنے اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو ہرگز ٹالا نہیں جا سکتا، سو کیا اب حسین کے بعد بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم انہوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا وہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوف

والله ما كان يبدل بالقرآن الغناء، ولا بالبكاء من خشية الله الحداء، ولا بالصيام شرب الحرام، ولا بالمجالس في حلق الذكر الركض في تطلاب الصيد يعرض بيزيد فَسَوفَ يَلْقَوْنَ غَيّاً.

الٰہی سے رونے کی بجائے نغمہ اور سرور کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب خواری میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر الٰہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں، "سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے"۔ (تاریخ طبری ج ۵، ص ۴۷۴، ۴۷۵)

اس تقریر کو پھر پڑھیئے، یہ یزید اور اس کی کوئی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی "شہداء کربلا" کا یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی مصروفیت، یہ نغمہ و سرور کے مشغلے کس کے کردار پر طنز ہیں، کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و ترہیب سے حضرت ممدوح سے غداری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالارِ لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے عہد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر "داستان گو" صاحب داستان سرائی میں مصروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرائی

(۶) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحۂ شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے

پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر ''داستان گو'' صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے یہی تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی''

(داستان کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ ''حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟'' میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

''حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت بجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبید اللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا تھا، جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہو گئی'' (ص ۳۰)

تعجب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ

''واقعہ قتل حسین کے بعد امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی''

داستانِ کربلا لکھنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل انجان بن گئے سچ ہے۔ دروغ گورا حافظہ نباشد

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امت، یزید اور اس کے بداعمال عمالِ حکومت کے خلاف ہوگئی ہے یا ان ساٹھ کوفی ''شہداء کربلا'' کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں درجۂ شہادت پر فائز ہو کر داخل جنت ہوئے۔

خاندانِ حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ

(۷) اور ''داستان گو'' صاحب نے جو یہ بات بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ

> ''خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے''۔ (''داستانِ کربلا'' ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ''داستان گو'' صاحب ذرا بتائیں کہ یہ بیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیے تھے یا حکومت کے بیت المال سے، اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افرادِ خاندان ان بیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہہ

(۸) ''داستان گو'' صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان گڑھنے کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا

ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

''حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔

چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو نیز بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعوی نے نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی۔

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورت حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

''میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں''

(اخبار الطوال)

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

''مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کر لوں گا''۔

(طبری، اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمشیرگان اُم کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندانِ حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہل خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے گورنر اور حکام نے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو جواب دیا مکہ جا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعانِ علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آیئے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

''آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے

حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے“
حضرت حسین کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لایئے اور بیعت لیجئے، غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانتا بندھ گیا، حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہو جائے۔ (اخبار الطوال)
بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں۔ (داستانِ کربلا ص ۲۰ تا ۲۴)۔

”داستان گو“ صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے نئے خلیفہ کے مشورۂ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا“ (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

”اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر یزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۱)

نیز یہ کہ ”حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات

سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کیلئے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔" (ص ۲۰، ۲۱)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے "نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے" تو یہ "ان ہونی" کیسے ہوئی اور یزید کے بارے میں استصوابِ عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسول و ازواج رسول (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصوابِ عام ممکن تھا جیسا کہ بقول "داستان گو" کے یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہوا بھی بلکہ یزید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود "داستان گو" کا بیان ہے کہ

"خلیفہ یزید کے بعد ان کے صاحبزادہ معاویہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کرنا چاہی، معاویہ نے مجلس شوریٰ سے کہا کہ وہ خود کو اس منصب کے لئے اہل نہیں پاتے، اس لیے مسلمان باہم مشورہ سے کوئی بہتر شخص منتخب کرلیں۔ (ص ۲۶)

تو پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کی بجائے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بھی یہی طریقہ کار اپنایا جاتا تو آخر اس میں کیا قباحت تھی کہ امت مشورۂ عام سے جس شخص کو چاہتی خلافت کے لیے منتخب کرلیتی آپ خود ہی سوچیں کہ معاویہ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ طرز عمل لائق ستائش ہے یا یزید کی بے وقت کی ولی عہدی کی بیعت جس کی توجیہہ میں "داستان گو" صاحب سرگرداں ہیں مگر کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔

(۹) چنانچہ کتاب و سنت سے یزید کی ولی عہدی کا کوئی معقول جواز پیش کرنے کی بجائے "داستان گو" صاحب اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے کہ

"چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد

ہو...... اس لئے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی
کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا'' (ص ۲۱)

واقعی یزید کی ولی عہدی کی جناب نے بہت ہی عمدہ وجہ بیان کی

ع   پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

جناب کی تصریح سے واضح ہو گیا کہ ''اہل عجم'' کی اطاعت کی خاطر یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور اس بارے میں ''اہل عجم'' کا اتنا پاس و لحاظ کیا گیا کہ امور سلطنت میں بھی بالکل انہی کا طریقہ اپنا لیا گیا۔

تعجب ہے کہ آپ کے ممدوح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہل عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر ''مجلس حضرت شیخ غنی'' ان ہی ''اہل عجم'' کے اتنے خلاف ہو کہ ان کے کفر و زندقہ و نفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں آئے چنانچہ ''داستان کربلا'' کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

''چونکہ اولین اہل قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت اور چودھراہٹ مخالفت اسلام کے سبب ان ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فولادی ہاتھوں پیوند خاک ہوئیں بناء بریں انہوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذبہء انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محسنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدوخال پر مفتیات و مکذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظور نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے'' (الخ ص ۳۰،۳۱)

اب خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا انہی اولین اہل عجم کی خوشنودی کے لیے ''یزید'' کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا ان ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

(۱۰) یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ''داستان گو'' صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ

''حضرت علی کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسن کے پاس مسجد میں جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی'' (داستان کربلا ص ۱۷)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ

''حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی'' (داستان کربلا ص ۱۵)

غور فرمایئے! یزید کی ولی عہدی کے لئے تو توجیہیں گھڑی جاتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل السنّت و الجماعۃ بلا اختلاف ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابل نکیر ہے کہ باپ کے بعد ''بیٹے کی ولی عہدی یک رسم'' قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولی عہد بنا دیا جائے تو لائق تحسین ہے، قرین مصلحت ہے، کیونکہ ''مجلس عثمان غنی'' کے شیعان اموی کی نظر میں ایسی صورت میں باپ کے بعد ''بیٹے کی ولی عہدی کی رسم'' یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی یا پھر عین صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ ''ولی عہدی کی رسم قائم کی''۔

ولی عہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے ''داستان گو'' صاحب کو

علم نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کا "ولی عہد" نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت ممدوح سے حاضرین نے بیعت خلافت کی تھی اور باتفاق اہل سنت و جماعت جب تک کہ آپ نے عہدہ حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے آپ کا زمانہ ولی عہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمام حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے دوران جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں آخر بلادِ عجم میں وہ کونسی فتوحات ہوئیں جن کی بناء پر مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہوگیا"؟ جو اس سے پہلے نہ تھا، نیز اگر یہ بات صحیح ہے کہ "اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا فرد ہو" تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد امجاد حکمرانوں کی اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ "داستان گو" صاحب تو یزید کے بعد مروان ہی کو خلیفہ مانتے ہیں کیا مروان کے والد بزرگوار حکم بھی کبھی کسی زمانہ میں عالم اسلام کے حکمران رہے تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افتراء

(۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف جو خلافت کے

استحقاق کے ادعاء کا دعویٰ منسوب کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب حل وعقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولی عہدی کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اسکا نام تو بتایئے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ! نیز بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ ''بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کا دعویٰ کیا گیا'' تو اس سے کونسی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ ویسے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابل داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ''شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے'' میں نوجوانان بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۳۲) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نواصب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے ''الفصل'' میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل تالیف بھی مدون کی ہے۔ (ج ۴ ص ۹۰)

حضرت حسینؓ کے بارے میں افسانہ تراشی

(۱۲) اور ''داستان گو'' نے جو یہ لکھا ہے کہ

''اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھکر اس صورت حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں'' (اخبار الطوال) داستان کربلا ص ۲۱، ۲۲)

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشنا ہی چاہیے کہ قاتلانِ عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے برادر بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ:۔

''حضرت حسن فوت ہو چکے تھے'' اور ان کی وفات ۴۹ ہجری یا ۵۰ ہجری میں ہوئی ہے اور اسی ''داستانِ کربلا میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:۔

''امر خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ۳۵ ہجری کے آخر سے معطل[۱] ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے (کہ انہوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی) ۴۱ ہجری کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں متحد ہو گئی'' (ص ۱۹)

---

[۱] کیونکہ شیعان مروان ''مجلس شان غنی'' نہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امر خلافت معطل رہا۔

غرض ۴۱ ہجری سے لے کر ۴۹ ہجری یا ۵۰ ہجری تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قلمرو اسلامی کے بلاشرکت غیرے مطلق فرمانروا تھے اور اس لیے "داستان گو" ہی کے قول کے مطابق اس وقت

"حضرت معاویہ قاتلین عثمان .... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچانے لگے" (ص ۲۰)

پھر یہ "قاتلین عثمان" حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

"حضرت معاویہ کے ڈر سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہو گئے" ("داستان کربلا" ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق "کوفہ میں رہنے والے" قاتلان عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتحال پر متنبہ کیا الخ"

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان "قاتلانِ عثمان" کو کیوں کیفر کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بنسری۔ "داستان گو" صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے! معاملہ اور الجھ جاتا ہے!۔

غلط حوالہ دینے کی تو "داستان گو" صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی ہے، طبری کے حوالوں کی تنقیح ناظرین کی نظر سے گذر چکی ہے کہ "داستان گو" صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورت واقعہ کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کاروائی فرمائی اور ان اشراف کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جلیل القدر صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حجر بن الادبر، حجر الخیر

کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، ''قاتلانِ عثمان'' کی تہمت لگا دی ہے، حضرت حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرافِ کوفہ کا قتل عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب ''داستان گو'' صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہل علم ''الاخبار الطوال'' سے جس کا ''داستان گو'' صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو مطعون کرنا

(۱۳) اور بیعت یزید کے سلسلہ میں جو ''داستان گو'' صاحب کا یہ بیان ہے کہ

> ''۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسینؓ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ ''مجمع عام میں بیعت لی جائے میں بھی وہیں بیعت کرلوں گا''۔ (طبری، اخبار الطوال)
>
> ''لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہوگئے''۔ (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متہم کرنا ہے ''تاریخ طبری'' اور ''الاخبار الطوال'' میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ ''میں بیعت کرلوں گا'' یہ بات ''داستان گو'' صاحب نے اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تو اس کو سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح نبٹا جائے جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا ایک چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مؤرخ

طبری ''چوہے کے کان'' کے برابر تھا (کانہا اذن فارۃ) یہ فرمان لکھ کر بھیجا۔

اما بعد فخذ حسیناً و عبداللّٰہ بن عمر و عبداللّٰہ بن الزبیر بالبیعۃ اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا والسلام

اما بیعت کے سلسلہ میں، حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو پوری سختی کے ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں انہیں رخصت نہ ملنے پائے۔ والسلام

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۸)

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرایا[۱]۔ مروان اور ولید میں ان بن تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی[۲] نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیک بالحسین بن علی و عبداللّٰہ بن الزبیر، فابعث الیہما الساعۃ فان بایعا والاناضرب اعناقہما قبل ان یعلن الخبر.

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو بلوا لو اگر وہ دونوں بیعت کر لیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں مار دو، یہ کام معاویہ کی خبر مرگ کے اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

(الاخبار الطوال ۲۲۷)

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبداللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ''اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ

---

[۱] ابوحنیفہ دینوری کے الفاظ میں فلما ورد ذلک علی الولید فظع بہ و خاف الفتنۃ (الاخبار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

[۲] یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جان بخشی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

عنہ نے فرمایا کہ "میرا گمان ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے" ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا "میں بھی یہی سمجھتا ہوں" اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے، گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالی کو جمع کر کے "داالامارۃ" کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سنو تو "دارالامارۃ" میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھلایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أماماً سالتنی من البیعة فان مثلی لا یعطی بیعتهٔ سرّاً ولا اراک تجزی بها منی سراً دون ان تظهرها علی رؤس الناس علانیة.

بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا:

فاذ أخرجت الی الناس ودعوتهم الی البیعة دعوتنا مع الناس فکان امراً واحداً.

جب تم لوگوں کے سامنے نکل کر ان کو بیعت کی دعوت دو تو ہمیں بھی سب کے ساتھ ہی بلا لینا، تا کہ معاملہ یکساں رہے۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۴۰)

اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جب کا ترجمہ یہ ہو کہ "میں بیعت کر لوں گا" بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر ٹالنا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں ہوا، جیسا کہ "داستان گو" صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا جس سے آپ نے حکمت عملی کے ساتھ پہلوتہی

رمنیٰ، بہر حال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو "دارالامارۃ" سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا:

والله ان فارقک الساعة ولم یبایع لا قدرت منه علی مثلها ابدًا حتی تکثر القتلی بینکم و بینهٔ اجس الرجل، ولا یخرج من عندک حتی یبایع او تضرب عنقهٔ.

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو قید کر اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس سے نکلنے نہ پائے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کود کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ

یا ابن الزرقاء انت تقتلنی ام هو؟ کذبت والله و اثمت.

او زرقاء (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا ہے اور گناہ اپنے سر لیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا۔

عصیتنی، لا والله لا یمکنک من مثلها من نفسه ابدًا.

تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو نہیں دیں گے۔

ولید نے مروان سے کہا "مروان یہ زجر و توبیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دین کی سراسر بربادی ہے"۔

والله ما احبّ ان لی ماطلعت علیه الشمس و غربت عنه من مال الدنیا و ملکھا، و انی قتلت حسیناً، سبحان الله! اقتل حسیناً ان قال لا ابایع! والله انی لا ظن امرأ یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند الله یوم القیامة.
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم حسینؓ کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ کہتے ہیں ''میں بیعت نہیں کرتا'' بخدا مجھے یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہوگا۔

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔
یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ ''الاخبار الطوال'' اور ''تاریخ طبری'' دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مؤرخ طبری نے تفصیل سے، مگر ''داستان گو'' صاحب کو پوری داستان میں بس اتنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب داستان کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ الٹا نقشہ کھینچا ہے جس سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذم کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انہیں یزید و مروان سے عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو ''بیعتِ ضلالت'' سمجھتے تھے اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے چنانچہ امام ابن حزم ظاہری، ''الفصل فی الملل والاہواء والنحل'' میں فرماتے ہیں:

رأی انها بیعة ضلالة (ج ۴ ص ۱۰۵ طبع ۱۳۲۱ھ)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں یزید کی بیعت ''بیعت ضلالت''[1] تھی۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو داعیان ضلال ہی [بقیہ حاشیہ آگے]

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

انما انكر من انكر من الصحابة رضی اللّٰہ عنهم و من التابعين بيعة يزيد بن معاوية و والوليد و سليمان لانهم كانوا غير مرخيسين (ج ۴ ص ۱۶۹)	صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔

"داستان گو" صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کی تنقیح کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے۔

حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب "جمہرۃ انساب العرب" میں یزید کے کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل ہے فرماتے ہیں:

و يزيد امير المؤمنين و كان قبيح الاثر فى الاسلام، قتل اهل المدينة و افاضل الناس و بقية الصحابة، رضى الله عنهم. يوم الحرة فى آخر دولته، و قتل الحسين رضى	اور یزید امیر المؤمنین جس کے اسلام میں برے کرتوت ہیں، اس نے اپنی سلطنت کے آخری دور میں حرہ کے دن اہل مدینہ اور ان کے بہترین اشخاص اور بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا، اور اپنے عہد حکومت کے اوائل میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان

میں شمار کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاۃ الضلال یزید بالشام ومختار بالعراق (ج ۲ ص ۲۱۳) اور کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلۃ اتفاقا من ھو منافق او فاسق ومنھا الحجاج و یزید بن معاویۃ و مختار (اور قرون فاضلہ میں بھی باجماع ایسے افراد ہو گزرے ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے)۔

الله عنه فی المسجد الحرام و استخف بحرمة الکعبة و الاسلام فاماتهٔ اللّٰه فی تلک الایام، و قد کان غزافی ایام ابیه القسطنطنیة و حاصرها.
(ص۱۱۲طبع مصر ۱۳۸۲ھ)

کے اہل بیت کو قتل کیا، اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر کے کعبہ اور اسلام کی بے حرمتی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہی دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا، اس نے اپنے باپ کے عہد میں قسطنطیہ کی جنگ میں شرکت کی تھی اور اسکا محاصرہ بھی کیا تھا۔

واضح رہے کہ ''جمہرۃ انساب العرب'' خلافت معاویہ و یزید'' میں محمود احمد عباسی کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم و بنوامیہ کی باہمی قرابتوں کو بیان کرتے ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن حزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر، ان کی شہادت عمل میں آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خون حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں اور طرح طرح کی افتراء پردازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ: (۱۴) اور ''داستان گو'' صاحب نے ''الاخبار الطوال'' کے حوالہ سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

> راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ملے پوچھا کہاں جا رہے ہو، جواب دیا مکہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آیئے گا۔ (اخبار الطوال) (داستانِ کربلا ص۲۳)

وہ ''الاخبار الطوال'' میں کہاں ہے تصحیح نقل کرنا چاہیے۔ ہمارے پیش نظر ''الاخبار الطوال'' کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۶۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبدالمنعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر ''داستان گو'' صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔

صحابی رسول حضرت سلیمان بن صردؓ پر طعن: (۱۵) اور یہ جو" داستان نوصاحب نے" الاخبار الطوال" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

" کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کئے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں، تو انھوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؓ کو بھیجا کہ

" آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے"

الخ (" داستان کربلا" ص ۲۴)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر" البدویہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں۔

وقد كان سليمان بن صرد النخراعي[1] اصحابياً جليلاً نبيلاً عابداً زاهداً، روى من النبى صلى الله عليه وسلم احاديث فى الصحيحين وغيرهما وشهد مع على الصفين (ج ۸) ص ۲۵۵)

حضرت سلیمان بن صرد خزاعی[2] رضی اللہ عنہ جلیل القدر صاحب فضل وکمال، عابد وزاہد صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ موجود تھے۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی سے" الخزاعی" کی بجائے" الخزرجی" چھپ گیا ہے۔

[2] محمود احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان بن صرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو وہ" سبائی لیڈر" بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مری کو جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہ وتابعین کا قتل عام ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا" معمر صحابی" حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے ہیں تو بجائے" مسلم" کے اس کو" مسرف" یا" مجرم" کے برے لقب سے یاد کرتے

ابن زیاد نے کوفہ میں آ کر جس طرح دار گیر شروع کر رکھی تھی اور خوف ودہشت کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کردی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین کو بھی بروقت علم نہ ہوسکا وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشقیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کرڈالیں گے، جیسے کہ خود اہل مدینہ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کردیے جانے کا خیال بھی نہ تھا، بہرحال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوا خواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

انہی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۶۵ ہجری میں چار ہزار فدائیوں کا لشکر لے کر خون حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے، یہ لشکر تاریخ میں "توابین" کے نام سے موسوم ہے، امیر التوابین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ "عین الوردہ" کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولی ۶۵ ہجری کو عبیداللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا، تیسرے روز ۲۴ جمادی الاول کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے جام شہادت نوش کیا، اس وقت ان کی عمر ترانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لئے لکھا تھا، مگر ناصبیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "جمہرۃ انساب العرب" میں رقمطراز ہیں۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے مروان نے اپنی	والنعمان بن بشير اول مولود ولدفي الانصار بعد الهجرة، افتتح مروان دولتهٗ بقتله و سيق

سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا، اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی نہ ہو۔

الیہ رأسہٗ من حمص، رضی اللہ عن النعمانؓ ولا رضی من قاتلہٖ" (ص۲۶۴)

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے ان کو یمن کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت کرلی تھی اور انہوں نے ان کو حمص کا والی بنادیا تھا، اس لیے مروان نے ان سے جنگ کرکے ان کو قتل کرڈالا۔

"داستان گو" صاحب "تواہین" کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان اس وقوعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں۔

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر: (۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

> " خلیفہ یزیدؒ کی وفات سے حضرت مروانؓ کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی مدت بنتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعویٰ خلافت اور خوارج کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ دار گردانا گیا ہو، حالانکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے واقعہ کو چار سال گذر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت کے مدعی تھے۔[۱] رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا اور اس

---

[۱] سابق میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے معاً بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا،...... اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کرلیا اور آخر کار ۶۶ ہجری میں حضرت حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا نعرہ اس نے بلند کیا اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ صرف خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔......

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ نے جس شخص نے بھی مسلمان حکومتوں میں خروجِ وبغاوت کے لئے کمر باندھی اس نے قتل حسین کے نعرہ کو ہی اپنا منشور بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آرہی ہیں، اگرچہ اہل سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہل علم وتحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہر حال یہ ہے کربلا کی سچی اور تاریخی داستان'' (''داستان کربلا'' ص۲۶ تا ۲۹)

ہم اس کھلی ہوئی افتراء پردازی پر جس کو احمد حسین کمال '' سچی اور تاریخی داستان'' بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہل سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جاسکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے بد اعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ

آپ کے ساتھ کوفی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہم کاب تھے اور جنہوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدان کربلا میں شربت شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خون ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اسکی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری "امت مسلمہ" مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برابر کہتی چلی آتی ہے، اس جرات کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا۔ یہ الف لیلہ کی کہانی نہیں، سبط پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حضرت علیؓ وحسینؓ کی تحقیر وتوہین: (۱۷) "داستان کربلا" لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو" صاحب کو اپنی داستان واقعات کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھے، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کیے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آل رسول علی الصلوٰۃ والسلام پر تبرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو" صاحب تو ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے حادثہ کربلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر وتوہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر لعن وطنز کیا ہے چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں۔

'' ان شیعان علی نے حضرت علیؓ کو کبھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعان حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، نہروان پر حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کی حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؓ کی موت واقع ہوگئی''

('' داستان کربلا'' ص ۱۳)

خاک بدہن گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد، نہیں علم نبوی کے حامل نہیں، فراست دینی سے بہرور نہیں فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض نرے ناداں تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جوان شیعوں کے کہنے میں آ کر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جالڑے اور کبھی ان کے بہکانے سے جناب معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاں ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان نواصب کے پیش رو ''شیعان علی'' تھے، جن کی تقلید میں '' مجلس عثمان غنی'' نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلامی دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے '' داستان گو'' کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق '' شیعان علی'' کا ایک فرد تھا ماشاء اللہ کیا کہنے اس داستان گوئی کے، داستان ہوتو ایسی ہو کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت: (۱۸) اور سنیے کیا نئی دریافت ہے۔'' دراصل یہ شیعان علی ، قاتلان عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہوگیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور

خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرا کر کوفہ لے آیا اور بجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہؓ سے جا لڑا یام جب حضرت علیؓ نے چاہا کہ صلح وصفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعان علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کردی اور بالآخر سازش کر کے ایک ان حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان بر نہ ہو سکے۔" (داستان کربلا ص ۱۵)

(ا) معلوم ہوا، خاک بدہن گستاخ (ونعوذ باللہ من ھذہ الخرافات)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ" ان شیعان علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ" مجلس عثمان غنی" کے ناصبیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کردیں" داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہل تشیع کے جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈھ ڈھونڈ کر ان کی خلافت کے باری میں یہ مضریات ومکذوبات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپرد قلم فرما دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان ناصبیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعان علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلان عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چمٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کرایا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر باد کہہ

دیا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر باد کہہ دیا

اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ "شیعان علی قاتلان عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بروقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب "صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو وہاں آ کر لڑنے لگے، گویا با اختیار خلیفہ نہیں بلکہ ان "شیعان علی قاتلان عثمان" کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ (معاذ اللہ من ہذہ الاکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ "صلح صفائی" کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان "شیعان علی" نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے" "خوارج" کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکین "مجلس عثمان غنی" کے بڑے بھائی تھے۔ یہ ناصبی تو صرف حضرت ممدوح کی تحمیق و تجہیل پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے، لہٰذا "مجلس عثمان غنی" کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جا سکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان ان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے "مجلس عثمان غنی" کے یہ بدباطن ناصبی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کو تردید سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی: (۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "داستان گو" صاحب نے جو داستان سرائی کی ہے وہ

ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؓ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کردی، آپ کی اہانت کی۔ آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، جسم پر سے کپڑے تک نوچ کر اتار لیے حتی کہ گھر میں عورتوں کے سامان ولباس تک پر دست درازیاں کیں، بالآخر حضرت حسن نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ ان "قاتلان عثمان" سے جو "شیعان علی" بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی اور شرارت باز نہیں آتے ہیں نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنادیا جائے تاکہ "قاتلان عثمان" کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت کو بچائیں۔" (داستان کربلا ص ۱۵،۱۶) -

حضرت علی کے بعد یہ ہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؓ کا جانشین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کردی اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسن نے ان کے اس طرز عمل سے بددل ومایوس اور بیزار ہوکر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حسین اور اپنے تمام اہل

خاندان سمیت بیعت کرلی۔ (داستان کربلا ص ۱۳)

معلوم ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی ''قاتلان عثمان شیعان علی'' ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کردیں، اہل سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں حضرات کو خلیفہ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

نیز جس طرح ان ''قاتلان عثمان شیعان علی'' نے نعوذ باللہ دروغ برگردن گستاخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلہ بنانا چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نکلے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہٰذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک یہی راہ سمجھ میں آئی کہ

''حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے انھیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلان عثمان کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور انکی شرانگیزیوں سے امت کو بچائیں''

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی مرتضی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کا اس ناصبی ''داستان گو'' نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کردیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ ومحترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ ناصبی صاحبوان ہیں، ان ''قاتلان عثمان شیعان علی'' ہی کے نامہ اعمال میں درج کردیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد

سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحمیق: (۲۰) بہر حال ’’داستان گو‘‘ صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور ’’قاتلان عثمان‘‘ کے ورغلانے میں آ کر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل ’’داستان گو‘‘ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے۔

’’حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی جوانی کا عہد گذر گیا تھا اور بڑھاپا آ چکا تھا حضرت حسین اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعان علی نے ان کے والد حضرت علی کے ساتھ کیا تھا...... حضرت علی کے بعد یہ ہی سلوک ان شیعان نے حضرت حسنؓ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص۱۲، ۱۳)

حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آ رہے تھے، قاتلان عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) ’’قاتلین عثمان‘‘ کے گروہ کے نرغہ سے جو اپنے آپ کو ’’شیعان علی‘‘ کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہل خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے۔‘‘ (ص ۱۹)

لیکن ’’قاتلین عثمان‘‘ مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علی کے اہل خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اکسانے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر ...... اپنے بیٹے یزید کے لئے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے ’’قاتلان عثمان‘‘ کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؓ سے خفیہ ملاقاتوں کا

سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آآ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ص۲۰،۲۱)

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ کی وفات ہوگئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص۲۲) کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسینؓ، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انھوں نے اس مضمون کا خط حضرت حسین کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص۲۳) حضرت حسین کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے۔ (ص۲۴)

غرض جناب ''داستان گو'' صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود ان قاتلان عثمان کے ورغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح ''قاتلین عثمان'' کے گروہ کے نرغہ سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر یزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو ''داستان گو'' صاحب مسلمانوں کو'' داستان کربلا'' لکھ کر دینا چاہتے ہیں۔

قاتلانِ عثمانؓ کے بارے میں ضروری تنقیح: (۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ''داستان گو'' صاحب بار بار ''قاتلان عثمان'' کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا الو سیدھا کریں۔ یاد رہے کہ وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی المناک شہادت کے سانحہ نے امت مسلم کو دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ایک حصہ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلین عثمان مل جل گئے تھے اور انھیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کاروائیوں میں مصروف تھے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ یہ ہی تھی" ("داستان کربلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملہ پر غور کیجئے، قاتلان عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں "قاتلان عثمان" ہیں کون؟ "کیا وہ چند شر پسند جو آس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا تھا" یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کررہے تھے ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہونے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں "پنج تن" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان پانچویں قاتلوں کے نام "داستان گو" صاحب نے یہ لکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی بکر (۲) کنانہ بن بشر (۳) غافقی

(۴) عمرو بن حمق (۵) سودان بن حمران

۱؎ ملاحظہ ہو "داستان گو" صاحب کا "مجلس عثمان غنی" سے شائع کردہ پہلا کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے"؟ (ص ۷، ۸)

بعد کو'' داستان گو'' صاحب نے کلثوم بن تجیب نامی ایک اور شخص کو بھی قاتل لکھا ہے! لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی '' پنجتن'' کی پھبتی غلط ہوجائے گی کیوں کہ ان قاتل '' پنجتن'' کی بجائے '' شش تن'' بن جائیں گے۔ بہرحال ان نامرادگان میں حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈاڑھی ضرور پکڑی تھی، لیکن جب حضرت ممدوح نے یہ فرمایا کہ بھیتجے! اگر تمہارے باپ زند ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سننے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ ناصبی اپنے امام یزید اور مروان کو تو ہرطرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکورہ ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لے پالک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر '' قتل عثمان'' کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، ناصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے '' خال المؤمنین'' کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی '' خال المؤمنین'' کیا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تجیبی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔[۱] اب صرف غافقی اور کنانہ بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے بعد کو یہ بھی قتل ہوئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلان عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔[۲]

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن وقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربار خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجود تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کاروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علی کان معذوراً فی ترک قتلۃ عثمان لان شروط الاستیفاء لم توجد. (منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳)	حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے کیوں کہ قصاص لینے کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں۔

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔

اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آ جانے کے بعد

---

۱ ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایۃ" ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹

۲ ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایۃ" ج ۷ ص ۱۸۸، ۱۸۹

ان کو بغاوت کی پاداش میں سزانہیں دی جائے گی، نیز آغاز بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان ومال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی فہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فساد وبغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہوگئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کی کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفہ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنگی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آگئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالاخانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پا کر رات کے اندھیرے میں فرار ہوگئے بعدازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مدینہ کے تمام مہاجرین وانصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کرلی، بغاوت فرو ہوجانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا فقہاء کے تصریح کی ہے۔

توبة الباغی بمنزلة الاسلام من العربی فی افادة العصمة والحرمة (البحر الرائق شرح کنز قائق، باب البغاة)

جان ومال کی حفاظت اور ان کے احترام کے سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے (کہ اب دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا)

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرات مہاجرین وانصار نے آپ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت تو درحقیقت اسی روز متعین ہوگیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کردیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ''حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس منصب جلیلہ کے لئے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہٰذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے کے لئے اپنی رضا مندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری ''الفصل فی الملک والاھور والنحل'' میں فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعی الی نفسہ بعد قل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارعت طوائف والمھاجرین والانصار الی بیعتہ. (ج ۴ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا اظہار فرمایا تو مہاجرین وانصار جوق درجوق آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔

اور پھر اپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات مہاجرین وانصار نے جس جان نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

اذ دعا الی نفسہ فقامت معہٗ

جیسے ہی جناب علی مرتضیٰؓ نے اپنی

طوائف من المسلمین عظیمة وبذلوا دماء هم دونهٗ، دراٰہ حینئذ صاحب الا والا ولی بالحق ممن نازعه (ج۴ص۹۷)

طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتیں آپ کی ساتھ ساتھ کھڑی ہوئیں اور آپ پر اپنی جانیں قربان کردیں، یہ سب حضرات اس وقت آپ ہی کو اپنا امیر مانتے اور جو لوگ آپ سے برسرِ نزاع تھے ان کے مقابلے میں آپ ہی کو حق پر جانتے تھے۔

اور آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

الذین بایعوه ذلک اذصار الحق حقه، وقتلوا انفسهم دونهٗ (ج۴ص۱۰۱)

وہ حضرات جنہوں نے شہادت عثمان کے بعد آپ سے بیعت کی جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور پھر آپ کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں۔

یہی حضرات مہاجرین وانصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء وجان نثار تھے جن کو یہ ناصبی "شیعان علی" اور "قاتلین عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں:

(۲۲) رہا "شیعان علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل لسنۃ والجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں یہی آپ کی نسبت روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمایئے، تصوف اسلامی کے اکثر وبیشتر سلسلے حضرت ممدوح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دارومدار زیادہ تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے اہل سنت کی کتب احادیث میں تمام خلفاء راشدین سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔ غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعان علی" کہتے ہیں محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا،

نہ آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف سے کوئی تعلق تاریخ میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تحفہ اثناعشریہ مولفہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرنی چاہیے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔ [1]

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں، رافضی، تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو غاصب خلافت سمجھ کر اس پر سب وشتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام معصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی اور تفصیلی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانہ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں دور میں پیدا ہوئے تھے اور نواصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان سب گمراہ فرقوں کی ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن تیمیہ کی زبان سے سنیے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تحفہ اثناعشریہ ص۴) اور (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں)

شیعہ حقیقی مرتضی علی اہل سنت وجماعت اند کہ بروش آنجناب میروند باکسے بدنیتند وہر ایک را بہ نیکی یا دی کنندہ دور عقائد واعمال اتباع قرآن وحدیث وسیرت آنجناب مینمانید" حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت وجماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برے نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد واعمال میں قرآن وحدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں" واضح رہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کے ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے" حضرت علی کی جماعت" اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے نہ کہ "روافض" کی ان کو "شیعان علی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے جو الامہ کو مومن کہنا یا خاکروب کو حلال خور۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف الشیعة الثلاثة، فانهُ حرق الغالیة الذین اعتقدوا الالھیته بالنار، وطلب قتل ابن سبار لما بلغه انه یسب ابابکر و عمر فھرب منه، وروی عنه انه قال لا اوتی باحد یفضلنی علی ابی بکر وعمر الا جلدته حد المفتری، وقد تواتر عنه انه قال خیر ھذه الامة بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ولھذا کان اصحابه الشیعة متفقین علی تفضیل ابی بکر وعمر علیه. (فتوی ابن تیمیہ ص ۲۹)[1]

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے شیعوں کی ان تینوں پارٹیوں کو سزا دی چنانچہ غالی پارٹی کو جو آپ کی "الوہیت" کی قائل تھی نذر آتش کیا، اور ابن سباء کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لئے طلب فرمایا، لیکن وہ فرار ہوگیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہو تو میں اس کو مفتری کی حد (اسی کوڑے) لگاؤں گا" اور یہ روایت تو آپ سے بہ تواتر ثابت ہی کہ آپ نے ارشاد فرمایا" اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر میں اور پھر عمر اسی لیے آپ کے شیعہ اصحاب (مخلص رفقاء، یعنی اہل سنت) اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

---

[1] واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین مسجد نے ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا "المجمع العلمی دمشق کے شمارہ ۳۸ جز ثالث و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ ابن تیمیہ اکیڈیمی کراچی" نے ۱۹۶۴ء میں "یزید بن معاویہ ابن تیمیہ" کے نام سے شائع کیا ہے اس فتویٰ کے مترجم جناب ڈ۔ جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

فلما قتل عثمان وتفرق الناس ظهر اهل البدع والفجور، وحينئذ ظهرت الخوارج فكفروا علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما حتی قاتلهم امیر المؤمنین علی بن ابی طالب طاعة لله ورسوله وجهاداً فی سبیله، واتفق والصحابة علی قتالهم لم یختلفوا فی ذلک کما اختلفوا فی الجمل وصفین (ص ۴۸)۔

پھر جب حضرت عثمانؓ شہید کردیے گئے اور لوگوں میں افتراق پیدا ہوا تو اہل بدعت و فجور کا ظہور ہوا اور اسی زمانہ میں خوارج بھی ظاہر ہوئے جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمانؓ اور ان کے محبین کی تکفیر کی تا آنکہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، سارے صحابہ ان خوارج سے قتال پر متفق تھے، جنگ جمل وصفین کی طرح اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔

بہر حال حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعان علیؓ" کا کوئی دخل نہ تھا۔ ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی واقعی عظمت وقدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، ناصبیوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے اور ان نام نہاد "شیعان علیؓ" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ناصبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراط مستقیم پر حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھئے اور "داستان گو" کے بار بار "قاتلانِ عثمان" اور "شیعان علیؓ" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھایئے، اس کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ

فریبی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی ''داستان گو'' صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ''ان شیعان علی'' نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا'' سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کی تھیں وہ امام راشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں کیا ہے، حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیے، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوان کو جاتے دیکھا تو یہ بھی فورا میدان جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنہ میں ایسا تیرا مارا کہ ان کا کام تمام ہوگیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہوجانے پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہوجاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں ۲ احادیث متواتر میں، '' فئہ باغیہ'' کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی '' باغی جماعت'' کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے اہل جمل تھے یا پھر ان سے دانستہ یا نادانستہ طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ '' بغاۃ شام'' بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسر حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر پھر اس میں یہ تاثر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے شیعان کے ہاتھ

میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض بکواس ہے۔ حافظ ابن تیمیہ، منہا السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدح رجل فی علی بن ابی طالب بانہٗ قاتل معاویۃ و اصحابہٗ و قاتل طلحۃ و الزبیر لقیل لہ علی بن ابی طالب افضل و اولی بالعلم و العدل من الذین قاتلوہ فلا یجوز ان یجعل الذین قاتلوہ ھم العادلین و ھو ظالم لھم۔

(منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعہ و القدریہ ج ۳ ص ۱۹۰ طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اگر کوئی شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں قدح کرنے لگے کہ انہوں نے معاویہ اور ان کے اصحاب سے قتال کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی جنگ کی تو اس سے کہا جائے گا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ علم اور عدل کے اعتبار سے ان تمام لوگوں سے جو ان سے برسرِ جنگ ہوئے افضل و اعلیٰ تھے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جنہوں نے حضرت علی سے قتال کیا، بس وہی عادل ٹھہریں اور حضرت علی ظالم۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

و ہمیں است مذہب اہل سنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود برحق بود و مصیب و مخالفانِ او ر برغیر حق و مخطی۔

(ص ۲۱۹ طبع نول کشور لکھنو ۱۳۲۵ھ)

اور اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور صواب پر اور آپ کے مخالف ناحق پر اور خطا کار۔

ناصبی جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں خوارج کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

و یخرجون علیٰ خیر فرقہ من الناس قال ابو سعید اشھد انی سمعت ھذا الحدیث من رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم و اشھد ان عبی بن ابی طالب قاتلھم و انا معہٗ.
(الفصل الاوّل ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپ کے ہمراہ تھا۔

حضرت حسن کے بارے میں افتراء پردازی: (۲۳) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا ''داستان گو'' نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے ''الفصل فی الملل والا ہوا والنحل'' میں تصریح کی ہے کہ

و مع الحسن ازید من مائۃ الف عنان یموتون دونہٗ.
(ج ۴ ص ۱۰۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا کرنے کو تیار تھے۔

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں اس حدیث شریف کے ذیل میں جس میں یہ مذکور ہے کہ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسر منبر ارشاد فرمایا:

ابنی ھذا سید، و لعل اللّٰہ ان یصلح بہٖ بین فئتین من المسلمین.
(ج ۱۳ ص ۵۷)

میرا یہ بیٹا ''سید'' ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے گا۔

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فی هٰذہ القصة من الفوائد، علم من اعلام النبوة، و منقبة للحسن بن علی فانهٔ ترک الملک لا لقلة ولا لذلة ولا لعلة بل لرغبة فیما عند الله، لما رأه من حقن دماء المسلمین فراعی أمر الدین و مصلحة الامة.

(ج ۱۳ ص ۵۷)

اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے (کہ آپ کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا) دوسرے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبت معلوم ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی ذلت کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصۃً بوجہ اللہ سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون ریزی سے بچ جائیں گے، لہٰذا آپ نے دین اور مصلحت امت کی رعایت فرمائی۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرۂ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے یہ بھی واضح ہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی کو غلطی ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف ''الخطط والآثار'' میں اہل سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والائمة مترتبون فی الفضل ترتبهم فی الامامة، ولا اقول

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس

فی عائشة و طلحة و الزبير رضي الله عنهم الا انهم رجعوا عنالخطاء، و اقول ان طلحة و الزبير من العشرة المبشرين بالجنة، و اقول فی معاوية و عمرو بن العاص انهما بغيا علی الامام الحق علی بن ابی طالب رضی الله عنهم فقاتلهم مقاتلة اهل البغی و اقول ان اهل النهروان الشراة هم المارقون من الدين و ان عليًا رضی الله عنه كان علی الحق فی جميع احواله، و الحق معهٗ حيث دار.

(ج ۲ ص ۳۶۰ طبع بولاق مصر ۱۲۷۰ھ)

منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں، میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو جیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ "مجلس عثمان غنی" کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے روافض کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا، یہ دونوں کتابچے

(۱) شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے (۲) داستان کربلا" کذب کا مرقع ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت و الجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضی سے افضل مانتے ہین، ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں۔ اس لیے ہم ان پر طعن و تشنیع کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، جس طرح روافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرا کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آل علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لیے ہم ناصبی ہیں۔ تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں ذرا شرمانے اور جھجکنے کی کوئی بات نہیں جرأت کی ضرورت ہے، اعلانیہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اس کو اپنا "امام و شیخ الاسلام" سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہٰذا ہمیں اسی نام سے جاننا اور پہچاننا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرأت کے ساتھ برملا اپنے تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کرتوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں مشکوۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب الایمان بالقدر" کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

من عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ　　　　حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ

عنها قالت قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ستة لعنتهم و لعنهم اللّٰہ و کل نبی یجاب، الزائد فی کتاب اللّٰہ، و المکذب بقدر اللّٰہ و المتسلّط بالجبروت لیعز من اذلهٔ اللّٰہ و یذل من اعزه اللّٰہ والمستحل لحرم اللّٰہ والمستحل من عترتی ما حرم اللّٰہ و التارک لسنتی رواه البیهقی فی المدخل و رزین فی کتابه. (ص ۲۲)

عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوت ہوتا ہے (یہ چھ شخص یہ ہیں) اول وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، دوسرے وہ جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو جبر وظلم سے مخلوق خدا پر مسلط ہو جائے تا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عزت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے رکھی ہے چھٹے وہ جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث رزین عبدری نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اب ذرا یزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں بہت سی لعنتی باتیں جمع ہوگئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بہ تواتر ثابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم وستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا۔ اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی بلکہ

حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ بخدا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و مہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت کا یہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں "باب الکرامات" میں منقول ہے۔

و عن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان ایام الحرقة لم یؤذّن فی مسجد النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم ثلاثا و لم یُقم. ولم یبرح سعید بن المسیب المسجد و کان لا یعرف وقت الصلوة الا بهمهمة یسمعها عن قبر النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم.

حضرت سعید بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ فتنہ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت سعید بن المسیب تھے جو مسجد ہی میں رہے، یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر اس ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے وہ سنا کرتے تھے اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

(رواہ الدارمی ص ۵۴۵)

(۳) اور عزت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک میں ملایا وہ تو زبان زدِ خاص و عام ہے، یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب "تاریخ الخلفاء" میں کربلاء کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن اللّٰه قاتله و ابن زیاد معهٗ و یزید ایضاً.

(ص ۸۰ طبع میمنیہ ۱۳۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد پر اور یزید پر بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیری سی کوشش کو شرفِ

قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت وصحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ　　که برقول ایمان کنم خاتمہ

الحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم

محمد عبدالرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ ہجری

فہرست مضامین

یزید کی شخصیت

اہلِ سنت کی نظر میں

ناصبیوں کے
۱۲ شبہات کے جوابات

از

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

ناشر:
مکتبہ سید احمد شہید
10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: 7223[illegible]62-7228[illegible]72-7228196

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا اَمَّا بَعۡدُ

حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس قابل ہوئے کہ اس کتاب کی چوتھی اشاعت ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ اللہ عزوجل سے بصد عجز ونیاز یہ دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ''ناصبیت'' کے اس تازہ فتنے کا قلع قمع فرمائے جو خاندان نبوت اور عترت پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات سے مسلمانوں کی عقیدت کو مجروح کرنے، اور تاریخ اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔

ناظرین سے ہماری بس اتنی استدعا ہے کہ جو کتاب بھی ہم شائع کریں اس کا ٹھنڈے دل سے مکرر سہ کرر بغور مطالعہ کرکے فیصلہ کریں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حق ہے یا نہیں، اور پھر اگر مطالعہ کے بعد آپ کا دل خود اس امر کی گواہی دے کہ یہ حق کی دعوت ہے، تو اس دعوت کو عام کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں، کتاب کو خود خریدیں استطاعت ہو تو اس کے مزید نسخے خرید کر دوست احباب کو ہدیہ کریں۔ خاص طور پر اپنی مسجد کے خطیب اور امام صاحب کو اس کا نسخہ پیش کریں ورنہ خود پڑھیں اور دوسروں کو اس کے پڑھنے کی دعوت دیں۔

اس اشاعت کی کتابت از سر نو کرائی گئی ہے۔ کاغذ وکتاب اور طباعت کے مصارف بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے کتاب کی قیمت نہایت ہی مناسب رکھی ہے تاکہ ہر آدمی اس کو خرید کر پڑھ سکے۔

آخر میں اللہ رب العزت کی جناب میں عرض ہے کہ اپنی بارگاہ سے اس کے مصنف وناشر اور ان کے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ — ناچیز مظفر لطیف عفی عنہ

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء فون: ۴۲۱۹۸۷ — ابن محمد عبدالرحیم خاطر رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت کیلئے لمحہ فکریہ

حامدًا ومُصلیاً ومُسلماً، امابعد

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۴۵٦ھ نے شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حادثہ کربلا، واقعہ حرہ، حصار کعبہ وقتل ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان چاروں جان گسل واقعات کو اسلام کے چار رخنوں سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرکز کا احترام ختم ہوا، اور خلافت کا رعب داب اُٹھ گیا، حادثہ کربلا سے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت خاک میں ملی، واقعہ حرہ سے "مدینۃ الرسولؐ" کی بے حرمتی ہوئی، قتل ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کعبہ کی عزت کو داغ لگا۔ غرض ان چاروں ہنگاموں میں ناحق کوشوں نے وہ قیامت برپا کی کہ خدا کی پناہ، خلیفۃ الرسول، عترت پیغمبر اور اصحاب نبی سب کا بے دریغ خون بہایا، اور حرم نبی، خانہ کعبہ جملہ شائرِ اسلام کی عظمت کا ذرہ برابر پاس ولحاظ نہیں کیا۔

ان چاروں حادثات کے بارے میں ناصبیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں اور حادثہ کربلا کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور واقعہ حرہ کا ان صحابہ کرام کو جنہوں نے یزید کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور حصار کعبہ کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ادعاء خلافت کو، شیعہ مروانیہ کا ایمان وعقیدہ یہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفیہ راشد نہیں بلکہ خلافت کے غاصب تھے اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو حادثہ حرہ اور حصار کعبہ کے خونی ہنگاموں میں یزید اور عبدالملک بن مروان کی تیغ ستم کا نشانہ بنے شہید نہیں۔ بلکہ خلافت کے باغی تھے جو اپنی بغاوت کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے۔ شیعہ مروانیہ کا یہ نظریہ مروانیوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصں ہو گیا تھا۔ لیکن محمود

احمد عباسی نے کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' لکھ کر اس فتنہ کو پھر نئے سرے سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ ''ناصبیت'' کا پیدا ہوگیا ہے جس سے اب تک ہندوپاک کی سرزمین یکسر پاک تھی۔ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور اب تو بہت سے حلقوں میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کتاب سرتا سر فریب، خداع، تلبیس اور کذب وافتراء کا مرقع ہے۔ اس نام نہاد تاریخی ریسرچ کے چار مآخذ ہیں۔

(۱) متشرقین کی تصریحات، جن کو مؤلف جابجا آزاد اور بے لاگ محققین کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اور ہر باب میں ان کے اقوال کو قول فیصل سمجھتے ہیں۔

(۲) شیعہ مورخین جن کے کذب وافتراء کا جابجا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود مولف ہر جگہ ان سے اپنے مطلب کی بات کہیں ان کی عبارت میں قطع وبرید کرکے اور کہیں بغیر اس کے ہی لے لیتے ہیں۔

(۳) بعض وہ مصنفین جن پر ناصبیت کا الزام ہے اور وہ اہل بیت سے انحراف رکھتے ہیں۔

(۴) خود اپنی دماغی، اُپج جس میں مولف بڑی دور دور کی کوڑی لاتے ہیں، اور ایسی ایسی بات اپنے دل سے گڑھتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران وششدر رہ جائے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اہل سنت میں سے کسی محقق عالم کے قول کو کہیں بھی اثبات مدعا کے لئے مؤلف نے اپنے اصلی رنگ میں پیش نہیں کیا بلکہ ہر جگہ ابلہ فریبی سے کام لے کر ''ناصبیت'' کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس ملک میں رفض کا فتنہ قدیم سے

تھا۔ باطنیہ اسماعیلیہ اور امامیہ سب سے پہلے سے موجود تھے البتہ خوارج ونواصب کا ڈھونڈے سے بھی پتہ نہ تھا، لیکن عباسی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اہل سنت میں ناصبیت کا تازہ فتنہ کھڑا کردیا ہے۔ اب بہت سے لوگ ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اور یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خاطی وغلط کار سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب سے سوائے ضرر کے فائدہ کوئی مرتب نہ ہوا، روافض تو اپنی جگہ اور سخت ہوگئے لیکن اہل سنت کے اعتدال میں فرق آ گیا بہت سے لوگ حضرت علی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں شک کرنے لگے۔ آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جاسکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہوگیا ہو، لیکن اس کے برخلاف اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی نکلے گی جو اس جھوٹ کے پلندہ کو صحیح سمجھ کر حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے اپنے دلوں کو صاف نہ رکھ سکے۔ اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں اچھے خاصے پڑھے لکھے طبقہ کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں، جن لوگوں کی دسترس موضوع کتاب کے اصل ماخذ تک نہیں وہ اس کو تحقیق اور ریسرچ کا ایک نادر شاہکار سمجھتے ہیں، اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس بات کا اب مسلمان من حیث القوم علوم اسلامیہ سے نابلد ہوگئے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی شخص بھی اپنے کسی غلط نظریے کو ذرا نئے انداز سے بنا سجا کر پیش کردیتا ہے یہ اس کے ہوجاتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے جو شخص عربی، فارسی کی معمولی عبارتوں کے صحیح ترجے نہ کرسکے۔ کتابوں کے غلط حوالے دے۔ مصنفین کی عبارتوں کو اپنے مفید مطلب بنانے کے لئے غلط معنے پہنائے اور ان میں قطع وبرید سے کام لے، ایسے شخص کا پیش کردہ کوئی نظریہ کس درجہ قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ روافض کے سب وشتم سے لوگ تنگ آئے ہوئے تھے ایسے میں یہ کتاب شائع ہوئی جس میں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے موقف پر اس سے کہیں زیادہ سلجھے ہوئے اور سنجیدہ انداز میں جرح کی گئی تھی جو روافض کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے موقف کو مجروح کرنے میں عام روش ہے۔ اس لئے ردعمل کے طور پر بہت سے لوگ عباسی صاحب کے اس طرز عمل سے متاثر ہوئے بغیر نہ سکے۔ حالانکہ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور جو لوگ ان سے برسرِ جنگ رہے وہ خطا پر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کرکے غلطی کی اور وہ خلفیہ راشد نہ تھے، ان کا بیٹا یزید ظالم وجابر حکمران تھا اور حضرت، حسینؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور وہ تمام صحابہ کرام جو جنگ حرہ میں شہید ہوئے اور جنہوں نے یزید کے تسلط واقتدار کو برہم کرنے کی کوشش کی وہ سب حق کے داعی اور خیر کے علمبردار تھے۔ مگر اس کتاب کی تصنیف صرف ان ہی امور کی تردید کے لئے عمل میں آئی ہے، اور اس کے مطالعہ سے اہل سنت کا یہ نقطہ نظر صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے اور یہی ناصبیت کا عین منشا ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ناصبیت کے پرچارک شیعہ مروانیہ نے تو اپنی بدعت کی اشاعت کے لئے کراچی اور لاہور میں مستقل ادارے بنا رکھے ہیں اور سارے ذخیرہ احادیث اور تاریخ اسلام کے اثرات کو ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے ہیں مگر اہل سنت وجماعت کہ صحابہ اور خاندان رسالت دونوں کی تعظیم وتوقیر ان کا جزو ایمان ہے وہ اس فتنہ کے سد باب کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

محمد عبدالرشید نعمانی

سہ شنبہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

حامدًا ومصلّیاً ومُسلّماً، امّابعد

"یزید" بھلا آدمی تھا یا برا، وہ خلیفہ عادل تھا یا ظالم وجابر فرمانروا اس کا ایمان پر خاتمہ ہوا یا کفر پر، اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا اس نے حکم دیا یا نہیں، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف خروج کر کے بغاوت کی تھی یا انکا یہ اقدام سراسر شرع کے حکم کے مطابق تھا۔ یزید نے مدینہ نبوی اور حرام الٰہی کی حرمت کو پامال کیا یا نہیں، صحابہ وتابعین کی ایک خلقت کا اس کے ہاتھوں قتل عام ہوا یا نہیں، یہ اور اس قسم کے دیگر مباحث ظاہر ہے کہ ان کو عملی زندگی سے دور کا بھی تعلق نہیں، یہ خالص نظریاتی مسائل ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض لوگ ہماری اس کوشش کو تحسین کی نظر سے نہ دیکھیں اور اس کو مفت کا ضیاع وقت خیال کریں۔

لیکن ایک دوسری حیثیت سے اگر اس کو دیکھا جائے تو ہمارے اس کام کی اہمیت بہت ہی بڑھ جاتی ہے وہ یہ کہ اگر بالفرض یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ "یزید ایک صالح مسلمان اور خلیفہ عادل بھی تھا" تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی تاریخ کو محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ الٹا اُس کو مسخ کر دیا، یزید جیسے صالح مسلمان اور خلیفہ عادل کے کردار کو ایسا گھناؤنا کر کے پیش کیا کہ وہ شیطان مجسم نظر آنے لگا۔

یاد رہے یزید کا دور صحابہ وتابعین کا دور ہے۔ اس لئے اس دور کی تاریخ کا ایک ایک واقعہ بسند قلمبند کیا گیا ہے، وہ عام تاریخ کی طرح نہیں کہ جس میں سند کا التزام نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض وقائع نگاروں کے قلم کی مرہون منت ہوتی ہے۔ طبقات صحابہ وتابعین پر بیسوں کتابیں لکھی گئی ہیں، سارے علم اسماء الرجال کا

درومداران ہی کتب طبقات پر ہے۔ اگر یہی کتابیں بے اعتبار ٹھیریں تو پھر حدیث کی ساری کتابوں کو دریا برد کرنا پڑیگا کیونکہ ان کی صحت وضعف کادارومداران ہی کتب طبقات پر ہے کہ ان ہی کتب میں راویوں کے احوال مذکور ہیں اگر یہی بے اعتبار قرار پائیں تو پھر یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں شخص صحابی ہے اور فلاں نہیں، اور فلاں تابعی ہے اور فلاں نہیں، اور فلاں سچا اور لائق اعتبار تھا اور فلاں کذاب اور دجال، جب یزید جیسے خلیفہ عادل کا ان کتابوں میں حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا اور فیصلہ کردیا گیا کہ ''وہ اس کا اہل ہی نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے۔'' چنانچہ حدیث کی تمام کتابیں اس کی روایت سے یکسر خالی ہیں اور اگر کہیں ایک آدھ روایت کسی نے درج بھی کی تو علم اسماء الرجال نے یزید کی نااہلی کا فیصلہ کر کے اس کی روایت کو مردود کردیا۔ غرض سارے محدثین نے اس غریب سے بالکلیہ قطع تعلق کرلیا اور نہ صرف محدثین بلکہ حاملین ملت کے تمام طبقوں میں خواہ وہ مفسرین ہوں یا متکلمین، فقہا ہوں یا صوفیہ اس خلیفہ عال اور صالح مسلمان کو بار نہیں۔ اور یہ تو صرف ایک بیچارے یزید کے ساتھ ہوا معلوم نہیں اور اس جیسے کتنے صالحین ہوں گے جو اس ظلم کی چکی میں پس گئے ہوں گے اور ہم ان کو صالحین کی فہرست سے خارج کر کے زمرۂ شیاطین میں شمار کرتے ہوں گے اور جس طرح یزید کا تاریخ اسلام نے حلیہ بگاڑا ہے اور اسے ایک ظالم وسفاک فاسق وفاجر کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح عین ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اسماء الرجال، ان کی تاریخ اور کتب حدیث وطبقات نے کسی شیطان مجسم کو اس کا نقش ونگار ٹھیک کر کے ہمارے سامنے اس کو ولی اللہ کے روپ میں پیش کردیا ہو یا اسے صحابی، تابعی اور خلیفہ راشد بنادیا ہو کیونکہ جب یزید کے ساتھ ایسا ظلم وستم تاریخ کے ہاتھوں ہوا تو پھر دوسروں پر کیوں نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مان لینے کے بعد پھر اس کالازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی تاریخ سے ہاتھ دھو کر خود اسلام کے اثر پر کلام کیا جائے اور اس کی ساری تعلیم کو غیر محفوظ قرار دیا جائے۔ یہی منکرین حدیث کی اصل

غرض وغایت اور ملحدین کا اصل منشاء ہے۔ کمیونسٹ اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں افتراق اور اشتعال پیدا ہوکر قتل وقتال کا بازار گرم ہو۔ افسوس ہے کہ بعض نادان مولوی جن کو تاریخ کا سرے سے ذوق نہیں ان بے دینوں کی اس سازش کا شکار ہوکر یزید کی حماقت میں سرگرمی دکھا رہے ہیں، اور اس طرح گویا خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

محمود احمد عباسی اس فتنہ کا سربراہ ایک ناخدا ترس اور دین بے زار آدمی تھا۔ جس زمانہ میں وہ چینی سفارت خانہ میں ملازم تھا اس نے اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی۔ اور اب رفتہ رفتہ یہ فتنہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس فتنہ میں مبتلا لوگوں کی جرات یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ وہ آئے دن عباس کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" سے کچھ شبہات نقل کرکے اہل علم کو استفتاء کی صورت میں بھیجتے رہتی ہیں چنانچہ یہ بارہ شبہات بھی اس کی کتاب سے نقل کرکے "بشارت مغفرت کے امین حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اور اس کا جواب" کے نام سے ایک کتابچہ کی شکل میں پہلے مجلس عثمان غنی کراچی نے شائع کئے اور بعد کو "انجمن تحفظ ناموس صحابہؓ لاہور" نے پھر کسی صاحب نے اس کو اپنے ہاتھ سے نقل کرکے "مدرسہ عربیہ بنوری ٹاؤن" کے "دارالافتاء" میں استفتاء کی شکل میں پیش کردیے اور جواب کے طالب ہوئے۔

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان شبہادت کا تحقیقی جواب لکھنے کی توفیق بخشی۔ ہماری اس کاوش سے اگر کسی ایک مسلمان کا بھی ذہن ان شبہات کے خس وخاشاک سے پاک ہوگیا تو ہماری دلی مراد بر آئی اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے کہ

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

یزید کی شخصیت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں علماء اہل سنت میں اس پر تو اتفاق ہے کہ وہ فاسق وظالم تھا، البتہ اختلاف ہے تو اس بارے

میں ہے کہ اسکو کافر قرار دیا جائے یا نہیں اور اس پر لعنت کرنا روا ہے یا اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے۔ اب ایسے شخص کو جنتی بتانا اور اس کی تعریف کے گن گانا ضلالت نہیں تو اور کیا ہے۔

اب پہلے قلمی استفتاء کی پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے اور اس کے بعد بالتفصیل نمبر وار ہر سوال کا جواب پڑھتے جایئے۔ واللہ الھادی

محمد عبدالرشید نعمانی

۶ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ شب جمعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص مندرجہ ذیل حقائق پر مبنی نظریات رکھتا ہے۔

اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مدینۃ الروم قسطنطیہ پر جہاد کرنے والے لشکر کے لئے مغفرت ہے اور امیر یزید مرحوم اس لشکر کے کمانڈر تھے۔ لہٰذا اس مغفرت میں وہ بھی شریک ہیں۔

(الف) قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم اَوَّلُ حبیش مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃ قیصر مغفور لھُمْ ۔[۱]

(ب) قال محمدبن الرّبیع فحد ثتھا قوماً فیھم اَبُو اَیُّوب الانصاری صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عیہ وسلم فی غزوۃ الّتی تَوَفّٰی فیھاد یزید بن مُعاوِیَہ عَلَیْھِمْ بِاَرْضِ الرُّوْم ۔[۲]

دوم: بہت سے صحابہ کرام نے امیر یزید مرحوم سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے منجملہ اُن کے (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۳) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ (۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (٦) وغیرہ ہم، اگر امیر یزید کافر یا فاسق وفاجر اور شرابی وزانی اور دشمن دین ہوتے تو یہ حضرات صحابہ کرامؓ اُن کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہؓ پر کفر وفسق نوازی اور فجور وبددینی کی سرپرستی وتعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔ اور یہ سراسر قرآن کریم کے بیان کردی اس وصف کے خلاف ہے۔ جو جماعت صحابہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ والْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فی قُلُوْبکم وَکَرَّہ اِلَیْکُم

---

[۱] (بخاری شریف جلد ۱۔ص۔۴۱۰)
[۲] (بخاری شریف، ج۱، ص ۱۵۸)

الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ۔[1]

(ج) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امیر یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔ انا قدبایعنا هذاالرجل علی بیع الله ورسوله.[2]

سوم: حضرت محمد بن حنیفہ یعنی محمد بن علی نے نہ صرف امیر موصوف کی بیعت کی بلکہ اُن پر عائد کردہ الزامات شراب نوشی، ترک نماز، حدود الٰہی سے تجاوز کرنا وغیرہ الزامات کی پرزور تردید فرمائی کہ میں خود امیر یزید کے پاس رہا ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ انھیں پابند نماز اور سنت رسول پر مضبوطی سے کاربند بھلائی اور مسائل فقہ کا جویاں پایا۔

(د) وَقَدْحضَرْتَهٗ وَاَقَمْتُ عِنْدَهٗ فَرَاَیْتَهٗ مُوَاظِباً عَلَی الصَّلٰوۃ مُتَحَرِّیًا لِلخیر یسأل عن الفقة ملازماً للسنة.[3] بلکہ آپ نے الزام لگانے والوں سے بحث ومناظرہ کیا۔

(ہ) قدسئل محمدبن الحنفیة فی ذالک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظر هم فی یزید ورد علیهم ما اتهموه من شرب الخمر وترکه بعض الصلوٰت.[4]

چہارم: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، اول تو ان کے لئے دعا کی، اور پھر امیر یزید کو آپ کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کے ساتھ ہی امیر یزید کی بیعت واطاعت کا حکم فرمایا، اور خود بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔

(و) وانّ ابنه یزید لمن صالحی أهلہٖ فالزموا مجالسکم واعطوا

---

[1] سورۂ حجرات، پارہ ۲۶ ۴۹/۷ [2] بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۳

[3] البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۳۳ بحوالہ المنتقی صفحہ ۲۸۱

[4] البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۱۸

اطاعتکم وبیعتکم فمضی فبایع ۔[1]

پنجم: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب والزہد" میں امیر یزید مرحوم ومغفور کا ذکر زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرے میں بیان فرمایا ہے۔ جن کے وعظ وفرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور امیر یزید کے خطبے کے چند جملے بھی نقل کئے ہیں، اور ساتھ ہی اُن لوگوں کو شرم دلائی ہے جو آپ پر شراب نوشی اور فسق وفجور وغیرہ کا اتہام لگاتے ہیں۔

(ز) وھٰذا یدلّ علیٰ عظیم منزلتهٗ عنده حتّی ید خلهٗ فی جملة الزّھاد من بعد الصّحابة والتابعین یقتدی بقولھم ویر عوی من وعظھم ونعم وما أدخله الا فی جملة الصحابة قبل أن یخرج الی ذکر التابعین فأین ھذا من ذکر المؤرّخین لهٗ فی الخمز وانواع الفھور الا یستحیون.[2]

ششم: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر یزید نے نہ تو سید حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا، اور نہ ہی اس پر رضا مند تھے۔ جو شخص ان پر الزام لگائے وہ حددرجہ ابلہ واحمق ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ امیر یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف جائز نہیں۔ بلکہ مستحب ہے اور چونکہ مؤمن تھے۔ اس لئے ہر نماز میں مومنین کی مغفرت والی دعا میں شامل ہیں۔

(ح) واماالترحم علیه فجائز بل ھو مستحب بل ھو داخل فی قولنا فی کل صلوٰة اللھم إغفر للمؤمنین والمؤمنات فانّه کان مؤمناً والله اعلم کتبه الغزالی.[3]

ہفتم: امیر زید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے داماد ہیں کیونکہ سیدہ ام محمدؒ بنت عبداللہ بن جعفر اُن کے نکاح میں

---

[1] بلاذری الامامۃ والسیاسہ، جلد ۱، صفحہ ۲۰۳ [2] العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۳

[3] تاریخ ابن خلقان جلد ۱ صفحہ ۴۶۵

تھیں۔ اس رشتے سے آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیج داماد ہوتے ہیں۔[۱]

ہشتم: سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام مسکینؓ بنت عاصم بھی امیر موصوف کے جبالہء عقد میں تھیں۔ اس رشتہ سے آپ خلیفہ دوم کے پوت داماد ہوتے ہیں۔[۲]

نہم: سیدنا علیؓ بن حسینؓ المعروف بہ زین العابدینؓ کربلا کے واقعہ میں موجود تھے۔ وہاں سے دمشق گئے، اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی، اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ بلکہ واقعہ کربلا سے تین برس بعد واقعہ حرہ کے موقع پر امیر یزید کا حسن سلوک دیکھ کر اُن کے حق میں ان الفاظ میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالی امیر المومنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔[۳]

دہم: واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات میں ہوتی رہیں، اور ان کی اُن میں جس کے ثبوت سے کتب تواریخ وانساب پر ہیں۔

یازدہم: سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا۔ جن کے نامبارک عزائم ومقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے، اور کبھی جنگ جمل اور صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے، حتی کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی توہین وتحقیر سے بھی انھیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن داغدار ہیں، اور جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو تقریباً چار ماہ کی مسلسل کوشش بصورت خطوط ووفود کی بھرمار سے یہ باور کرادیا کہ امیر یزید امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں، بلکہ ملت کی متعد بہ جماعت ان کی خلافت سے مطمئن نہیں، تو اب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا ارادہ فرمایا۔ (۱) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ (۲) عبداللہ بن عمرؓ (۳) عبداللہ بن جعفرؓ (۴) جابر بن عبداللہؓ (۵) ابوواقد اللیثیؓ (۶) محمد بن الحنفیہؒ وغیرہ ہم حضرات نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس ارادہ سے منع فرمایا

[۱] "جمہرة الانساب" ابن حزم [۲] انساب الاشراف، کتاب المعارف [۳] البدایہ، طبقات ابن سعد

کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ دھوکہ بازی کرنے والے کوفیوں کی بات مان کر امت میں افتراق وانتشار کی راہ نہ کھولیں، اور اپنے آپ کو اس ہلاکت انگیز اقدام سے باز رکھیں، لیکن افسوس کہ آپ نے کسی کی نہ مانی، اور کوفیوں کے خطوط اور وفود اور ان کی طلب پر کوفہ روانہ ہوگئے۔ جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان مدعیان وفاداری نے وہی کچھ کیا۔ جو مذکورہ حضرات نے ماضی کی تاریخ کے پیش نظر آپ کو روکتے ہوئے کہا تھا۔ جب آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت وملت متفق ہے جس کے فیصلے وعمل کا استخفاف ممکن نہیں، تو آپ اپنے ارادے سے دست بردار ہوگئے اور پہلے مؤقف سے رجوع فرماکر فوج افسر عمر بن سعد کے ذریعہ گورنر کوفہ کے سامنے تین شرطیں پیش فرمائیں۔

اوّل: مجھے واپس جانے دیا جائے۔

دوم: اسلامی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔

سوم: یا پھر مجھے دمشق بھیج دیا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم (چچا زاد بھائی امیر یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر معاملہ کو اس طرح طے کرلوں۔ جس طرح میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ فاضع یدی فی یدہ۔ [1]

دوازدہم: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اس خروج کو بغاوت کا نام دینا مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اجتہادی سیاسی خطا تھی جس کا صدور ہر بڑے سے بڑے شخص سے ہوسکتا ہے، اور اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور اُن کے جھوٹے دعادی پر اعتماد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے آپ کے خاندان کے چند نفوس کے کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت ہر شہر

---

[1] تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۳۵، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۷۵، ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۴، الاصابہ لابن حجر، ص ۱۷، تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص ۱۴۰، رأس الحسین لابن تیمیہ ص ۲۰ وغیرہم

میں خاصی تعداد اصحاب کرام کی موجود تھا اور اس لئے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حقیقت کھلنے پر امیر یزید کی بیعت خلافت کا اعلان فرما کر وابستگی اختیار فرمائی۔ اب یہ کوئی سبائیوں کی سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا۔ اور امت کو اس عظیم سانحہ اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اب قیامت تک شاید ہی اس سے چھٹکارا مل سکے، الحاصل ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے۔ امیر یزید مرحوم پر لعن وطعن کرنا۔ یا اُن کی تکفیر و تفسیق کرنا کسی طرح مناسب نہیں، اور نہ ہی انھیں واقعہ کربلا کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس عظیم سانحہ جانکاہ کی واحد ذمہ دار کوفہ کی وہ سبائی پارٹی ہے۔ جن پر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مشفقین اور محبین کے خیر خواہانہ مشورے چھوڑ کر اعتماد کیا۔ اب

سوال: یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست یا غیر درست ہیں۔ قطع نظر غیر مستند تاریخی روایات کے کیا یہ مذورہ امور بالا اپنی جگہ نا قابل انکار حقائق ہیں یا نہ۔

سوال: ایسے نظریات رکھنے والے شخص کی تکفیر یا تفسیق و تضلیل جائز ہے۔ یا نہ

سوال: اگر کوئی شخص ان اُمور کو اسلاف کرام پر زبان دراز کئے بغیر درست مانتا ہو۔ تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔

سوال: معلوم ہوا ہے۔ اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا اُمور کی تائید میں ۱۴ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، (مرحوم) کی ماتحتی میں دیا جاچکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ بینوا بالدلائل القطعیہ وتوجروا بالا جر العظیم۔

وفقط والسلام

ابوالارشد محمد اسمٰعیل جاروی۔ خطیب جامع مسجد مدنیہ طیبہ سیکٹر بی۔۱۵ کورنگی نمبر ۶، کراچی

۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ ہجری، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء

بِسۡمِ اللّٰہ الرحمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

الحمدللّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

استفتاء کا اجمالی جواب

اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہلسنت کا طریقہ ہے

امام طحاویؒ نے فقہاءِ ملت امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے عقائد کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جو ''العقائد الطحاویہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کے شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بارہا طبع ہو چکا ہے، اور ہر جگہ دستیاب ہے، اور مملکت سعودیہ میں داخل درس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے۔

ونحبّ أهل العدل والا مانة ونبغض اهلِ الجور والخيامة[1]

اور ہم اہل عدل وامانت سے محبت کرتے ہیں، اور اہل جو روخیانت سے بغض رکھتے ہیں۔

یہ وہ عقیدہ ہے۔ جس کی بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے۔

مَنْ اَحَبَّ للّٰه وَابغض للّٰه وَاَعْطیٰ لِلّٰهِ وَمنع لِلّٰهِ فَقَدْ استکمل الایْمَان[2]

جس نے اللہ کیلئے محبت رکھی اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھا، اور اللہ ہی کیلئے دیا، اور اللہ ہی کیلئے نہ دیا۔ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

اسی ہدایت کے مطابق ''عقیدہ طحاویہ'' میں یہ بھی مصرح ہے کہ

وَمَنْ احسن القول فی اصحابه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وازواجه وَذُرِّیَّاتِهٖ فَقَدْ بَرِیٔ من النفاق[3]

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپؐ کی ازواج، اور آپؐ کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔

---

[1] ص ۶ طبع دیو بند [2] مشکوٰۃ شریف، ج ۱، ص ۱۴ [3] ص ۸

اجمالی جواب: اب سائل نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے مابین محاکمہ کر کے جو بارہ سوالات قائم کیے ہیں، اور پھر ان کو حقائق کا نام دے کر پوچھا ہے۔

''کہ امیر یزید پر لعن وطعن کرنا درست ہے یا نہیں۔''

اس کے بارے میں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور جملہ اہل بیت نبوی سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم وتکریم کرنا تقاضائے ایمانی ہے، چنانچہ علامہ شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''تکمیل الایمان'' میں جو عقائد پر اُن کی مشہور تصنیف ہے، فرماتے ہیں۔

وفاطمة سيدة نساء أهل الجنة والحسن والحسين سيد اشاب أهل الجنة

اور حضرت فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہیں، اور حضرت حسنؓ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

ما ایں مسئلہ را علیحدہ درعقائد ذکر کردہ ایم ازجہت قطعیت دے بررغم ایں نادانان کہ قطعیت بشارت را مخصوص بعشرہ مبشرہ دارند وہمچناں کہ علماً بررغم رفضہ اہتمام بشان عشرہ کردہ بہ تخصیص ذکر کردہ اند۔ اگر بررغم ناصبیہ اہتمام بذکرایں سہ تن پاک وذکر فضائل اہل بیت نبوت کنند نیز مناسب باشد [1]

ہم نے اس مسئلہ کو اس کے قطعی ہونے کی بناء پر مستقل طور سے عقائد میں ذکر کیا ہے۔ ان نادانوں کے علی الرغم کہ جو صرف عشرہ مبشرہ ہی کے بارے میں جنتی ہونے کی بشارت کو قطعی سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح کہ علماء نے روافض کے علی الرغم عشرہ مبشرہ کے اہتمام شان کے پیش نظر بالتخصیص ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر نواصب کے علی الرغم ان تینوں حضرات کے بھی ذکر کا اہتمام ہو، اور اہل بیت نبوت کے فضائل بھی ذکر کریں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی '' التفہیمات

[1] ص ۶۶، ۶۷ طبع مجتبائی دہلی

الالٰہیہ'' میں عقائد اہل سنت والجماعت پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة وفاطمة وخديجة وعائشة والحسن والحسين رضى الله عنهم ونو تر هم ونعترف بعظم محلهم فى الاسلام۔[1]

اور ہم جنت اور خیر کی شہادت دیتے ہیں۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے حق میں، اور ان کی توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں جوان حضرات کا بلند مرتبہ ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

اور یزید سے محبت نہ رکھنا، اور اس کے برے اعمال سے نفرت کرنا۔ یہ بھی ایمان ہی کا مقتضی ہے اور اہل سنت کا اسی پر عملدرآمد ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''تکمیل الایمان'' میں یزید کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وبالجملہ وے مبغوض ترین مردام اس نزدما، وکارہا کہ ایں بدبخت وبے سعادت دریں امت کردہ ہیچ کس نہ کردہ۔ بعداز قتل امام حسین واہانت اہل بیت لشکر بتخریب مدنیہ مطہرہ وقتل اہل آنجا فرستادہ وبقیہ از صحابہ وتابعین را امر بقتل کردہ وبعداز

اور مختصر یہ کہ ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔ جو کام کہ اس بدبخت منحوس نے اس امت میں کیے ہیں کسی نے نہیں کیے۔ حضرت امام حسینؓ کو قتل کرنے اور اہل بیت کی اہانت کے بعد اس نے مدنیہ پاک کو تباہ برباد کرنے اور اہل مدنیہ کو قتل کرنے کیلئے لشکر بھیجا، اور جو صحابہ اور تابعین وہاں باقی رہ گئے تھے۔ اُن کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور مدنیہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ

تخریب مدینہ امر بانہدام مکہ معظمہ وقتل عبداللہ بن زبیرؓ کردہ وہم دراثنائے ایں حالت از دنیا بجہنم شتافتہ، دیگر احتمال توبہ ورجوع او خدا داند۔ حق تعالیٰ دلہائے مارا وتمام مسلمانان راز محبت وموالات دے واعوان وانصاری دے وہر کہ با اہل بیت نبوی بدبودہ وبداندیشیدہ وحق ایشاں راپائمال کردہ وبایشان براہ محبت و صدق عقیدت نیست ونبودہ نگاہدار دو مارا، ومحبان مارا در زمرۂ محباں ایشاں محشور گرداند، وودر دنیا وآخرت بردین وکیش ایشاں دارد، بحرمۃ النبی والہ الامجاد بمنہ وکرمہ وہو قریب مجیب آمین [1]

معظمہ کو منہدم کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا، اور پھر اسی اثناء میں جبکہ مکہ معظمہ محاصرہ کی حالت میں تھا۔ دنیا سے جہنم میں چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ شاید اس نے توبہ اور رجوع کرلیا ہو یہ خدا جانے۔ حق تعالیٰ ہمارے اور سب مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے اعوان وانصار کی محبت اور دوستی سے بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے کہ جس کا اہل بیت نبوی سے برابرتاورہا۔ یا جس نے بھی اُن کے حق میں برا سوچا۔ اور اُن کے حق کو پامال کیا۔ نیز جس کو بھی ان کے ساتھ محبت اور صدق عقیدت نہیں ہے۔ یا نہیں تھی۔ ان سب کی محبت اور دوستی سے محفوظ رکھے۔ اور ہمارا اور ہم سے محبت رکھنے والوں کا ان حضرات کے محبین میں حشر فرمائے، اور دنیا اور آخرت میں ان ہی حضرات کے دین ومذہب پر رکھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل وکرم سے ہماری یہ دعا قبول فرمائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ آمین

---

[1] ص ۱۷ طبع مجتبائی دہلی

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے ''مبحث فتن'' میں حدیث ''ثم ینشأ دعاۃ الضلال '' (کہ پھر گمراہی کی طرف دعوت دینے والے پیدا ہوں گے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ودعاۃ الضَّلال یزید بالشامِ ومختار بالعراق

اور ضلالت کے داعی شام میں یزید اور عراق میں مختار تھے۔

اور بحث مناقب میں فرماتے ہیں:۔

ومن القرون الفاضلۃ اتفاقاً من ھو منافق أو فاسق ومنھا الحجاج و یزید بن معاویہ ومختار

اور ''قرون فاضلہ'' یعنی اُن صدیوں میں بھی کہ جن کی فضیلت حدیث میں وارد ہے۔ بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے کہ جو منافق یا فاسق تھے، اور ان ہی میں حجاج اور یزید بن معاویہ اور مختار کا شمار ہے۔

یہ تو ہوا اجمالی جواب اور اب تفصیل سے نمبر وار اپنے شبہات کے جوابات ملاحظہ کیجئے۔

ناصبیوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات

پہلا شبہ

جو مستفتی کو پیش آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ''جنگ قسطنطنیہ'' کے سلسلہ میں بخاری شریف میں حسب ذیل دو روایتیں مذکور ہیں۔

(الف) اول حبش من اُمّتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم.

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا۔ اس کی مغفرت کر دی گئی ہے۔

(ب) قال محمود بن الربیع فحد ثتها قوما فیهم ابو ایوب الانصاری صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة التی توفی فیها ویزید بن معاویه علیهم بارض الرُّوم	محمود بن ربیع کا بیان ہے کہ پھر میں نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی تھے۔ یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے کہ جس میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی، اور یزید بن معاویہ، روم میں اس وقت فوج کا امیر تھا۔

غرض یزید جس لشکر کا کمانڈر تھا۔ اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔
اس شبہ کا جواب یہ ہے: کہ اگر مستفتی دوسری حدیث پر غور کرتے۔ تو سرے سے یہ اشکال ہی پیش نہ آتا کیونکہ اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فانّ الله قد حَرَّمَ عَلَى النَّار من قال لا اله الا الله یبتغی بذالک وجد الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ کو حرام کردیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے "لا الہ الا اللہ" کہا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ صدق دل سے "لا الہ الا اللہ" کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے۔ یہ نہیں کہ بس ایک مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو سوخون معاف ہوجائیں۔ اب جو چاہے کرتا پھرے۔ تعجب ہے کہ مستفتی نے یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں نہیں پیش کیا۔ حالانکہ غزوہ قسطنطیہ کی حدیث میں تو صرف "مغفورلہم" کے الفاظ ہیں، اور اس حدیث میں صراحتاً دوزخ کے حرام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو تاویل یا تشریح حدیث مذکورہ (ب) کی ہوگی۔ وہی تشریح حدیث مذکور (الف) کی ہونی چاہیے۔

احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی بشارت ہے، اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بس اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے، اور اب ظلم کی کھلی چھٹی ہے جو چاہے کرے جنت اس کے لئے واجب ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کسی شخص کا نام لیکر اُسے جنتی کہنا اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر جنت یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جنتی فرمایا ہے، لیکن یزید کا نام لیکر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں داخل ہونا اور چیز ہے، اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر نامزد ہونا اور بات ہے۔ بیشک اس حدیث میں غازیانِ مدینہ قیصر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔ جیسا کہ غازیانِ ہند کے لئے لیکن اس سے ہر غازی کا اس وقت تک جنتی ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ یہ صحیح ہے یزید غزوۂ قسطنطیبیہ میں شریک ہوا لیکن اس غزوہ میں شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت ہی کے موجب تھے۔

البتہ خود یزید نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا گیا۔ تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے، اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں۔ اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی۔ یہی ''مرجۂ'' کا مذہب۔ جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے ''البدویہ والنہار'' میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں۔

(ا) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا۔ جس کے غازیوں میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے، اور جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو یزید ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یزید سی

مخاطب ہو کر فرمایا کہ "جب میں مر جاؤں تو لوگوں کو میرا اسلام کہنا اور اُن کو یہ بتا دینا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ

من مّات لایشرک باللّٰہ شیئًا دخل الجنّة

جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ممدوح نے وفات کے وقت فرمایا:

قد کنت کتمت عنکم شیئًا سمعته من رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم سمعته بقول: لولا انکم تذنبون لخلق الله ‐قوماً یذنبون فیغفر لهم

میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی۔ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے۔ تو البتہ حق تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرتا کہ جو گناہ کرتی اور پھر حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا۔

وہاں ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ان هذا الهدیث والذین قبله هو الذی حمل یزید بن معاویة علی طرف من ا لارجاء درکب بسببه افعا لا کثیرةً انکرت علیه کما سنذ کرهٗ فی ترجمته واللّٰه تعالیٰ اعلم[1]

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث جو گزری۔ اسی نے یزید بن معاویہ کو ارجاء کی طرف ڈال دیا۔ اور اس کے باعث اس نے ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بناء پر اس پر نکیر کی گئی جیسا کہ ہم اس کے تذکرہ میں عنقریب ذکر کریں گے، آگے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

اب اگر سائل بھی یزید کی طرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرجئہ

[1] ج ۸، ص ۵۹

کے مذہب میں داخل ہے تو اس کو دوسری حدیث ہی یزید کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔ کہ چونکہ وہ کلمہ گو تھا۔ اس لئے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی پکڑ نہیں ہوسکتی۔ سب گناہ معاف ہیں۔ شیعان نبی امیہ کا بھی یہ مذہب تھا کہ ''امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں، اور گناہ سب معاف، اس کی اطاعت طاعت ومعصیت دونوں میں واجب ہے'' اور اگر سائل اہل سنت میں داخل ہے تو جو تاویل اس حدیث کی ہوگی، وہی حدیث غزوہ قسطنطیہ کی ہوگی۔

پھر حدیث اوّل میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کیلئے تصحیح نیت ضروری ہے۔ یعنی جو جہاد بھی کیا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہو، اور اپنے ذوق وشوق سے ہو۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ میں آ کرنا خوش دلی سے جنگ میں شریک ہوجائے، اور صرف امارت کے خیال سے روانہ ہوجائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت ہوئی کہ وہ اس جہاد میں شریک ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا، اور جہاں تک بن سکا۔ اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی بلکہ جب مجاہدین کرام محاذ پر تھے، اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کررہے تھے، وبا اور قحط میں مبتلا تھے۔ تو یہ بڑے ٹھاٹھ سے اپنے عشرتکدہ میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا، اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بجبر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعہ کی تفصیل تاریخ ابن خلدون (ج ۳، ص ۲۰) اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے، چنانچہ حافظ مورخ ابن الاثیر ۴۹ھ کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فی هذه السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویة جیشًا کثیفًا الی بلا د الروم للغزاة رجعل علیهم سفیان

اور اسی سنہ میں اور یہ بھی کہا گیا کہ ۵۰ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہاد کیلئے ایک بڑا بھاری لشکر بلاد رُوم کی طرف روانہ

بن عوف وامرابنه يزيد بالغزاة معهم فتثاقل واعتل فامسک عنه ابو فاصاب الناس شديدٌ فانشد يزيد يقول

مان ابالی بمالاقت جمو عهم
بالغد قدونة من حمی ومن موم
إذااتكات على انماط مرتفعاً بدير
مران عندی أم کلثوم

کیا، اور اس لشکر کا امیر سفیان بن عوفؓ کو مقرر کیا، اور اپنے بیٹے یزید کو بھی اس غزوہ میں شرکت کا حکم دیا۔ مگر یزید نے تعمیل حکم میں گرانی محسوس کی اور بہانہ کردیا سستی کی اور معذرت کردی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد نے بھی اُس کو رہنے دیا۔ وہاں جنگ میں لوگ بھوک اور شدید مرض کا شکا ہوئے تو یزید نے یہ شعر کہے۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ غذقدونہ[1] (روم میں مسلمانوں کا فوجی کیمپ) میں مسلم مجاہدین کے دستہائے فوج کو بخار اور چیچک کا سامنا ہے جبکہ میں دیر مران میں گدوں پر اونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں اور میرے سامنے اُم کلثوم ہے۔

وامر کلثوم امرأته هی ابنة عبدالله بن عامر فبلغ معاوية شعرهٗ فاقسم عليه ليلحقنّ بسفيان فی ارض الرّوم ليصيبه ما اصاب الناس فسارومعه جمع كثيرا اضافهم اليه البره وكان فی هذا الجيش ابن عباس و ابن عمر، وابن الزبير وابوايوب الانصاری وغير هم،

اُم کلثوم یزید کی بیوی عبداللہ بن عامر کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو جب اس کے ان اشعار کی اطلاع ہوئی توانھوں نے اُس کو قسم دیکر بتا کید کہا، کہ اُسے روم میں سفیان کے پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہ بھی گرفتار ہو۔ اب جو یہ روانہ ہوا تو اس کے والد ماجد نے ایک انبوہ کثیر کا اس کے ساتھ اور اضافہ کردیا۔

---

[1] قسطنطنیہ کے قرب وجوار میں ایک مقام کا نام تھا

وعبدالزبیر وابوایوب انصاری وغیر هم، وعبدالعزیز بن زراة الکلابی فاوغلوا فی بلا دالروم حتی بلغوا القسطنطینیة.[1]

اسی لشکر میں حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری وغیرہ بھی تھے، اور عبدالعزیز بن زرارہ کلابی بھی، چنانچہ یہ لوگ بلا دروم میں گھستے ہی چلے گئے تا آنکہ تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے قسطنطیہ تک جا پہنچے۔

یہ ہے یزید کے غزوۂ قسطنطیہ میں شرکت کی حقیقت، واقعہ یہ ہے کہ یزید سیر و شکار، شعروشاعری، غنا اور موسیقی کا متوالا تھا۔ وہ جہاد کے جھنجھٹ میں نہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا، اور نہ اپنے ایام خلافت میں چنانچہ عہدۂ خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اس نے دیا۔ وہ یہ تھا۔

ان معاویة کان یغزیکم فی البحروانی لست حاملاً احداً من المسلمین فی البحروان معاویة کان یشتیکم بارض الروم ولست مشتیاً احداً بارض الروم: وان معاویه کان یخرج لکم العطاء أثلاثا و انا اجمعه لکھ کله[2]

بیشک معاویہؓ تم کو بحری جہاد کی مہم پر بھیجا کرتے تھے۔ مگر میں کسی مسلمان کو بحری مہم پر بھیجنے کا روادار نہیں۔ اور بیشک معاویہؓ تم کو روم میں موسم سرما میں جہاد پر روانہ کیا کرتے تھے مگر میں نے کسی کو سردیوں میں روم کی سرزمین پر جہاد کرنے کے لئے نہیں بھیجوں گا اور بیشک معاویہؓ تمہیں تمہارا وظیفہ سال میں تین قسطوں میں دیا کرتے تھے۔ میں تم کو اکٹھا یکبارگی دیا کروں گا۔

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲

[2] البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۴۳

بس پھر کیا تھا، یہ خوشخبری سن کر حاضرین، دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ

وھم لا یفضلون علیه احداً   وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔[1]

---

[1] اس آخری جملہ پر "حیات سیدنا یزید" کے مصنف نے جو حاشیہ چڑھایا ہے۔ پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں: "علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا یزید اپنے والد ماجد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد، امیر المومنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ دیکر فارغ ہوئے۔ تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہمعصر تابعین کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا۔

فافترق الناس عنه وهم لا یفضلون علیه أحداً۔ (البدویہ والنہایہ، ج۸ ص ۱۴۳)

"لوگ تقریر سن کر اُن کے پاس سے گئے تو اُن کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا یزیدؒ پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔"

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر، دمشق، میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا یزید کے ساتھ عوام وخواص کی جانب سے پسندیدگی وعقیدت کا یہ اظہار، صرف اس لئے نہ تھا کہ حلم وعدل کے پیکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابدی جدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کردیا تھا بلکہ اعتماد ومحبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ وتابعین کرام تھے جنہوں نے بچپن سے لیکر جوانی کی موجودہ منزل تک امیر یزید کے شب وروز کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں ہوش سنبھالنے والا یہ باصلاحیت اور صاحب کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت وامارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے انھیں سیدنا یزید کی شخصیت میں ایک ایسے قائد اور خلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہے تھی۔ جو فاروقی عزم وارادہ کے ساتھ متعدد مرتبہ قائدانہ صلاحیت کے وہ غیر فانی نقوش ثبت کرچکا تھا۔ جن کی یاد اور جذبہ لشکر نے چھوٹے بڑے تمام، ہمعصر حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا یزید کی خدمت میں عقیدت ومحبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ لا یفضلون علیه احداً (ص ۴۷، ۴۸، شائع کردہ "مجلس عثمان غنیؓ" کراچی)

اللہ تعالیٰ ہی سمجھے "مجلس عثمان غنیؓ" کے ان محققین کو، ان کی نادر تحقیق کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ جہاد کی معطلی پر بھی اپنے سید ممدوح یزید کو صحابہ وتابعین کرام کی زبان سے نذرانہ عقیدت پیش کروادیا۔

اناللہ وانا الیه راجعون۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یزید کی شرکت غزوہ قسطنطیہ میں کس بناء پر تھی۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر اپنے والد ماجد کے حکم کے اس غزوہ میں شریک ہوا۔ تب بھی یہ بشارت مغفرت اس شرط کے ساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوئے ہوں کہ جن سے مغفرت کی بجائے اُلٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہوجائے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ ''العبرۃ بالخواتیم'' یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''تراجم ابواب بخاری'' میں فرمایا ہے کہ

قولہٗ'' مغفور لهم'' تمسک بعض الناس بهذا الحديث في نجاة يزيد لانه كان من جملة هذا الجيش	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حدیث میں '' مغفور لہم'' فرماتے سے بعض لوگوں نے یزید کی نجات پر

غور فرمائیے! یہ ناصبی اپنے سید یزید کی مسخ شدہ شکل وصورت کو اپنی خود ساختہ خرافات کے رنگ وروغن سے آراستہ کرکے کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے پہلے خطبہ میں بحری جہاد کو معطل کرنے کا اعلان کیا۔ سرمائی جہاد کو موقوف کیا۔ سرکاری فوج کو جو وظیفہ سال میں تین قسطوں پر میں ملا کرتا تھا۔ اب اکٹھا دینے کا وعدہ کیا۔ ظاہر ہے ان انعامات پر یزید کے وفادار فوی جتنی بھی بھی خوشیاں مناتے کم تھیں۔ صحابہؓ کرام اور تابعین کو تو عبث بدنام کیا۔ وہ کب جہاد کی معطلی پر یزید کی تعریف کرسکتے تھے۔ ان کے لئے تو یہ اعلان سوہان روح سے کم نہ ہوگا۔ یہ تعریف کرنے والے تو وہی لوگ تھے۔ جن کو نہ قتل حسینؓ میں کوئی باک تھا۔ نہ انصار مدینہ کا سر قلم کرنے میں کوئی جھجک اور نہ حرمین محترمین کی عزت کو خاک میں ملانے میں کوئی عار، ہاں، ہاں یزید پر تعریف کے ڈونگرے برسانے ولے وہی دین فروش سگان دنیا تھے۔ جو سو سو دینار کے عوض بلکہ بعض روایات کے مطابق تو محض چار اشرفیوں کے بدلے ۶۳ ہجری میں یزید کے حکم سے مدینۃ الرسول پر چڑھ دوڑے، اور تین دن تک اس پاک سرزمین پر قتل وغارت کا وہ بازار گرم کیا کہ پناہ بخدا۔ انصار مدینہ صحابہ کرام وتابعین کی ایک خلقت نہ تیغ کردی گئی۔ سارا شہر لوٹ کھسوٹ کر رکھ دیا، اور پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوا تو کعبے پر چڑھ دوڑے اس کا محاصرہ کیا، اور منجنیق سے اُس پر گولہ باری کرکے اُس کی بنیادیں ہلادیں۔ یہ ہے اس کتاب کی تحقیق کا ایک نمونہ، یزید پلید جیسے موذی کو جو لوگ ''سیدنا'' کہتے ہیں۔ ان سے سچ بولنے کی توقع ہی فضول ہے۔

الثانی بل کان رأسه و رئیسهم علی مایشهد به التواریخ والصحیح انهٗ لا یثبت بهذا الحدیث الا کونه مغفور اله ما تقدم من ذنبه علی هذا الغزوة لان الجهاد من الکفارات وشأن الکفارات ازالة اثارا لذ نوب السابقة علیها لا الواقعة بعد هانعم لوکان مع هذا الکلام انه مغفرله إلی یوم القیمه لدل علی نجاته واذلیس فلیس بل امرهٗ مفوض الی الله تعالیٰ فیما ارتکبه من القبائح بعد هٰذه الغزوه من قتل الحسین علیه السلام وتخریب المدینة والا صرار علی شرب الخمران شاء عفا عنه و ان شآء عذبه کما هو مطردفی حق سائر العصاة علی ان الاحادیث الواردة فی شان من استخف بالعترة الطاهرة والملحد فی الحرم

استدلال کیا ہے کیونکہ وہ بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ اس کا افسر وسربراہ تھا۔ جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اُس نے گناہ کیے تھے وہ بخش دیئے گئے۔ کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کردیتے ہیں بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو نہیں ہاں اگر اسی کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہوتا کہ قیامت تک کیلئے اس کی بخشش کردی گئی ہے۔ تو بیشک یہ حدیث اس کی نجات پر دلالت کرتی، اور جب یہ صورت نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے، اور اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب ہوا ہے، یعنی حضرت حسینؓ کو قتل کرنا، مدنیہ طیبہ کو تاراج وبرباد کرنا۔ مے خواری پر اصرار کرنا۔ ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاف کردے، اور چاہے تو عذاب دے جیسا کہ تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ جاری ہے۔ علاوہ ازیں وہ احادیث جو ان لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عترت طاہرہ کی ناقدری کرتے، اور حرم کی حرمت کر پامال کرتے اور

والمبدل للسنة تبقى مخصصات لهذا العموم لوفرض شموله لجميع الذنوب[1]

سنت نبوی کو بدل ڈالتے ہیں۔ وہ سب حدیثیں بالفرض اس حدیث میں اگر "مغفرت عام" بھی مراد لی جائے۔ یہ بھی اس کے عموم کی تخصیص کے لئے باقی رہیں گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ درج ذیل ہے۔

ستة لعنتهم ولعنهم اللّٰه وكل نبى مجاب، الزائد فى كتاب الله، والمكذّب بقدر الله تعالىٰ والمتسلّط بالجبروت فيعز بذالک من اذل اللّٰه. ويذک من اعزالله والمستحل لحرم اللّٰه. والمستحل من عترتى ماحرم اللّٰه والتارک لسنتى رت، ک. عن عائشه ک عن ابن عمرؓ[2]

چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔ اور حق تعالیٰ نے بھی اُن پر لعنت کی ہے، اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہے۔ (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنیوالا۔ (۲) تقدیر الٰہی کی تکذیب کرنیوالا۔ (۳) جبرو زور سے تسلط حاصل کرکے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اُسے اعزاز بخشنے والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرنیوالا۔ (۴) حرم الٰہی کی حرمت کو پامال کرنیوالا۔ (۵) میری عزت کی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اس کو حلال کردینے والا۔ (۶) میری سنت کا تارک۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا، نیز حاکم نے اس کو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔

---

[1] شرح تراجم ابواب البخاری (ص ۳۱، ۳۲) شائع کردہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

[2] الفتح الکبیر فی ضم الذیادہالی الجامع الصغیر از یوسف مبہانی ج ۲، ص ۵۵، مطبوعہ مصر

اسی حدیث کو مشکوٰۃ شریف میں بھی "باب الایمان بالقدر" کی "فصل ثانی" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ

رواہ البیھقی فی المدخل و — اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں، اور

رزین فی کتابہ. — رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

یہ تو نہیں معلوم کہ یزید تقدیر کا بھی منکر تھا۔ یا نہیں مگر باقی چاروں عیب اس میں موجود تھے۔

(۱) وہ دھونس دباؤ اور جبروزور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔ اہلبیت نبوی صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معزز ترین خلائق ہیں۔ اُن کی توہین وتذلیل کرنے میں اُس نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محترمین پر چڑھائی کی، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جیسے عبید اللہ بن زیادہ، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، مجرم بن عقبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک معزز ومحترم تھے۔

(۲) اس نے حرم الٰہی کی حرمت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھا۔

(۳) عترت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا، اور

(۴) تارک سنت تو تھا ہی۔

بہرحال یہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید اس بشارت میں شامل تھا۔ جو غزوۂ قسطنطیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے۔ تب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑے گا کہ "اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔" یہ غزوہ مورخین کے بیان کے مطابق ۴۹ھ یا بعض کی تصریح کے مطابق ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریباً ۱۲۔۱۴ سال تک زندہ رہا، اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں، اور جن جن قبائح کا ارتکاب کیا ہے۔ اُن میں اس کی مے نوشی، شہدائے کربلا کا

بے دردانہ قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی اور بربادی اور وہاں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام اور پھر حرم بیت اللہ پر اس کی فوجوں کی چڑھائی وغیرہ۔ ان سب گناہوں کے کفارہ کی آخر کیا صورت ہوگی۔ غزوہ قسطنطیہ کے بعد یزید سے جو حرکات ناشائستہ سرزد ہوئی ہیں۔ اُن کا مختصر سا جائزہ امام ابن حزم ظاہری کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

ویزید امیر المؤمنین وکان قبیح الا ثار فی الاسلام قتل اهل المدینه وافاضل الناس وبقیة الصحابة رضی اللّٰه عنهم یوم الحرة فی آخر دولته. وقتل الحسین رضی الله عنه واهل بیته فی اول دولته. وحاصر ابن الزبیر رضی الله عنه فی المسجد الحرام واستخف بحرمة الکعبة والاسلام فاماته اللّٰه فی تلک الا یام وقد کان غزانی ایام أبیه القسطنطینیة وحاصر ها[2]

"یزید امیرالمؤمنین" یہ اسلام میں برے کرتوتوں کا کرنیوالا رہا ہے۔ اس نے اپنے اقتدار کے آخری دور میں حرہ[1] کے دن اہل مدینہ کا قتل عام کیا۔ ان کے بہترین افراد اور بقیہ صحابہ کرام کو (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) قتل کیا اور اپنی سلطنت کے اوائل میں حضرت حسینؓ اور اُن کے اہل بیت کو قتل کیا، اور مسجد حرام میں حضرت ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا۔ کعبہ شریف اور اسلام کی بیحرمتی کی۔ پھر حق تعالیٰ نے ان ہی دنوں میں اس کو مارڈالا۔ اس نے اپنے باپ کے زمانے میں قسطنطیہ پر جنگ بھی کی، اور اس کا محاصرہ بھی کیا۔

اور اپنی دوسری تصنیف "اسماء الخلفأ والولاة وذكر مددهم" میں ارقام فرمائیں۔

---

[1] حرہ اس مقام کا نام ہے جہاں انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی تھی۔

[2] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۱۲، مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ

وبويع يزيد بن معاوية: اذمات ابوه:يكنى ابا خالد وامتنع من بيعته الحسين بن علی بن ابی طالب وعبدالله بن ا لزبيربن العوام: فا ما الحسين عليه السلام والرحمة فنهض الى الكوفة فقتل قبل دخولها، وهو ثالثة مصائب الاسلام بعد امير المومنين عثمان أور ابهها بعد عمر بن الخطاب رضی الله عنه وخرومه لان المسلمين استضيموانی قتله ظلمًا علانية واما عبدالله بن الزبيرفاستجار بمكة فبقی هنالک إلی ان اغزی یزید الجيوش الیٰ المدينه حرم رسول الله صلی الله عليه وسلم والی مكة حرم الله تعالیٰ. فقتل بقايا المهاجرين والا نصار يوم الحرة وهی ايضا اكبر مصائب الاسلام وخرومه لان افاضل

یزیدبن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال ہونے پر بیعت کی گئی۔ اس کی کنیت ابوخالد تھی۔ حضرت حسین بن علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہ بن زبیر بن العوامؓ نے اس کی بیعت سے انکار کیا۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام والرحمہ تو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہوگئے اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی آپ کو شہید کرڈالا گیا۔ آپ کی شہادت امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری مصیبت اور حضرت عمر بنؓ الخطاب کی شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور اسلام میں رخنہ اندازیٰ ہے، کیونکہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے مسلمانوں پر علانیہ ظلم توڑا گیا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ معظمہ جاکر جوار الٰہی میں پناہ لی، اور وہیں مقیم ہوگئے۔ تاآنکہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ کی طرف جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے۔ اپنی فوجیں لڑنے کیلئے بھیجیں۔ چنانچہ حرہ کی جنگ میں مہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے۔ ان کا قتل عام کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی اسلام کے بڑے مصائب اور اس میں رخنہ اندازی

المسلمين وبقية الصحابة وخبار المسلمين من جلة التابعين فتد واجهزاً ظلماً في الحرب وصبراً و جالت الخيل في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وراثت وبالت في الروضة بين القبروالمنبرولم تصل جماعة في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ولا كان فيه أحد حاشا سعيد بن المسيب فانه له يفارق المسجد. ولو لا شهادة عمروبن عثمان بن عفان ومروان بن الحكم عند مجرم بن عقبة المرى بانه مجنون لقتله. واكرة الناس على ان يبايعوا يزيد بن معاوية على انهم عبيدلهٗ، ان شاء باع وان شاء اعتق، وذكرله بعضهم البيعة على حكم القرآن وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم

میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ فاضل مسلمین، بقیہ صحابہؓ اور کابر تابعین میں بہترین مسلمان اس جنگ میں کھلے دہاڑے ظلماً قتل کردیے گئے اور گرفتار کر کے ان کو شہید کردیا گیا۔ یزیدی لشکر کے گھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجدؐ میں جولانی دکھاتے رہے، اور "ریاض الجنہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے منبر مبارک کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک نماز کی بھی جماعت نہ ہوسکی، اور نہ بجز حضرت سعید بن المسیبؓ کے وہاں کوئی فرد موجود تھا۔ انھوں نے مسجد نبوی کو بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمرو بن عثمان بن عفان اور مروان بن الحکم (یزید کے سالار لشکر) مجرم (مسلم) بن عقبہ سامنے یہ شہادت نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ تو وہ ان کو بھی ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہؓ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ اس کے غلام ہیں چاہے وہ ان کو بیچے چاہے ان کو آزاد کرے اور جب اس کے سامنے ایک صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ

فامر بقتله فضرب عنقه صبراً وهتک مسرف اومجرم الاسلام هتكاً اوانهب المدينة ثلاثاً واستخف باصحابه رسول لله صلى الله عليه وسلم ومدت الايدى اليهم وانتهبت دورهم وانتقل هؤلا إلى مكة شرفها الله تعالىٰ فحر صرت ورمى البيت بحجارة المنجنيق تولى ذالک الحصين بن نمير السكونى فى جيوش اهل الشام وذالک لان مجرم بن عقبة المرى مات بعد وقعة الحرة بثلاث ليال وولى مكانهٗ الحصين بن نمير، واخذ الله تعالىٰ يزيد اخذ عزيز مقتد رفمات بعد الحرة باقل من ثلاثة اشهروازيدمن شهرين وانصرفت الجيوش عن مكة. ومات يزيد فى نصف ربيع الاول سنة اربع وستين

علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بیعت کرتے ہیں تو اس نے ان کے قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مسرف یا مجرم (مسلم بن عقبہ) نے اسلام کی بڑی بے عزتی کی۔ مدینہ منورہ میں تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا ان پر دست درازی کی گئی۔ ان کے گھروں کو لوٹا گیا۔ (مدینہ طیبہ کو تباہ وتاراج کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی طرف چل پڑی وہاں جاکر مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا گیا اور بیت اللہ پر "منجنیق" سے سنگباری کی گئی۔ یہ کام حصین بن نمبر کی سرکردگی میں شام کے لشکروں نے انجام دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ حرۃ کے تین دن بعد ہی موت نے آ دبوچا تھا اور اب اس کی جگہ سالار لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھر پکڑا جس طرح وہ غالب قدرت والا پکڑا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی واقعہ حرہ کے بعد تین ماہ سے کم اور دو ماہ سے زائدہ کی مدت میں موت کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر مکہ معظمہ سے واپس چلے گئے۔ یزید کی موت

وله نيف وثلاثون سنة امه	۱۵ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو واقع ہوئی، اس
ميسون بنت بحدل الكلبة	وقت اس کی عمر کچھ اوپر تیس سال تھی اس کی
وكانت مدتهٔ ثلاث سنين	ماں کا نام میسون بنت بحدل کلبیہ تھا۔ یزید
وثمانيه اشهروايام فقط[۱]	کی مدت حکمرانی کل تین سال آٹھ ماہ کچھ دن تھی۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ: اول تو یزید "غزوہ قسطنطنیہ" میں بخوشی خاطر شریک ہی نہیں ہوا، جو وہ اس بشارت کا مستحق ہو اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا تب بھی اس بشارتِ مغفرت کا تعلق اس کے اس گناہوں سے ہوگا۔ جواب تک اس سے سرزد ہوئے تھے، اور جو معاصی اور جرائم اس "غزوہ قسطنطیہ" میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں۔ ان کی مغفرت کا اس بشارت سے[۲] کوئی تعلق نہیں وہ اس کے ذمہ باقی ہیں اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکورہ مغفرت کا تعلق اس کے تمام اگلے پچھلے گناہوں سے ہے، اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر ہر فرد کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے ہر فرد کی مغفرت عام مراد ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عموم کی تخصیص کے لئے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزری ہے، اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کارناموں کی تفصیل بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار

---

[۱] ص ۳۵۷، ۳۵۸ طبع مصر ملحقہ بجوامع السیرۃ لابن حزم

[۲] حافظ ابن تیمیہ "منہاج السنہ" لکھتے ہیں۔ فطائفة من الجهال يظنون يزيد هذا من الصحابة وبعض غلاتهم يجعله من الانبيا. (ج ۲ ص ۱۷۹ مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۲۲ ہجری)
ناصبی جاہلوں کی ایک جماعت اس یزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناصبی اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔ غنیمت ہے ہمارے دور کے ناصبی ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے بلکہ وہ یزید کو صرف "خلیفہ راشد" سمجھتے ہیں اور "سیدنا" کہہ کر اس کی خدمت میں آداب بجالاتے ہیں۔

کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ممدوح یزید کو "خلیفہ راشد" مانیں، اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بلکہ جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں۔[۲] لیکن اہل حق میں سے کوئی شخص بحالت صحت ہوش وحواس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے جنتی ہونے کی کیسے شہادت دے سکتا ہے۔

یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہوسکتا ہے

ہاں علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی سرکردگی میں جہاد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

وفیہ مشروعیة الجهاد مع کل امام لتضمنة الثناء علی من غزا "مدینة قیصر" وکان امیر تلک الغزوة یزید بن معاویة و یزید یزید۔[۱]

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمرانی کی معیت میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ حدیث غازیان شہر قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے حالانکہ اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا، اور یزید تو یزید ہی تھا۔ (کہ اس کی نابکاری ونالائقی معلوم خاص وعام ہی)

اور امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں:۔

وقد کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغزون بعد الخلفاء الاربعد مع الامراء الفساق وغزا ابوایوب الانصاری مع یزید اللعین۔[۲]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء کے ساتھ بھی جہاد میں شریک ہوتے تھے، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے "یزید لعین" کی معیت میں بھی جہاد فرمایا ہے۔

"مدینہ قیصر" سے مراد قسطنطنیہ نہیں، بلکہ حمص ہے: اور یاد رہے کہ یہ ساری بحث اس صورت میں ہے کہ ہم اس حدیث میں جو "مدینہ قیصر" کے الفاظ آتے ہیں۔ اس سے "قسطنطنیہ" ہی مراد لیں ورنہ اگر "مدینہ قیصر" سے وہ شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت "قیصر" کا دار السلطنت تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں "مدینہ قیصر" سے مراد "قسطنطنیہ" نہیں بلکہ "حمص" ہے چنانچہ شیخ الاسلام محمد

---

[۱] شرح فتح الباری صحیح بخاری [۲] شیخ الاسلام مطبوعہ عن حاشیہ تیسیر القاری ج ۴ ص ۶۶۹ مطبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ھ

صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

وبعضے تجویز کنندہ کہ مراد "بمدینہ قیصر" مدینہ باشد کہ قیصر در آنجا بود روزے کہ فرمود ایں حدیث را آنحضرت، وآں حمص است کہ درآں وقت دار مملکت وابود، واللہ علم ۱؎

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ "شہر قیصر" سے مراد وہی شہر ہے کہ جہاں قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر "حمص" تھا جو اس وقت قیصر کا دارالسلطنت تھا۔ واللہ اعلم

اب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت قیصر کا دار الملک "حمص" نہیں بلکہ "قسطنطیہ" ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی "مدینہ قیصر" کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اس سے مراد شہر "قسطنطیہ" ہی لیا جاتا تھا پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے لغت، عرف، اشعار عرب اور آثار واحادیث سے سند لانا ضروری ہے محض دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔

صحیح بخاری میں یزید کی مذمت میں حدیثیں: یہ بھی واضح رہے کہ "صحیح بخاری" میں یزید کے بارے میں بس یہ ایک حدیث نہیں ہے کہ جس کو مستفتی نے استفتاء میں درج کردیا ہے بلکہ اور بھی متعداد روایات موجود ہیں جن میں یزید کی بدکرداری اور بداطواری کی پوری طرح نشاندہی کردی گئی ہے۔ یزید کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان روایات کو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:

پہلی حدیث: (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

حفظت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم دعائين فاما احد هما فبثثته واما الاخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم ۲؎

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ظرف علم یاد کئے ہیں (یعنی دو نوع کا علم لفظ کیا ہے) ان میں سے ایک کی تو نشر واشاعت کردی ہے، اور جو دوسرے کی اشاعت کروں تو یہ نرخدا کاٹ ڈالا جائے۔

۲؎ صحیح بخاری، باب حفظ العلم

یہ دوسری نوع کا علم جس کی نشرواشاعت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر گریز فرمایا کہ وہ اگر زبان پر لاؤں تو یہ سرقلم کردیا جائے، کیا تھا' اس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں:۔

المرادبه علی الصحیح من أقوال العلمآء علم الفتن والواقعات التی وقعت بعد وفاته علیه السلام من شهادة عثمان وشهادة الحسین وغیر ذالک وکان یخافة فی افشا نها وتعین اسمآء أصحابها من غلمان بنی امیة وفتیاتهم[1]	اقوال علماء میں سے صحیح قول کے مطابق اس سے مرادان فتن اور واقعات کا علم ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہوئے جیسے حضرت عثمان اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت وغیرہ کے واقعات ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان واقعات کے افشاء کرنے اور ان فتنہ گروں کے ناموں کے بتانے سے اس لئے ڈرتے تھے کہ کہیں بنی امیہ کے لونڈے اور ان کی نوخیز نسل اس سے برہم ہوکر ان کو قتل نہ کرڈالے۔

اور علامہ ابن تیمیہ، ''منہاج السنہ'' میں رقمطراز ہیں۔

وابوهریرة اسلم عام خیبر فلم یصحب النبی صلی الله علیه وسلم إلا اقل من اربع سنین، وذالک الجراب لم یکن فیه شیئی من علم الدین، علم الایمان والا مروالنهی	اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ غزوہ خیبر کے سال اسلام لائے اس لیے ان کو چار سال سے کم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس (ظرف) تھیلے میں علم دین، علم ایمان اور امرونہی کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس میں تو صرف آئندہ ہونے والے واقعات کی خبریں

[1] ''شرح تراجم، ابواب البخاری'' باب مذکور

وانما كان فيه الاخبار عن الأمر رالمستقبلة مثل الفتن التي جرت بين المسلمين فتنة الجمل و صفين وفتنة ابن الزبيرو مقتل الحسين ونحوذ الک۔[1]

تھیں۔مثلاً ان فتنوں کا بیان تھا جو آگے چل کر مسلمانوں میں برپا ہوئے، جیسے جنگ جمل وجنگ صفین کا فتنہ، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان اور اسی قسم کے واقعات۔

حضرت ابوہریرہؓ کا دور یزید سے پناہ مانگنا: اور حافظ ابن حجر عقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

وحمل العلما الوعاء الذين لم يبثه على الا حاديث التي فيها تبيين أسامي امراء السؤ واحرا لهم وزمنهم وقد كان ابوهريرة يكنى عن بعضه ولا يصرح به خوفاً على نفسه منهم كقوله: " اعوذبالله من رأس الستين وإما رة الصبيان" يشير الى خلافة يزيد بن معاوية لا نها كانت سنة ستين من الهجرة واستجاب الله دعاء ابى هريرة فمات قبلها يسنة[2]

اور علماء نے علم کے اس ظرف کو جس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشاعت نہ کی ان احادیث پر محمول کیا ہے جنمیں امراء سوء (بدکردار اور نابکار حاکموں) کے ناموں کی تفصیل ان ے حالات اور زمانے کا بیان تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نالائق حکمرانوں میں سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کردیا کرتے تھے مگر صراحۃ ان کا نام نہیں لیتے تھے کہ کہیں وہ ان کو جان سے نہ مارڈالیں، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ" میں اللہ تعالیٰ سے ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں" یہ یزید بن معاویہ کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی اور حق تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا قبول بھی فرمائی چنانچہ وہ یزید

---

[1] ج ۴ ص ۱۷۸۔ [2] فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۳ طبع میریہ مصر ۱۳۰۰ھ

کے بادشاہ ہونے سے ایک سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما گئے۔

دوسری حدیث: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الصحیح" میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں۔

"باب قول النبی صلی الله علیه وسلم هلاک أمتی علی یدی أغیلمة من قریش."

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی"۔

اور پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل حدثنا عمروبن یحیی بن سعید بن عمرو بن سعید قال اخبر نی جدی قال کنت جالساً مع ابی هریرة فی مسجد النبی صلی الله علیه وسلم بالمدینة ومعنا مروان قال ابوهریره سمعت الصادق المصدق یقول" هلکة امتی علی یدی غلمة من قریش" فقال مروان لعنة الله علیهم غلمة؟ فقال ابوهریرة لوشئت ان اقول

عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان نے بتلایا کہ میں مدینہ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں میں ہوگی۔" اس پر مروان کی زبان سے نکلا۔ "خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے ہوں گے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔ (عمرو

فلان و بنیّ فلان فعلت، فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا بالشام فاذا رأھم غلماناً احد اثاً قال لناعسی ھؤلا ء ان یکو نوا منھم قلنا انت أعلم.

کا بیان ہے کہ) پھر میں اپنے دادا جان کے ساتھ جب نبی مروان کی حکومت شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔اور داداجان جب ان نو خیزلونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ غالباً یہ وہی لوگ ہیں (جن کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تھا) ہم یہ سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے۔

میری امت کی تباہی قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسند احمد اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے۔

إن فساد امتی علی یدی غلمة سفھاء من قریش [1]

میری امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں میں ہوگی۔

لونڈوں کی حکومت کی کیفیت: اس ہلاکت اور فساد کی تشریح جس کا ذکر صحیح بخاری کی ان حدیثوں میں آپ کی نظر سے گزرا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو علی بن الجعد اور ابن ابی شیبہ کے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ان الفاظ میں مذکورہ ہے۔

اعوذبالله من امارة الصبیان. قالوا وما امارة الصبیان؟ قال ان اطعتموھم ھلکتم، وان عصیتموھم اھلکوکم. [2]

”میں اللہ سے لونڈوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں۔“ حاضرین نے عرض کیا: لونڈوں کی امارات کیا معنی؟ فرمایا یہ کہ اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہوئے (کہ دین برباد ہوا)

---

[1] ج ۱۳۔ص ۸ [2] فتح الباری ج ۔۱۳۔ص ۸

اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے چھوڑیں گے (یعنی تمہیں جان سے مار ڈالیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں گے یاتمہاری جان و مال دونوں تباہ کر کے رکھ دیں گے۔[۱]

نیز ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ

ان أبا هريرة كان يمشي في السرق ويقول اللهم لا تدركني سنة ستين ولا إمارة الصبيان۔[۲]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں جاتے جاتے یوں دعا کرنے لگتے "اے اللہ مجھے ۶۰ کا زمانہ نہ آنے پائے اور نہ لونڈوں کی امارات کا۔"

---

[۱] آپ اب اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے، حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں شمر بن ذی الجوشن جو تذکرہ لکھا ہے وہ پڑھیے، فرماتے ہیں:

شمر بن ذی الجوشن ابو السابغة الضبابی عن ابیه وعنه أبو السحاق السبیعی لیس بأهل للرواية فانه احد قتلة الحسين (رضی الله تعالىٰ عنه) وقد قتله اعوان المختار. روى ابوبكر بن عياش عن أبي اسحٰق قال كان شمر يصلي معنا ثم يقول: اللّهم انك تعلم انی شریف فاغفرلی قلت: کیف یغفرالله لک وقد اعنت علی قتل ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ويحک فكيف نصنع؟ إن امرائنا هؤلاء أمرونا بامر فلم نخالفهم ولوخالفنا هم كنا شراً من هذه الحمر الشقاة.

قلت ان هذا العذر قبیح فانما الطاعة فی المعروف۔[۲]

شمر بن ذی الجوشن ابوالسابغہ ضبابی ۔ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اور اس سے ابواسحاق سبیعی۔ یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے کیونکہ یہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کا ایک فرد تھا۔ شمر کو مختار کے کارندوں نے قتل کیا، ابوبکر بن عیاش، ابواسحاق سے راوی ہیں کہ شمر ہمارے ساتھ نماز پڑھتا اور پھر یوں دعا کرتا کہ "اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں اس لئے مجھے بخش دے اس پر میں نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کیوں بخشنے لگا تو نے تو ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قتل میں اعانت کی ہے کہنے لگا: تجھ پر افسوس! پھر ہم کیا کریں (ہمارا کیا بس تھا) ہمارے ان حاکموں نے ہمیں ایک حکم دیا تھا ہم نے اس کی مخالفت نہ کی ۔ اور اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ان بدنصیب گدھوں سی بھی بدترین بن جاتے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عذر بد ہے، اطاعت تو صرف نیک کام میں ہوا کرتی ہے۔

---

[۲] ج۔ ا ص ۴۴۹۔ طبع مصر ۱۳۲۵ھ

امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں میں یزید سرفہرست ہے: اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

وفی ھذا اشارۃ الی أن اول ألا غیلمۃ کان فی سنۃ ستین وھو کذالک فإن یزید بن معاویۃ استخلف فیھا وبقی الی سنۃ اربع وستین فمات۔[1]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان لونڈوں میں سب سے پہلا لونڈ ۶۰ میں برسر اقتدار آیا جو بالکل واقع کے مطابق ہے۔ کیونکہ یزید بن معاویہ اسی ۶۰ میں بادشاہ بنا اور پھر ۶۴ھ تک زندہ رہ کر مر گیا۔

اور پھر مزید افادہ یہ فرماتے ہیں کہ

"اس روایت سے حضرت ابوہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے عموم کی بھی تخصیص ہو جاتی ہے جس کو ابوزرعہ نے ان سے نقل کیا ہے اور جو "باب علامات النبوۃ" میں بایں الفاظ گزر چکی ہے کہ یھلک النّاس ھذا الحی من قریش (لوگوں کو قریش کا یہ قبیلہ ہلاک کرے گا) کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ قریش کا پورا قبیلہ نہیں بلکہ اس کے بعض افراد مراد ہیں یعنی ان کی نوخیز نسل کے چند لونڈے نہ کہ قبیلے کے سب افراد، غرض یہ لونڈے طلب سلطنت کے لئے لوگوں کو ہلاک کریں گے اور اسی کی خاطر ہنگامہ قتال برپا کریں گے جس کی وجہ سے لوگوں کے حالات میں بگاڑ پیدا ہوگا اور فتنوں کے مسلسل برپا ہونے کے باعث سخت گڑبڑ ہوگی، چنانچہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ عیہ وسلم نے خبر دی تھی اسی کے مطابق ہو کر رہا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کہ ان سے دور رہا جائے: نیز اس حدیث میں جو یہ الفاظ وارد ہیں کہ! "لوان الناس اعتزلو ھم" (کاش لوگ ان

---

[1] فتح الباری ج ۱۳۔ ص ۸

لونڈوں سے کنارہ کشی کریں) اس میں حرف لو کا جواب ''کان اولی بھم'' (تو یہ ان کے حق میں اولی ہے) محذوف ہے اور مراد ''اعتزال'' یعنی کنارہ کش رہنے سے یہ ہے کہ نہ ان کے پاس آمدورفت رکھیں، اور نہ ان کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوں، بلکہ اپنے دین کو سلامت لے کر ان کے پاس سے راہِ فرار اختیار کریں۔[1]

صحابہؓ وتابعین کا اس ہدایت پر عمل: اب ساری اسلامی تاریخ کا ایک ایک ورق پڑھ جایئے۔ یزید کے عہدِ نحوست مہد میں میدان کربلا ہو یا جنگ حرہ، حرم الٰہی کا محاصرہ ہو یا حرم نبوی پر چڑھائی، ان میں سے کسی ایک مہم میں بھی یزید کی حمایت میں کوئی صحابی تو درکنار کسی قابل ذکر نیک نام تابعی کا نام بھی آپ کو ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا جو کہ یزید کی طرف سے لڑنے آیا ہو۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر حدیث کے اس جملہ کی کہ'' فاذا راھم غلماناً احد اثاً'' (ہمارے دادا جان جب شام کے حکمرانوں کو دیکھتے کہ وہ نو خیز لونڈے ہیں) کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

والذی یظھران المذکورین من جملتھم وان اولھم یزید کمادل علیه قول أبی ھریرة" رأس الستین وامارة الصبیان " فان یزید کان غالباً ینتزع الشیرخ من امارة البلدان الکبار ویو لیھا الا صاغرمن اقاربه[2]

اور ظاہر یہی ہے کہ (راوی کے دادا نے) جن حکمرانوں کا ذکر کیا ہے وہ قریش کے ان ہی لونڈوں میں داخل ہیں اور ان میں پہلا شخص یزید ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ۶۰ کے آغاز اور لونڈوں کی امارت کا ذکر کرنا اس بات کو بتلا رہا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یزید اکثر بڑے بڑے شہروں کی امارت سے بڑی عمر کے لوگوں کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے رشتہ داروں میں سے کم لوگوں کو والی بنا دیا کرتا تھا۔

---

[1] فتح الباری ج ۱۳ ص ۸ [2] فتح الباری ص ۸ جلد ۱۳

مروان کا ان مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا: نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے جو "تنبیہ" فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں:

(تنبیہ) یتعجب من لعن مروان الغلمة المذکورین مع أن الظاھر انھم من ولده فکأن الله تعالیٰ اجری ذالک علی لسانه لیکون اشد فی الحجة علیھم لعلھم یتعظون. وقد وردت أحادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد اخرجھا الطبرانی وغیره غالبھا فیه مقال وبعضھا جید ولعل المراد تخصیص الغلمة المذکورین بذالک [۱]

(تنبیہ) تعجب ہوتا ہے کہ مروان نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت کی حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی اولاد ہی میں ہوئے ہیں۔ پس گویا حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی زبان سے کہلوادی تاکہ ان لونڈوں پر سخت حجت قائم ہوجائے اور شاید اس بات سے وہ کچھ نصیحت پکڑیں، اور ہاں مروان کے باپ حکم اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت وارد ہوئی ہے ان حدیثوں کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر روایات میں گفتگو کی گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر حدیث بخاری میں آتا ہے۔

یزید کے دور میں صحابہ وتابعین پر مظالم: غرض قریش کے وہ چند نوخیز لونڈے جن کے ہاتھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہلاکت وبربادی کی خبر دی ہے۔ ان سب میں اول نمبر یزید پلید کا ہے، چنانچہ اسکی ولی عہدی کی سلسلہ جنبانی کے آغاز سے لے کر اس کے مرتے دم تک اس عہد کے اخیار امت صحابہ وتابعین پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے اور ان کی جس طرح توہین وتذلیل کی گئی اور ان کے ساتھ قتل وغارت کا جو معاملہ ہوا۔ اس سے تاریخ اسلام کے اورق پر ہیں اور صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے جو واقعات ضمناً آگئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

---

[۱] ج ۱۳ ص ۹

(۳) حدثنا موسی بن اسماعیل قال حد ثنا ابو عوانه عن ابی بشر عن یوسف بن ماهک قال کان مروان علی الحجاز استعمله معاویة فخطب فجعل یذکریزید بن معاویة لکی یبایع له بعد ابیه، فقال له عبدالرحمن بن ابی بکر شیئًافقال خذوه فدخل بیت عائشة فلم یقدروا، فقال مروان ان هذا الذی انزل فیه" وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ" فقالت عائشة من وراء الحجاب ماانزل الله فینا شیئاً من القرآن الاأن الله انزل عذری.[۱]

یوسف بن ماہک کا بیان ہے کہ مروان حجاز کا گورنر تھا۔ جس کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کا عامل مقرر کیا تھا اس نے خطبہ دیا تھا جس میں یزید ابن معاویہ کے متعلق ذکر کرنے لگا تاکہ اس کے باپ کے بعد اس کیلئے بیعت لے لی جائے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان سے کچھ کہا تو اس نے ابرافروختہ ہوکر اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو، یہ سنکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بہن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں گھس گئے اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ چل سکا۔ اب مروان (جھلا کر) بولا یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔ اور جس شخص نے اپنے ماں باپ کو کہا میں بیزار ہوں تم سے کیا تم مجھ کو وعدہ دیتے ہو؟ الخ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی سنی تو) پردے کے پیچھے ہی سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مذمت میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں کیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ نے میری برات اور پاکدامنی کی آیتیں ضرور نازل فرمائی ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل ''مستخرج اسماعیلی'' میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے:۔

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۱۵ کتاب التفسیر، سورہ احقاف

فاراد معاوية ان يستخلف يزيد يعني ابنه فكتب الى مروان بذالک فجمع مروان الناس فخطيهم وذكر يزيد ودعا الى بيعته ، وقال إن الله أرى امير المؤمنين في يزيد رأيا حسنا وان يستخلفه فقداستخلف ابوبكروعمر.

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اس میں یزید کا ذکر کر کے اس کی بیعت کی دعوت دی، اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید کے بارے میں اچھی رائے سمجھائی ہے۔ اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکرؓ وعمرؓ بھی خلیفہ بنا چکے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا مروان کو برسرِ منبر ٹوکنا: ظاہر ہے کہ اس لغو بیانی کا جواب سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہی کو دینا چاہئے تھا، چنانچہ حسب توقع انھوں نے نہایت جرات سے کام لے کر بڑی بے باکی سے "سلطان جابر" کے سامنے کلمہ حق کی ادائیگی کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے فرمایا:۔

ماهي الا هر قلية

یہ تو ہرقل[1] کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔

اور حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:۔

فقال مروان سنة ابى بكروعمر فقال عبدالرحمٰن سنة هر قل وقيصر

مروان کہنے لگا یہ ابوبکر اور عمر کی سنت ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (نہیں بلکہ) ہرقل وقیصر کی رسم ہے۔

اور مسند ابی یعلی اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبداللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ کی یہ تفصیل مروی ہے۔

---

[1] ہرقل عیسائیوں کے فرمانروا قیصر کا نام ہے۔

كنت في المسجد حين خطب مروان فقال ان الله قداری امیر المؤمنین رأیاحسناً في يزيد، وإن يستخلفه فقد استخلف ابوبكر وعمر ، فقال عبدالرحمٰن هر قلية ان ابابكر والله ماجعلها في احد من ولده ، ولا في اهل بيته ، وما جعلها معاوية الا كرامة لولده.

جس وقت مروان نے خطبہ دیا میں مسجد نبوی میں موجود تھا کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین (معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یزید کے بارے میں عمدہ رائے سجھائی ہے۔ اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے ہیں تو ابوبکرؓ وعمرؓ بھی بنا چکے ہیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہرقل کا طریقہ ہے واللہ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت نہیں سونپی اور نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنایا، مگر معاویہ تو بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشنا چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا: ظاہر ہے اس حق بات کو سننے کی تاب مروان میں کہاں تھی، فوراً الزام تراشی پر اتر آیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیدیا آخر جیسا کہ محدث اسماعیلی کی روایت میں آتا ہے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنا پڑا۔

كذب والله ما انزلت فيه. واللہ مروان جھوٹ بکتا ہے یہ آیت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہی نہیں ہوئی۔

مروان کی حضرت عائشہؓ سے سخت کلامی: مسند ابویعلی میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر مروان منبر سے اُتر کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سخت کلامی کرنے لگا اور آپ نے بھی اس کو ویسے ہی جواب دیئے آخر واپس چلا گیا۔[1]

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر صدیقؓ معاویہؓ اور ابوسفیانؓ سے افضل ہیں: اب ذرا غور کیجئے، مروان کی یہ تقریر کہاں ہو رہی ہے، منبر نبوی سے، مسجد نبوی میں،

[1] ان سب روایات کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۲ و ۴۴۳

روضہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے، یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لئے اس پر افتراء پردارزی کا یہ عالم ہے کہ اس ولی عہدی کی رسم کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت بتلا رہا ہے، اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کو ٹوکتے ہیں کہ یہ ابوبکر و عمر کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل اور قیصر کے رسم ولی عہدی ہے تو بگڑ جاتا ہے الزام تراشی کرتا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، ذرا نہیں سوچتا کہ کہاں ہوں، کس مقام سے بول رہا ہوں، کس سے مخاطب ہوں یہ کس باپ کے بیٹے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جدامجد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نص قرآن افضل ہیں، کیونکہ جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مؤلفۃ القلوب میں تھے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے ''طلقاء'' میں ان کا شمار ہے، اور عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں فتح مکہ سے بہت پہلے شرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائے مدینہ ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی آمدنی میں سے ان کے لئے چالیس وسق سالانہ خرما کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے'' کان من ساداب المسلمین '' (یہ مسلمانوں کے اکابر میں سے تھے) اور'' وکان معظمابین اھل الاسلام '' (اہل اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔[1] اب جس کی ولی عہدی کے سلسلے میں اکابر صحابہؓ کی اس طرح توہین کی جائے اس کی بادشاہی کے دور میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا معاویہ کی رقم کو واپس کر دینا: حافظ ابن کثیرؒ نے زبیر بن بکار سے بسند نقل کیا ہے اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھیجے مگر

---

[1] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۸ و ۸۹ طبع مصر مطبعۃ السعادۃ

حضرت ممدوح نے یہ کہہ کر ان کے لینے سے انکار کر دیا کہ ابیع دینی بدنیای؟ (کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالوں)!

آخر کار اکابر صحابہؓ کے پرزور احتجاج کے باوجود ان کی مرضی کے برخلاف یزید راج سنگھاسن پر براجمان ہو جاتا ہے، اور امت محمدیہ پر ہلاکت کا طوفان امنڈ آتا ہے، رجب ۶۰ ہجری میں یزید بادشاہ بنا، اور اسی سال ماہ رمضان میں یزید اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر کے اسکی جگہ عمرو بن سعید اشدق کا تقرر کرتا ہے۔[۱]

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لیے معزول کرنا کہ اس نے حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ پر سختی نہ کی تھی: ولید کا قصور یہ تھا کہ اس نے بیعت کے معاملہ میں حضرت حسین و حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وہ سختی نہ کی تھی جو یزید کو مطلوب تھی۔ اس لئے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ منورہ سے بخیر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یزید کا اُن کے بارے میں ولید کو یہ فرمان آچکا تھا۔

اما بعد فخذ حسينا و عبدالله بن عمر وعبدالله بن الزبير بالبيعة اخذاً شديداً ليست فيه رخصة حتى يبا يعوا والسلام.[۲]	اما بعد حسین، عبداللہؓ بن عمر اور عبداللہ ابن زبیرؓ کو بیعت کے لئے سختی کے ساتھ پکڑو، اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں ذرا ڈھیل نہ ہونے پائے۔ والسلام

مروان کا مشورہ کہ ان حضرات کا سر قلم کر دیا جائے: مروان کا مشورہ ان حضرات کے بارے میں ولید کو یہ تھا کہ اگر یہ حضرات بیعت نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کر دو مگر ولید نے مروان کی بات نہ مانی اس لیے اس شاہی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ معزولی تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے جو اس کی معزولی کی وجہ میں "لتفریط" کا لفظ لکھا ہے وہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔[۳]

---

[۱] ملاحظہ ہو البدویہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۸ و ۸۹ طبع مصر مطبعۃ السعادۃ

[۲] البدویہ والنہایہ از حافظ ابن کثیرؒ ج ۸ ص ۱۴۶ و ۱۴۷ [۳] البدویہ والنہایہ

حضرت ابوشریح کا گورنر مدینہ کو حرم پر فوج کشی سے منع کرنا: چنانچہ اس کی جگہ گورنر ہو کر عمرو بن سعید اسی ماہ میں مدینہ آ گیا یہ مزاج کا بڑا فرعون اور بڑا متکبر تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں وکان متا لھًا متکبراً۔[1] (یہ اپنے آپ کو خدا پر سمجھنے والا بڑا ہی معزور تھا) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چونکہ ابھی تک یزید کی بیعت نہ کی تھی اور وہ حرم الٰہی میں پناہ گزیں تھے اس لیے اس نابکار نے ان کو گرفتار کرنے کے لیے مدینہ میں آتے ہی حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی۔[2] اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور ومحترم صحابی حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس بہترین انداز میں اسے فہمائش کی وہ صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے۔

چوتھی حدیث:

(۴) حدثنا عبدالله ابن یوسف قال حدثنا اللیعث قال حدثنی سعید هوا بن ابی سعید عن ابی شریح انه قال لعمر وبن سعید. وهو یبعث العبوث الی مکة ائذن لی أیها الامیر احد ثک قولاً قام به رسول الله صلی الله علیه وسلم الغدمن یوم الفتح سمعته اذنای ووعاه قلبی

حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ مکہ معظمہ پر چڑھائی کیلئے فوج کے دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے سامنے وہ حدیث بیان کروں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہو کر بیان فرمایا تھا اور جس کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا اور

---

[1] البدویہ والنہایہ
[2] مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں اس واقعہ کو عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت کا گمان کیا ہے جو صحیح نہیں یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ حکمرانی میں ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو "البدویہ والنہار" ترجمہ یزید بن معاویہ اور "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" ترجمہ حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

وابصرته عيناى حين تكلم به، حمد الله وأثنى عليه ثم قال ان مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسفک بها دما ولا يعضد بها شجرة فان أحد ترخص لقتال رسول الله فيها فقولوا ان الله قدا ذن لرسوله ولهم ياذن لكم وانما اذن لى فيها ساعة من فهار ثم عادت حرمتهاالیوم كحرمتها بالامس وليبلغ الشاهد الغائب، فقيل لابى شريح ماقال عمروقال انها أناأعلم منک يا أبا شريح لا تعيذ عاصياً ولا فاراً بدم ولا فاراً بخربة [۱]

جس وقت آپؐ اس کو بیان فرمارہے تھے تو میری دونوں آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں آپ نے حق تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا، اور لوگوں نے اس کو حرام نہیں بنایا لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں کسی کا خون بہائے اور نہ وہاں کا کوئی درخت کاٹے، اور پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس امر کی رخصت چاہے تو اس کو بتادو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اس کی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی گھڑی بھر دن کی اجازت تھی پھر آج اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو چاہیے کہ جو شخص غائب ہے اس تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر ابو شریح سے دریافت کیا گیا کہ عمرو نے پھر کیا جواب دیا فرمایا: اس نے کہا اے ابوشریح میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں مکہ نہ کسی عاصی کو پناہ دیتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں فرار ہو جائے۔

---

[۱] صحیح بخاری کتاب العلم باب لیبلغ الشاہد الغائب۔

گورنر مدینہ کا صحابی رسول کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا: غور کیجئے! صحابی رسول حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم الٰہی پر فوج کشی سے روکنے کے لئے یزید کے گورنر کو حدیث رسول بیان کرتے ہیں اور یہ بدبخت ان کے سامنے اپنی علمیت بگھارتا ہے، کہتا ہے "میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں" امام ابن حزم اپنی مشہور تصنیف "المحلی کی "کتاب الجنایات" میں بالکل صحیح لکھتے ہیں:۔

لاکرامة للطیم الشطیان الشرطی الفاسق یرید ان یکون اعلم من صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم وهذا الفاسق هوا العاصی لله ولرسوله، ومن والاه أوقلده. وما حامل الخزی فی الدنیا والا خرة الاهو ومن امره .[۲]

اس لطیم الشیطان[۱]، پولیس مین، فاسق کی بھی یہ وقعت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے بھی زیادہ عالم بننے کا دعویٰ کرے۔ (عاصی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہیں بلکہ) یہی فاسق اللہ اورس کے رسول کا عاصی تھا اور وہ شخص جس نے اس سے دوستی کی یا اس کے کہے پر چلا اور دنیا اور آخرت میں ذلت اٹھانے والا یہی تھا اور وہ (یزید) جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف گورنر مدینہ کی ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں: شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں رقمطراز ہیں۔

وایں دعوی مجرداست ومردود بروے، زیراچہ عبداللہ بن زبیر صحابی است متعبد، جامع صفات حمیدہ، وکارے نکردہ کہ بدان مستحق قتل باشد

اور یہ (گورنر مدینہ، عمرو بن سعید کا) خالی خولی دعویٰ ہے جو مردود ہے کیونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک عابد صحابی تھے۔ صفات حمیدہ کے جامع، انھوں نی کوئی کام ایسا نہ کیا تھا جس کی

---

[۱] "لطیم الشیطان" کے معنی ہیں جس کو شیطان نے چپت لگایا ہو۔" یہ عمرو بن سعید اشدق کا لقب ہے۔

[۲] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری از علامہ عینی ج ۲ ص ۱۴۲ طبع منیر یہ مصر

بیرون حرم ونہ خروج کردہ براحدے ۔ ونہ خواند مردم را بہ بیعت خود باآنکہ ناخوش بودند از یزید اہل حرمین و مبادرت نکردند بہ بیعت وے جز اہل شام بنا بر تولیہ پدرش معاویہ، وامتناع آورد وعبداللہ وغیروے از بیعت آں نااہل کہ مسرف درمعاصی ومرتکب کبائر بودوپناہ گرفت از شروے درگوشہ حرم، پس تعین کرد لشکر بالقتال ابن زبیر بمکہ[1]

بنا پر بیرون حرم وہ قتل کے مستحق ٹھہرتے، اور نہ کسی کے خلاف انھوں نے خروج کیا تھا نہ لوگوں کو (ابھی تک) اپنی بیعت کی دعوت دی تھی، حالانکہ اہل حرمین یزید سے خوش نہ تھے اور یزید کی بیعت پر بجز اہل شام کے کسی نے جلد بازی سے کام نہ لیا تھا، اور اہل شام نے اس لئے جھٹ پٹ بیعت کرلی کہ اس کے باپ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنا ولی عہدہ بنادیا تھا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرات نے اس نااہل کی بیعت کرنے سے اس لیے سختی سے انکار کردیا کہ یہ معاصی میں حد سے بڑھ گیا تھا اور کبائر کا مرتکب تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی شر سے بچنے کے لئے حرم محترم کے گوشہ میں پناہ لے رکھی تھی لہٰذا اس نے مکہ معظمہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے فوجوں کو روانہ کیا۔

اور شیخ نور الحق محدث دہلوی ''تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں ارقام فرمایں:۔

کلام این مفسد حجت رانمی شاید از آنکہ خلاف مقررہ اہل دین است درروایت امام احمد

اس مفسد (عمرو) کی بات حجت کے لائق نہیں کیونکہ یہ اہل دین کے دستور کے خلاف ہے، مسند احمد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ

[1] ج ۳ ص ۳۲۲ طبع مطبع علوی لکھنو ۱۳۰۲ھ

آمدہ کہ گفت ابو شریح گفتم عمرو رامن حاضر و تو غائب بودی، و بموجب امر آنحضرت، رساندم ترا، وایں مشعراست بآنکہ ابوشریح قبول گفتۂ عمرو نکردہ واو را بوئے گزاشتہ از جہت عجزوعدم قدرت بجہت شوکت وغلبہ اوا

تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے عمرو کو جواب دیا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا تھا میں اس وقت حاضر تھا اور تو غائب (اس لئے تو حدیث کا مطلب کیا جانے) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تجھے تبلیغ کردی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو کی اس بات کو نہیں مانا، مگر چونکہ عمرو کو شوکت اور غلبہ حاصل تھا اور آپ اس کے مقابلہ سے عاجز تھے اور اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اس لیے (زبانی فہمائش کے بعد) آپ نے اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا۔

مروان نے جو معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کیا وہ آپ پڑھ چکے ہیں، یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اکبر تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے نواسے ہیں ان کے خلاف حرم محترم پر صرف اس لیے فوج کشی کی گئی کہ انھوں نے یزید پلید سے بیعت نہیں کی تھی۔

حضرت ابن زبیر کے فضائل حضرت ابن عباس کی زبانی: حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہ الفاظ پڑھیئے:۔

ا ج ۲ ص ۱۵۷ طبع علوی لکھنو۔

أما أبوه فحواری النبی صلی اللہ علیه وسلم یرید الزبیر. وأما جده فصاحب الغار. یرید ابابکر. واما أمه فذات النطاق یرید أسماء . وأما خالته فأم المؤمنین یرید عائشة. وأما عمته فزوج النبی صلی الله علیه وسلم. یرید خدیجه. واما عة النبی صلی الله علیه وسلم فجدته یرید صفية. ثم عفیف فی الإسلام قارئ للقرآن۔[۱]

ان کے والد ماجد یعنی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے اوران کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیق غار تھے اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاق (کہ جنہوں نے ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد سفر اپنے پٹکے سے باندھا تھا) اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی پھوپھی (ان کے ابا کی پھوپھی مراد ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمہ محترمہ ہیں اور پھر وہ خود اسلام میں پاکباز اور قرآن پاک کے بکثرت پڑھنے والے ہیں۔

مصاحف عثمانی کی کتابت میں حضرت ابن زبیر کی شرکت: یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن کریم جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں ہے اور جس کو شب و روز ہم پڑھتے ہیں اس کی نقلیں حضرت امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نگرانی میں کرا کر ممالک محروسہ میں روانہ کی تھیں۔ ان مصاحف کی کتابت کے لئے حضرت امیر المؤمنین نے جن چار حضرات کو نامزد فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔[۲]

---

[۱] صحیح بخاری باب قولہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ [۲] ملاحظہ ہو صحیح بخاری "باب جمع القرآن" بقیہ حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں حضرت زید بن ثابت (۲) حضرت سعید بن العاص (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت ابن زبیر کے فضائل احادیث کی روشنی میں: صحیح بخاری میں ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئیں تو۔ان دنوں یہ شکم مادر میں تھے، اور وضع حمل کی مدت قریب تھی چنانچہ قبا کے زمانہ قیام ہی میں ان کی ولادیت ہوئی فرمائی ہیں۔

ثم اتیت به النبی صلی الله علیه وسلم فوضعه فی حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فیه فکان أول شئی دخل جو فه ریق سول الله صلی الله علیه وسلم ثم حنکه بتمرة ثم دعا له و برک علیه وکان اول مولود ولد فی الاسلام[1]

پھر میں بچہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے ان کو اپنی گود میں لے لیا اور آپ نے ایک کھجور منگوائی اور اس کو چبا کر پھر ان کے منہ میں ڈال دی چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو داخل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا، پھر آپ نے کھجور کو ان کے تالو پر مل دیا اور ان کیلئے برکت کی دعا کی، اور یہ پہلے بچے تھے جو اسلام میں (ہجرت کے بعد مہاجرین میں) پیدا ہوئے۔

اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ ہیں۔

اول مرلودولد فی الاسلام عبدالله بن الزبیرا توابه النبی صلی الله علیه وسلم فاخذ النبی صلی الله علیه وسلم ثمرة فلا کها ثم ادخلها فی فیه فاول

پہلا بچہ جو اسلام میں (ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں میں) پیدا ہوا وہ عبداللہ زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تھے ان کو (ان کے گھر والے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تو آپ نے ایک کھجور منگوا کر پہلے اس کو اپنے دہن مبارک میں چبایا اور پھر ان کے منہ میں اس کو انڈیل دیا چنانچہ ان کے پیٹ میں

---

[1] باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ

مادخل فی بطنه ریق النبی صلی الله علیه وسلم[1] — پہلی چیز جو پہنچی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لعاب دہن تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اتنا اضافہ اور آتا ہے:

ثم مسحه وصلی علیه وسماه عبدالله ثم جاء وهو ابن سبع سنین او ثمان لیبایع رسول الله علیه وسلم وامره بذالک الزبیر فتبسم رسول الله صلی الله علیه وسلم حین رأه مقبلا الیه ثم بایعه[2]

پھر حضور علیہ السلام نے ان کے سر پر ہاتھ پھرا، ان کے لئے دعا خیر کی اور ان کا نام عبداللہ رکھا، پھر جب وہ سات یا آٹھ برس کے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر ان سے بیعت لے لی۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وفی هذا الحدیث مناقب کثیرة لعبد الله بن الزبیر رضی الله عنه منها ان النبی صلی الله علیه وسلم مسح علیه وبارک علیه ودعا له و أول شی دخل جوفه ریقه صلی الله علیه وسلم

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت سے مناقب ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، (۲) ان کیلئے برکت طلب کی (۳) ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی

---

[1] صحیح بخاری باب مذکورہ

[2] باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ

وانه أول من ولد فی الاسلام بالمدینة والله اعلم[1]	(۴) پہلی چیز جوان کے پیٹ میں پہنچی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا (۵) یہ اسلام میں پہلے بچے ہیں جو مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔

اور مستخرج اسماعیلی میں ''صحیح بخاری'' کی اس روایت میں ''فی الاسلام'' کے بعد یہ اضافہ بھی ہے۔

ففرح المسلمون فرحاً شدیداً لأن الیهود کانوا یقولون سحرنا هم حتی لا یولد لهم[2]	یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی ہی خوشی ہوئی کیونکہ یہودی کہا کرتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کردیا ہے اب ان کے یہاں اولاد نہیں ہوگی۔

عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو جس مبارک بچے کی ولادت پر بڑی خوشی ہوئی، یزید اور اس کا گورنر عمرو اشدق اسی کے قتل کرنے کے درپے ہوں، اور اسی کی موت میں اپنی خوشی سمجھیں۔ تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں: واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر عمرو بن سعید اشدق وہی نابکار ہے جس کے بارے میں مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت آتی ہے:

سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لیرعفن علی منبری جبار من جبابرة بنی أمیة حتی یسیل رعافه قال ناخبرنی من رأی عمروسعید بن العاص	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''یقیناً بنی اُمیہ کے ستمگاروں میں سے ایک ستمگار کی میرے منبر پر اس طرح نکسیر پھوٹ کر رہے گی کہ بہنے لگ جائے گی۔''

---

[1] شرح صحیح مسلم از امام نووی باب مذکور۔ [2] فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۴

رعف علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی سال رعافہ [1]	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ پھر مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن سعید بن العاص کو اس حال میں دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر اس کی نکسیر اتنی پھوٹی کہ منبر پر بہنے لگی۔

کربلا کے دن بنی اُمیہ نے اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا: غرض یزید کی ولی عہدی کی ابتداء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی اہانت سے ہوئی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسے پر حرم الٰہی میں فوج کشی سے [2] اور بھی سال جلوس ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ دودمان نبوی کے گل سرسید کو مسل کر خاک میں ملا دیا اور اپنی دانست میں خاندان نبوت کا چراغ گل کر کے رکھ دیا، محرم ۶۱ ہجری کے یوم عاشورہ میں اہل بیت رسالت پر یزیدی لشکر کے ہاتھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے بھی یہ کہا سچ کہا کہ:

ضحی بنوامية يوم كربلا بالدين [3]	کربلا کے دن بنوامیہ نے اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

قرابت رسول اللہ کا پاس ولحاظ: امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں "باب مناقب قرابة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے فضائل کا بیان اور پھر اس باب کے تحت حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد نقل کیا:

[1] البدایہ والنہایہ۔ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۳۱۱ [2] اور اسی طرح اختتام بھی

[3] تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، ترجمہ یزید بن عبد الملک بن مروان

ار قبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اھل بیتہٖ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس ولحاظ رکھو۔

یعنی "نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ کسی قسم کا برا برتاؤ ہونے پائے۔" اور اسی باب میں حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

والذی نفسی بیدہٖ لقرابۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أحب ألی أن أصل من قرابتی.

قسم اس ذات عالی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا اس قدر پاس ولحاظ تھا کہ جب کبھی ان کے عہد میں قحط سالی ہوتی اور دعا استسقاء کی ضرورت پڑتی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمِ محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے، اور خود ان سے دعا کراتے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ:۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا وسقناقال فیسقون[1]

جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے توسل سے بارش کی دعا کرتے اور یوں عرض کرتے کہ الٰہا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے پھر تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے توسل سے تجھ سے مانگتے ہیں تو ہم پر مینہ برسنے لگتا تھا۔

[1] باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا

حدیث میں ’’قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں:

مراد از قرابت پیغمبر خدا کسے کہ منتسب است بعبد المطلب ومومن است چنانکہ علی مرتضی وابنائے او رضی اللہ عنہم ۱؎

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے مراد وہ مومن حضرات ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبدالمطلب سے ملتا ہے جیسے حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے صاحبزادگان رضی اللہ تعالیٰ عنہم

شیخ نور الحق محدث دہلوی نے ’’تیسیر القاری‘‘ میں جو کچھ لکھا ہے وہی علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

’’من ینسب لعبد المطلب مؤمناً کعلی وبنیه‘‘ اور شارحین نے جو کچھ لکھا ہے وہی مطلب امام بخاری کا ہے، اسی لئے امام بخاری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کو ’’باب مناقب الحسن والحسین‘‘ میں پھر دوبارہ روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ’’فتح الباری‘‘ میں اور علامہ عینی نے ’’عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں‘‘ ’’باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کے تحت ان تمام حضرات کو نام بہ نام گنوایا ہے جو اس وقت خواجہ عبدالمطلب کی اولاد میں بقید حیات تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت کا شرف حاصل تھا۔ ان میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام بھی ہے جو شکل وصورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عون اور محمد کا بھی۔

پھر یزید نے ’’قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پاس ولحاظ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔

عبیداللہ بن زیادہ جس کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ آنے کی خبر سن کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اس کی سنگدلی اور قساوت قلبی کا اندازہ

۱؎ تیسیر القاری ج ۳ ص ۵۰۰ طبع علوی لکھنو ۱۳۰۲ھ

کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس شقی کے سامنے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرمبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو چھڑی سے آپ کے سر مبارک کو چھیڑنے اور آپ کے حسن پر طعن کرنے لگا، اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تنبیہ کی کہ کیا کرتا ہے؟

كان اشبههم برسول الله صلى عليه وسلم[1]	یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے۔

اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ

فقلت له إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يلثم حيث تضع قضيبک قال فانقبض.[2]	میں نے اس سے کہا جہاں تو اس وقت اپنی چھڑی رکھ رہا ہے وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے یہ سن کر وہ شقی گھٹ کر رہ گیا۔

اور معجم طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

فجعل يجعل قضيبًا في يده في رعينه وانفه، فقلت ارفع قضيبک فقد رايت فم رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضعه[3]	ابن زیاد بدنہاد کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس کو وہ شقی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارک اور بینی مبارک میں داخل کرنے لگا تو میں نے اس سے کہا اپنی چھڑی ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کو اس جگہ رکھے ہوئے دیکھا ہے جس جگہ تیری چھڑی اس وقت ہے۔

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین
[2] فتح الباری باب مذکور
[3] فتح الباری باب مذکور

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا پاس ولحاظ جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''ارقبو محمداً فی اهل بیته'' اور جس کا ترجمہ حضرت شیخ نورالحق بن عبدالحق محدث دہلوی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

گفت ابوبکر نگہدارید ومحافظت کنید محمدرا دراہل بیت او، یعنی حفظ حرمت محمد وتعظیم او درگرامی داشتن اہل بیت اوست۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے معاملہ ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر میں رکھو اور آپ کا پوری طرح خیال کرو، یعنی آپ کی حرمت وتعظیم آپ کے اہل بیت کے اعزاز میں ہے

اور دوسری جگہ ان الفاظ میں:۔

گفت ابوبکر صدیق نگہدارید عزت وشرف محمد را صلی اللہ علیہ وسلم درنگہداشت حرمت وتعظیم درحق اہل بیت آنحضرت۔''[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت حق میں ان کی حرمت وتعظیم کو مدنظر رکھ کر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عزوشرف کو ملحوظ رکھو۔

پھر یزیدی لشکر نے کربلا کے میدان میں جوانان اہل بیت پر جو ظلم وستم ڈھایا اس کے بارے میں شیخ نورالحق محدث دہلوی نے '' تیسرا القاری شرح صحیح بخاری'' میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ

درشرح ایں قضیہ جانگزا جگر آب شدہ وقلم ازدست اوفتاد.....ازحوصلہ طبع مسلمانے بیروں است کہ اشارتے باں تو آں نمود [3]

اس قضیہ جان گسل کو بیان کرنے میں جگر پانی پانی ہوگیا اور قلم ہاتھ سے گر پڑا۔ کسی مسلمان کے حوصلہ سے یہ باہر ہے کہ اس کی طرف اشارہ بھی کرسکے۔

---

[1] ''تیسیر القاری'' ج ۳ ص ۴۵۱ [2] ''تیسیر القاری'' ج ۳ ص ۴۶۴ [3] ج ۳ ص ۴۶۴

یزید کی شقاوت: اور علامہ عبداللہ بن محمد بن عامر شیراوی شافعی ''کتاب الاتحاف بحب الاشراف'' میں فرماتے ہیں۔

لاریب ان اللہ سبحانہ قضی علی یزید بالشقاوۃ فقد تعرض لآل البیت الشریف بالاذی فارسل جندہ لقتل الحسین وقتلہ وسبی حریمہ واولادہ وھم اکرم اھل الارض حینئذعلی اللہ سبحانہ[1]

لاریب حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید پر شقاوت مسلط کی کہ اس نے آل بیت شریف (نبوی) کے ستانے پر کمر باندھی قتل حسین کے لیے اپنی سپاہ بھیجی ان کو شہید کیا ان کی حرم اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا حالانکہ یہ حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک روئے زمین پر تمام بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے۔

ابن زیاد کا طرز عمل صحابہؓ کے ساتھ

حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا: امام بخاری نے "الجامع الصحیح" میں ایک باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں" باب من استرعی رعیة فلم ینصح "یعنی جس کو رعیت کا والی بنایا جائے اور پھر وہ رعیت کی خیر خواہی نہ کرے" اور پھر اس باب میں یہ دو حدیثیں بیان کی ہیں:

(۱) عن الحسن ان عبیدالله بن زیاد عاد معقل بن یسارفی مرضه الذی مات فیه فقال له معقل انی محدثک حدیثاً سمعته من النبی صلی الله علیه وسلم یقول ما من عبدٍیسترعیه الله رعیة فلم یحطها بنصیحة لم یجد رائحة الجنة.

(۱) حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کیلئے آیا[1] تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت کی نگرانی سپرد فرمائے اور پھر وہ پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔

(۲) وعن الحسن أتینا معقل بن یسار نعوده فدخل عبیدالله بن زیادفقال له معقل اَحدثک حدیثاً سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال مامن

(۲) نیز حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کیلئے ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اتنے میں عبیداللہ بن زیادہ بھی آ گیا، حضرت معقل رضی

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ یزید کے عہد حکومت کا واقعہ ہے

والٍ يلي رعية من المسلمين فيموت وهو غاش الاحرم الله عليه الجنة.	اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے ارشاد فرمایا" جو حکمران بھی مسلمانوں کی کسی رعیت کا حاکم ہو اور پھر اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دغابازی کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردے گا۔"

"صحیح مسلم" میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی س روایت میں اتنا اضافہ اور ہے:۔

لوعلمت ان لي حياة ماحدثتک به [1]	اگر میں سمجھتا کہ میری ابھی زندگی باقی ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان ہی نہ کرتا۔

اور دوسری روایت میں ہے:

لولا إني في الموت لم احد ثك به [2]	اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے بیان بھی نہ کرتا۔

یہ جدیث "صحیح مسلم" میں "کتاب الایمان" میں بھی اور "کتاب الامارہ" میں بھی، صحیح مسلم کے ایک طریق میں اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو سن کر ابن زیادہ حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا۔

الاكنت حدثتني هذا قبل اليوم، قال ماحد ثتک أولم أكن لاحدثک	یہ حدیث آپ نے مجھ کو آج سے پہلے کیوں بیان نہیں کی، فرمایا! بس میں نے تم سے بیان نہ کی یا میں تم سے بیان کرنے والا نہ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے:۔

---

[1] ج ۲ ص ۱۳۲ [2] باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر

كان يخشى بطشه فلمانزل به الموت أراد ان يكف بذالك بعض شره عن المسلمين.[1]

وہ ابن زیاد وبدنہاد کی سخت گرفت سے ڈرتے تھے، جب موت کا وقت آ گیا تو چاہا کہ اس طرح ہی مسلمانوں پر سے اس کے شر کو کچھ دفع کیا جائے۔

ابن زیاد کی حضرت عبداللہؓ بن مغفل کے ساتھ بدتمیزی: یہ حضرت مغفل بن یسار مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں یاد رہے کہ ان سے پہلے بھی اسی قبیلے کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آ چکا ہے جس کی تفصیل امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے بایں الفاظ مروی ہے۔

(۲) عن الحسن قال لما قدم علينا عبيدالله بن زياد اميره أمرة علينا معاوية غلاماً سفيهاً يسفك الدماء سفكاً شديداً وفينا عبدالله بن مغفل المزني فدخل عليه ذات يوم فقال له إنته عما اراک تصنع فقال له وما انت وذاک فقال ثم خرج الى المسجد فقلنا له ما كنت تصنع بكلام هذا السفيه على رؤس

حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ جب ہمارے پاس عبیداللہ بن زیاد امیر بن کر آیا، اس کو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم پر والی بنا کر بھیجا تھا یہ ایک بے وقوف چھوکرا تھا جو نہایت بے دردی سے لوگوں کا خون بہایا کرتا تھا اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں زندہ تھے، وہ ایک روز اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمانے لگے کہ ”جو کچھ میں تمہیں کرتے دیکھ رہا ہوں اس سے باز آ جاؤ“ اس نے اس نصیحت پر حضرت ممدوح کو یہ جواب دیا کہ تم اس سے منع کرنے

[1] ج ۱۳ ص ۱۱۳

الناس؟ فقال انه كان عندی علما فاجبت أن لاأموت حتی اقول به علی رؤس الناس، ثم قام فما لبث ان مرض الذی توفی فیه فأتاه عبیدالله بن زیار یعوده فذکر نحو حدیث الباب[1]

والے کون ہوتے ہو؟ پھر حضرت ممدوح مسجد میں تشریف لائے تو ہم نے ان سے عرض کیا آپ برسرِعام اس بے وقوف کے منہ لگ کر کیا کریں گے؟ فرمایا میرے پاس علم تھا سو مجھے یہ پسند آیا کہ جب تک اس کو برسرِعام بیان نہ کردوں موت کے منہ میں نہ جاؤں، پھر آپ جیسے ہی اٹھے مرض الموت نے آپ کو آلیا، اسی بیماری میں عبداللہ بن زیادہ بھی آپ کی عیادت کے لیے آیا اور آپ نے اسی مضمون کی حدیث اس کو بیان کی جو اس باب میں مذکور ہے۔

ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمرو کے ساتھ بدتمیزی: (۳) اسی سلسلہ کا ایک واقعہ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ابن زیاد کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہا تو اس بدنہاد نے بجائے اس کے کہ ان کی نصیحت کا کچھ اثر لیتا الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کردیا۔ یہ واقعہ حسب ذیل ہے۔

إن عائذ بن عمرو، وکان من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم. دخل علی عبیدالله بن زیاده فقال ای بنی انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ان شرالرعآء الحطمة، فایاک ان تکون منهم،

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، عبیداللہ بن زیاد کے پاس آکر فرمایا بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے: حکمرانوں میں سب سے برا وہ ہے جو لوگوں کو پیس مارے'' تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہو، یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں)

---

[1] فتح الباری ج ۱۳، ص ۱۱۳

فقال له: اجلس فانما انت من نخالة إصحاب محمد صلى الله عليه وسلم: فقال وهل كانت لهم نخالة انما كانت النخالة بعدهم وفي غيرهم.[1]

بیٹھ جاؤ، تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بھوسی ہو! یہ جواب سن کر حضرت عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحابہؓ میں بھی بھوسی تھی؟ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں ہے اور ان میں کہ جو صحابی نہیں ہیں۔

ابن زیاد کا حضرت ابوبرزہ کا مذاق اڑانا: (۴) اور اسی نوع کا ایک اور واقعہ سنن ابوداؤد میں یہ منقول ہے:

حدثنا مسلم بن ابراهيم نا عبدالسلام بن ابی حازم ابوطالوت قال شهدت ابابرزة رخل على عبيدالله بن زياد فحدثني فلان سماه مسلم. وكان في السماط. قال فلما راه عبيدالله قال ان محمد يكم هذا الدحداح ففهمها الشيخ فقال " ماكنت أحسب أني أبقى في قوم يعيروني بصحبة محمد صلى الله عليه وسلم " فقال له

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا کہ ہمیں ابوطالوت عبدالسلام بن ابی حازم نے بتلایا کہ میں اس وقت موجود تھا جب حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس تشریف لے گئے تھے چنانچہ مجھ سے فلاں[2] صاحب نے بیان کیا، ابوداؤد کہتے ہیں ہمارے استاد مسلم نے تو ان کا نام بھی بیان کیا تھا (مگر میرے ذہن میں اتر گیا) جو اس وقت مجلس میں موجود تھے ان صاحب کا بیان ہے کہ جیسے ہی عبیداللہ کی نظر حضرت پر پڑی کہنے لگا (لو یہ) " تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا " (آ گیا)۔ شیخ (حضرت) نے اس کی بات سمجھی تو فرمانے لگے " میں نہیں سمجھتا

---

[1] ج ۲ ص ۱۲۲

[2] یاد رہے کہ مسند احمد میں ان کا نام عباس جریری آتا ہے۔

عبیدالله " ان صحبة محمدصلى الله عليه وسلم لك زين غير شين"ثم قال إنما بعثت إليك لأسئلك عن الحوض سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر فيه شيئاً قال ابوبرزة نعم لا مرة ولا ثنتين ولا ثلاثاً ولا أربعًا ولا خمسة فمن كذب به فلا سقاه الله منه ثم خرج مغضباً[1]

تھا کہ میں نے اس قوم کے وجود میں آنے تک باقی رہوں گا کہ جو مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر عار دلائے گی۔" اب عبیداللہ نے (بات بدل کر) ان سے کہا" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو آپ کے لئے زینت ہے۔ باعثِ عیب نہیں" پھر کہنے لگا" میں نے آپ کی طرف اس لیے بھیجا تھا کہ آپ سے حوض کے بارے میں سوال کروں کہ کیا آپ نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے، حضرت ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ہاں۔ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں [illegible]عہ نہیں، پانچ دفعہ نہیں، جو حوض کا انکار کرے اللہ تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے۔ اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں اس کے پاس سے چلے آئے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" میں فرماتے ہیں کہ:

"عبیداللہ بن زیادہ فساق میں سے تھا۔ اس لیے اس نے بطور تمسخر آپ کو "وحداح" یعنی ٹھگنا موٹا کہا تھا مگر آپ نے اپنے بارے میں تو اس کے اس طنز پر التفات نہ فرمایا، البتہ اس نے "محمدی" کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا اس پر آپ کو غصہ آ گیا کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کی اہانت نکلتی ہے۔[2]

یہ تھا ابن زیاد کا طرزِ عمل صحابہ کرام کے ساتھ اور عترتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نے جو ظلم وستم ڈھایا وہ معلومِ خاص وعام ہے۔

---

[1] کتاب السنۃ باب فی الحوض [2] ج ۵ ص ۲۲۶ طبع دہلی

ابن زیدہ بدنہاد تھا: ان سب باتوں کے ساتھ ابن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا، بلکہ ولد الزنا تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے دوسرے کو اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین نے اس کے اس فعل پر نکیر بھی کی۔[1] ان میں خود زیادہ کے ماں شریکی بھائی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت ہے۔

لما ادعى زياد لقيت ابا بكرة فقلت له ماهذا الذى صنعتم؟ إنى سمعت سعد بن أبى وقاص يقول سمع أذناى من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول "من ادعى أبًا فى الاسلام غير أبيه يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام" فقال أبوبكرة وأنا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم[2]

جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا گیا (کہ وہ ابوسفیان کی اولاد ہی) تو میں (اس کے ماں جائے بھائی) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آ کر ملا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے یہ کیا کیا (مطلب ان کے خاندان والوں سے تھا) میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام میں جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کو باپ بتائے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا باپ یہ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔" یہ سن کر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ خود میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے

اس سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم کا نفاذ

[1] ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۶

[2] ج ۱ ص ۵۷ کتاب الایمان باب بیان حال من رغب عن ابیہ وہو یعلم

کرنے کے لئے کیسے کیسے بدسرشت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا، یزید کو تجربہ ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مروان کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ نہ ہوسکا اس لیے اس نے اس کام کو سرانجام دینے کے لیے اس شقی ازلی ابن زیادہ بدنہاد کا انتخاب کیا اور اخر اس نے ایسا کرکے بتلا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین عینی نے ابن زیادہ کی ان ہی حرکات ناشائستہ کے سبب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس کو ''لعین'' کہا ہے۔۱؎

یزید کی مدینہ منورہ پر فوج کشی: پھر یزید نے ۶۳ ہجری میں حرم نبوی پر فوج بھیج کر مدینہ پاک کی حرمت کو جس طرح خاک میں ملایا اور اہل مدینہ پر جو ستم ڈھایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک الگ خوں چکاں باب ہے، جس میں مدینہ طیبہ کے گلی کوچے صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مدارج النبوۃ'' میں لکھتے ہیں:

وواقعہ حرہ از اشنع شنائع است کہ درزمان یزید واقع شدہ۔ وقد ذکرناہ فی ''تاریخ المدینۃ''۲؎

اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے بہت ہی برے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جس کو ہم نے ''تاریخِ مدینہ'' میں بیان کیا ہے۔

بیرون مدینہ منورہ مشرقی جانب جو سنگستانی علاقہ ہے، جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے۔ اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے۔ واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانہ قدیم میں یہاں آ کر رہ پڑا تھا۔ اسی مقام پر انصار مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔

واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی: صحیح بخاری میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

أشرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار

۱؎ ملاحظہ ہو ج ۷ ص ۶۵۶ طبع است۔ ۲؎ ج ۱ ص ۲۰۶ طبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۴

علی أطلم من أطام المدینة فقال هل ترون ما أری؟ إني لأری مواقع الفتن خلال بیوتکم کمواقع القطر.[1]

مدینہ میں جو گڑھیاں ہیں ان پر تشریف لے گئے اور وہاں ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ نے فرمایا: "کیا تمہیں بھی وہ دکھائی دیتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے مقامات نظر آیا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنوں کے نزول کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی جس سے مراد فتنوں کا بکثرت عام ہوتا ہے۔ یہ پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جو کہ حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی" لکھتے ہیں:۔

وقد ظهر مصداق ذلک من قتل عثمان وهلم جرا ولا سیما یوم الحرة.[2]

چنانچہ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ظاہر ہوا اور پھر سلسلہ چلتا ہی رہا اور بالخصوص حرہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق ہے۔

اس حدیث میں جو "رویت" کا ذکر ہے اس سے رؤیت علمی بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی آپ کے علم میں ان فتنوں کا وقوع لایا گیا تھا اور رویت عینی بھی کہ یہ تمام فتنے عالم مثال میں آپ کو دکھلا دیئے گئے ہوں۔ "فتنہ حرہ" سے کیسی تباہی مچی۔ اس کے بارے میں حضرت سعید بن المسیب کا یہ بیان پڑھیے جو صحیح بخاری میں منقول ہے۔

وقعت الفتنة الأولی یعنی مقتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدر أحداً ثم وقعت الفتنة الثانیة یعني

پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، تو اس نے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی نہ رکھا

---

[1] باب أطام المدینة [2] فتح الباری باب مذکور

الحرہ فلم تبق من اصحابہ الحدیبیۃ أحدًا[۱]

(سب آخر ختم ہوگئے) پھر دوسرفتنہ یعنی جنگ حرہ جب واقع ہوئی تو اس نے اصحاب بیعت الرضوان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

حرہ کے مظالم کی تفصیل: اور امام دارمی اپنی ''سنن'' میں روایت کرتے ہیں:

أخبرنامروان بن محمّد عن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان أیام الحرۃ لم یؤذن فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعد بن المسیب من المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم[۲]

سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ''جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت البتہ حضرت سعید بن المسیب نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا۔ (وہ وہیں چھپے رہے) اور وہ بھی نماز کا وقت صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے وہ سنا کرتے تھے۔

جنگ حرہ کا سبب یہ تھا کہ جب انصار مدینہ نے یزید کی مے خواری وبدکرداری کے سبب اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تین دن تک مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لئے حلال کردینا۔ ان دنوں فوج کے لئے کھلی چھٹی ہے جو چاہیں وہاں کرتے پھریں اس مدت میں کسی کی جان ومال کو امان نہیں چنانچہ جیسا کہ امام طبری نے بسند نقل کیا ہے۔

---

[۱] ج ۲۔ ۵۷۳ [۲] باب ما اکرم اللہ تعالیٰ بنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ

فقتلَ جماعة صبراً منهم معقل بن سنان ومحمد بن أبی الجهم بن حذیفة ویزید بن عبدالله بن زمعة وبایع الباقین علی أنهم خول لیزید.

اس مسلم نے ایک جماعت کو زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دیا جس میں حضرت معقل بن سنان محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔

اور حافظ ابوبکر بن ابی خیثمہ بسند صحیح جویریہ بن اسماء سے ناقل ہیں:

وقتل من قتل وبایع مسلم الناس علی أنهم خول لیزید یحکم فی دمائهم و اموالهم واهلهم بماشاء

اور جن کو قتل ہونا تھا وہ قتل کر دیئے گئے تو مسلم نے لوگوں سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔ ان کی جان و مال، بیوی بچوں کے بارے میں یزید جو چاہے حکم کرے۔

اور امام طبری نے اپنی معجم میں بطریق محمد بن سعید بن رمانہ، اس بیعت کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

فلما کان من خَلافهم علیه ما کان فوجهه فأباحها ثلاثاً ثم دعا هم إلی بیعة یزید وأنهم أعبدله قنٌ فی طاعة الله ومعصیته

پھر جب اہل مدینہ سے یزید کی جو مخالفت ظاہر ہونی تھی ظاہر ہوئی تو یزید نے مسلم کو ان کی طرف بھیجا اس نے آ کر تین دن تک مدینہ کو حلال کر دیا (کہ فوج کے لئے اہالیان مدینہ پر ہر قسم کے ظلم وستم کی کھلی چھٹی تھی) پھر لوگوں کو یزید کی بیعت کے لئے اس شرط پر دعوت دی کہ وہ یزید کے زرخرید غلام ہیں اور اللہ کی اطاعت ہو یا معصیت دونوں صورتوں میں اس کا حکم بجالانا ضروری ہے۔

اور امام طبرانی ہی نے حضرت عروہ بن زبیر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ:

فوجه يزيد مسلم بن عقبة في حبيش أهل الشام وأمره أن يبدأبقتال اهل المدينة ثم يسيرإلى ابن الزبير بمكة. قال فدخل مسلم بن عقبة المدينة وبها بقايا من الصحابة فاسرف في القتل ثم سارإلى مكة فمات في بعض الطريق.[1]

پس یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامی فوجوں کے ساتھ روانہ کیا اور اس کو یہ حکم دیا کہ پہلے اہل مدینہ سے قتال کرنا پھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لڑنے کے لئے مکہ معظمہ کا رخ کرنا۔ عروہ کا بیان ہے کہ مسلم بن عقبہ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی اس (مردود) نے نہایت بے دردی سے ان کا قتل عام کیا، اور پھر مکہ معظمہ کی طرف چل پڑا مگر راہ ہی میں اس کو پیکِ اجل نے آلیا۔

یاد رہے کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس کو تاریخ میں اس کے ظلم وستم کی وجہ سے "مسرف" یا "مجرم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں "حرہ واقم" کے تحت لکھا ہے کہ فتنہ حرہ میں لشکر شام کے ہاتھوں

"موالی میں سے ساڑھے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو اور بعض سترہ سو بتاتے ہیں اور قریش میں سے تیرہ سو حضرات تہ تیغ کردیے گئے۔ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر لوگوں کے اموال لوٹے، اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا۔"

اور مخدرات عصمت کی جو عصمت دری ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے قلم بھی شرماتا ہے۔

حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری! پھر یزید کی ہدایت کے بموجب اس لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جاکر حرم الٰہی کا محاصرہ کرلیا، مجرم خبیث تو راستہ ہی میں مرگیا تھا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی چنانچہ اسی کی زیر کمان منجنیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی، مجرم نے ذی الحجہ

[1] ان سب حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۳، ص ۶۰، ۶۱

۶۳ھ میں مدینہ میں داخل ہوکر اس کو تباہ وتاراج کیا تھا۔[۱] حصین بن نمیر نے صفر ۶۴ھ میں کعبہ شریف پر گولہ باری کی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنبہ کے وہ دونوں سینگ بھی جل کر خاکستر ہوگئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آرہے تھے یہ اسی دنبہ کے سینگ تھے جو آپ کی قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا۔[۲] اس کے بعد پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یزید کو مزید مہلت نہ ملی اور وہ بھی اسی واقعہ کے کچھ دن بعد اسی سال ۱۵ ربیع الاول کو مر گیا۔

یزید کا انجام بد: امام بخاریؒ نے ''الجامع الصحیح'' میں باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں'' باب إثم من کاداھل المدینة'' یعنی جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا بیان، اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لایکیداھل المدینة أحدإلا انماع کما ینماع الملح فی الماء

جو شخص بھی اہل مدینہ پر داؤ چلائے گا وہ اسی طرح گھل جائے گا جس طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص وابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں:

من أراد أھل المدینة بسوء أذابه الله کما یذوب الملح فی الماء[۳]

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو اسی طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح کہ نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے

---

[۱] یعقوب بن سفیان فسوی نے واقعہ حرہ کی تاریخ ذی قعدہ ۶۳ھ بیان کی ہے (فتح الباری)

[۲] تاریخ الخلفاء از امام سیوطیؒ، تذکرۂ یزید بن معاویہ

[۳] باب تحریم اردۃ اہل المدینہ بسوء وان من ارادھم بہ اذابہ اللہ

محدث قاضی عیاض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

کماانقضی شان من حاربها أیام بنی امیه مثل مسلم بن عقبة فانه هلک فی منصرفه عنها ثم هلک یزید بن معاویة مرسله علی أثر ذلک[1]

جس طرح کہ ان لوگوں کی شان (وشوکت) ختم ہوکر رہ گئی جنہوں نے بنوامیہ کے عہد حکومت میں اہل مدینہ سے جنگ کی تھی جیسے مسلم بن عقبہ کہ وہ اسی جنگ سے پلٹتے ہی ہلاک ہوگیا اور پھر اسی طرح اسی مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت کے منہ میں چلا گیا۔

اور امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من أخاف أهل المدینة ظالماً لهم أخافه الله و کانت علیه لعنة الله.

جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر خوف کو مسلط کردے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی مضمون کی روایت آتی ہے۔[2]

خود فیصلہ کیجئے: ہم نے یزید پلید اور اس کے عمال بداعمال کے سلسلہ میں "صحیح بخاری" کی احادیث میں جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کردیا ہے۔ اب ان احادیث کی روشنی میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس کے جنتی ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے یا اس کے اعمال بد پر نفرین کرنا، واقعی اگر وہ غزوۂ قسطنطنیہ میں شہید ہوجاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی، لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی تھی کہ

---

[1] شرح صحیح مسلم از امام نووی ج ۱ ص ۴۴۱

[2] ان دونوں روایتوں کے لئے ملاحظہ ہو (فتح الباری ج ۸ ص ۸۱)

وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے جب تک کہ اس کے ہاتھوں حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کی حرمت پامال نہ ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عترت پیغمبر الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ سوچیے اور خوب سوچیے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کاموں پر ہوا تو وہ لعنت کا مستحق ٹھہرے گا یا جنت کا حقدار؟

امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا: اسی لیے امام جلال الدین سیوطی جیسے محتاط بزرگ کے قلم سے ''تاریخ الخلفاء'' میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:

لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً [1]	اللہ تعالیٰ قاتل حسین پر لعنت کرے اور اسی کی ساتھ ابن زیاد اور زید پر بھی

اور عالم ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی ''شرح عقائد نسفیہ'' میں لکھتے ہیں

والحق ان رضایزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلھا احادا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ [2]	اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا، ان تمام امور کی تفصیلات گو بطریق احاد مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں۔ اس لیے ہمیں تو اس کے بارے میں کیا، اس کے ایمان کے بارے میں بھی کوئی تردد نہیں، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو اور اس سلسلے میں اس کے اعوان وانصار پر بھی

ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب وعذاب سے بری ہیں: اصل بات یہ

---

[1] ص ۲۰۷ [2] ص ۱۴۷، طبع مصر

ہے کہ جس طرح رافضی اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اسی طرح یہ ناصبی بھی اپنے خلفاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ روز قیامت حساب وکتاب سے بری ہیں اور ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا، چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی نے ''دول الاسلام'' میں اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب یہ متولی خلافت ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر چلنا چاہئے اس پر چالیس شیوخ مملکت نے اس کے سامنے آکر یہ شہادت دی کہ:

ان الخلفاء لا حساب علیهم ولا عذاب [۱] — خلفاء کا نہ حساب ہوگا نہ ان پر عذاب ہوگا

حافظ ذہبی کا بیان ہے:

وطائفة من الجهال الشاميين يعتقدون ذلك [۲] — شام کے جاہلوں کی ایک جماعت کا یہی اعتقاد ہے۔

یزید بن عبدالملک کے بڑے بھائی ولید بن عبدالملک کا بھی یہی عقیدہ تھا، چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنے تفسیر [۳] میں ابراہیم بن ابی زرعہ سے روایت کیا ہے کہ ولید نے ان سے دریافت کیا:

أيحاسب الخليفة؟ — کیا خلیفہ سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔

ابراہیم نے جواب دیا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ زیادہ مکرم ہیں یا حضرت داؤد (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت وخلافت دونوں عطا فرمانے کے بعد یہ وعید سنائی ہے کہ:

يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ — اے داؤد ہم نے تجھ کو ملک میں خلیفہ کیا، سو تو لوگوں میں انصاف سے حکومت کر اور اپنے جی کی خواہش پر نہ چل کہ وہ

---

[۱] حافظ سیوطی نے بھی ''تاریخ الخلفاء'' میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ص ۲۴۶

[۲] ج ۲ ص ۵۵ [۳] ملاحظہ ہو ''تاریخ الخلفاء'' ص ۲۲۳

سَبِيْلِ اللّٰه اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۔[1]

تجھ کو اللہ کی راہ سے ہٹادے، جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس بنا پر کہ انہوں نے حساب کا دن بھلادیا۔

اور خود یزید بھی جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تصریح سابق میں گزری چونکہ مرجئہ کا عقیدہ رکھتا تھا اس لئے اس کا بھی یہی عقیدہ ہوگا۔

موجود ناصبی جو روافض کی تقلید میں اپنے منہ پر تقیہ کا نقاب ڈال کر اہلسنت بنے ہوئے ہیں اور مساجد میں ان کی امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں چونکہ اپنے بزرگوں کے اس عقیدہ کا برملا اظہار نہیں کرسکتے اس لیے وہ طرح طرح کی ابلہ فریبیوں کے ذریعہ اپنے مزعومہ امام برحق اور خلیفہ راشد سیدنا یزید کے جنتی ہونے کی خود بھی شہادت دیتے اور دوسروں سے بھی شہادت دلوانا چاہتے ہیں لیکن کوئی سنی جس کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کی ہے ان کے فریب میں آکر جس طرح حضرات عشرہ مبشرہ اور سادات فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنتی مانتا ہے یزید کو کیسے جنتی کہہ سکتا ہے؟ سچ پوچھئے تو اس بارے میں ناصبی رافضیوں سے بھی زیادہ کھوٹے نکلے کیونکہ یہ تو یزید جیسے فاسق وفاجر اور سفاک وظالم کو اپنا امام معصوم کہتے ہیں وہ تو سب اولیاء کبار اور اخیار امت ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک نہ رافضیوں کا غلو اپنے ائمہ کے بارے میں صحیح ہے اور نہ ناصبیوں کا، دونوں صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔ نہ ائمہ اثناعشر معصوم ہیں نہ یزید کا شمار بھلے آدمیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ آمین

---

[1] پ ۲۳ سورۃ ص ۳۸/۲۶

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ " بہت سے صحابہ کرامؓ نے یزید سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے اگر یزید کا فرمایا فاسق وفاجر اور شرابی اور زانی اور دشمنِ دین ہوتا تو یہ حضرات اس کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر وفسق نوازی اور فجور وبددیانتی کی سرپرستی وتعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت کی گئی ۔ نہ وہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہوتا۔ پھر ایک جماعت صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہیے کیونکہ اقتدار سے ٹکر لینا آسان کام نہیں اس سے سخت خونریزی ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقتدار کی منتقلی میں کامیابی نہ ہو اور مزید ظلم وتشدد بڑھ جائے چنانچہ شمس الائمہ سرخسی "شرح سیر کبیر" میں فرماتے ہیں:

وعن جماعة من الصحابة رضي الله تعالٰى عنهم قالوا: اذا عدل السلطان فعلى الرعية الشكر وللسطان الا جر وإذجار فعلى الزعية الصبر وعلى السلطان الوزر [1]

اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب سلطان عدل کرے تو رعایا کو شکر کرنا چاہیے اور سلطان کو اس کا اجر ملے گا، اور اگر وہ ظلم کرے تو رعایا صبر کرے اور سلطان پر اس کا گناہ ہوگا۔[1]

صحابہ یزید کے درباری نہ تھے: اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یزید کے درباری تو تھے نہیں، اور نہ ان کو یزید کے ساتھ خلوت وجلوت میں رہنے کا موقعہ ملا تھا جو یزید کے کرتوت ان کو معلوم ہوتے۔

---

[1] ج اص ۱۰۸ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

چنانچہ علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ہی ''شرح سیر کبیر'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ

وقدروی انه لما ولی یزید بن معاویة قال ابن عمرإن یکن خیرا شکرنا وان یکن بلاءً صبرنا. ثم قرأقوله تعالیٰ: فَاِنۡ تَوَلَّوۡفَاِ نَّمَاعَلَیۡهِ مَاحُمِّلَ وَعَلَیۡکُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ۱
(القرآن آیت نمبر۵۴ س ۲۴)

اور یہ بھی مروی ہے کہ جب یزید بن معاویہ حکمران ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''اگر یہ بھلا ہوا تو ہم شکر کریں گے، اور اگر بلا ہوا تو ہم صبر سے کام لیں گے۔'' پھر آپ نے یہ ارشاد باری نقل فرمایا (پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے ذمے ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا)

کفر وفسق کی سرپرستی تو جب ہوتی کہ جب یہ صحابہؓ یزید کے ساتھ اس کی بری حرکات میں شریک ہوتے ''خلیفہ فاسق'' کا حکم یہی ہے کہ اگر کسی طاعت کا حکم دے تو اس کی اطاعت کی جائے اور معصیت کا حکم دے تو اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو ہدایت فرمائی تھی وہ ''جامع ترمذی'' اور ''سنن نسائی'' میں بایں الفاظ

وعن کعب بن عجرة قال قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، أعیذک باللّٰه من امارة السفهاء قال وما ذاک یارسول اللّٰه قال امراء سیکونون من بعدی من دخل علیهم فصد تهم بکذبهم واعانهم علی ظلمهم فلیسوا

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں امارت سفہاء سے تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ امارت سفہاء کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کچھ امراء میرے بعد عنقریب ہوں گے، جس نے ان

۱ ج ۱ ص ۱۰۸ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن

منی ولست منهم ولن یردواعلی الحوض ومن لم یدخل علیهم ولهم یصدقهم بکذبهم ولم یعنهم علی ظلمه فاولئک منی وأنامنهم واولئک یردون علی الحوض. (رواه الترمذی والنسائی) [۱]

کے دربار میں جاکر ان کے جھوٹ کی سچ بتایا اور ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی نہ ان کا تعلق مجھ سے ہے اور نہ میرا تعلق ان سے، اور نہ وہ کبھی حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ اور جو ان کے دربار میں داخل نہ ہوا اور نہ ان کے کذب کی اس نے تصدیق کی اور نہ ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی سو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور یہی لوگ ہیں جو حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی چنانچہ ان کا انتقال یزید کی امارت سے پہلے ہی ۵۰ھ کے بعد ہوگیا تھا، اور ''سنن ابی داؤد'' میں

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الجهاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر والصلوٰة واجبة علیکم خلف کل مسلم برا کان اوفاجر وان عمل الکبائر والصلوٰة واجبة علی کل مسلم براکان اوفا جرا وان عمل اکبائر. [۲]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد تم پر ہر امیر کی معیت میں واجب ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ مرتکب کبائر ہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی تم پر ہر مسلمان (امیر) کے پیچھے پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور کبائر ہی کا مرتکب کیوں نہ ہو جب بھی، اور ہر مسلمان پر نماز کا پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اور خواہ کبائر میں مبتلا ہی کیوں نہ ہو۔

---

[۱] مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، فصل ثانی ص ۳۲۲ [۲] رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۰ باب الامامۃ فصل ثانی

یہ شبہ رافضیوں کے شبہ کی طرح ہے: یہ بالکل اسی طرح کا شبہ ہے جیسے کہ روافض کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چونکہ صحابہ ناراض تھے۔ اسلئے کسی صحابی نے بھی ان کی طرف سے کوئی دفاع نہ کیا بلکہ سب صحابہ مسجد نبوی میں اس شخص کے پیچھے کہ جوان باغیوں کا سرغنہ تھا اور اس فتنہ میں جمعہ و جماعت کا امام بن گیا تھا بڑے اہتمام سے نمازیں پڑھتے رہے حالانکہ اس کے پیچھے نماز کا ادا کرنا خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بموجب تھا جو ''صحیح بخاری'' میں ہے۔

وعن عبیداللہ بن عدی بن الخیار أنه دخل علی عثمان وھو محصورفقال إنک امام عامة ونزل بک ماتری ویصلی لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوة أحسن مایعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن مھم وذا أساؤ فاجتنب إساء تھم۔

عبیداللہ بن عدی بن الخیار سے (جن کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرابت بھی تھی) مروی ہے کہ انہوں نے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے ان کی خدمت میں جاکر عرض کیا آپ عامۃ المسلمین کے امام ہیں اور اس وقت آپ کے ساتھ جو معاملہ ہورہا ہے آپ دیکھ ہی رہے ہیں اب فتنہ پردازوں کا امام ہماری امامت کررہا ہے جس سے ہم دل تنگ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''نماز ان تمام اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے جو لوگ انجام دیتے ہیں لہٰذا جب لوگ نیکی کا کام کریں تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے میں شریک ہوجاؤ اور جب برائی کے مرتکب ہوں تو ان کی برائی سے بچتے رہو۔

کیا یزید کے ظلم وستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے؟: اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا ''حادثہ کربلا'' ''واقعہ حرہ'' اور ''حصارِ حرمِ مکہ'' ان تینوں معرکہ ہائے

ظلم وستم میں کوئی صحابی یا کوئی قابل ذکر تابعی شریک ہوا ہے؟ یا اس کی بزمِ مے میں کبھی کسی بھلے مانس نے شرکت کی ہے؟ جو یزید کی فسق نوازی اور فجور وبددینی کی سرپرستی کا ان پر الزام عائد کیا جائے، باقی رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کہ

انا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ	ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے عہد پر بیعت کی ہے

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ ورسول کے حکم کے مطابق ہم نے اس سے بیعت کی ہے۔[2] لہٰذا ہم کسی امیر کی اطاعت میں جادۂ شریعت سے باہر نہیں ہوں گے۔ اس میں یزید کے تقویٰ اور طہارت کا بیان نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں تو ابھی ان کی تصریح گزر چکی ہے کہ:

إن یکن خیراً شکرنا وإن یکن بلاء صبرنا	اگر وہ بھلا ہوا تو شکر کریں گے اور اگر بلا ہوا تو صبر کریں گے

یہ بھی خیال رہے کہ کتاب وسنت پر بیعت کرنے کی پیش کش تو بعض حضرات نے جنگ حرہ کے موقع پر بھی کی تھی۔ پھر یزیدی لشکر کے سپہ سالار مجرم بن عقبہ نے اس پیش کش کی طرح پذیرائی کی اس کی تفصیل حافظ ابن حزم کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات جب بھی موقع ملتا یزید اور اس کے کارندوں کے ظلم وستم پر نکیر کرنے سے چوکتے بھی نہیں تھے۔ چنانچہ پہلے شبہ کی جواب میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی دور پرفتن

---

[1] رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ، فصل ثالث ص ۶۲

[2] چنانچہ علامہ احمد قسطلانی نے "ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری" میں اس کے یہی معنی لکھے ہیں فرماتے ہیں (علی بیع اللہ ورسولہ) ای علی شرط ما امرابہ من بعیة الامام. یعنی جس شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خلیفہ کی بیعت کا حکم دیا ہے۔ اس کے مطابق

کی کس طرح نشاندہی کی اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے پر مروان کو برسرِ منبر کس طرح ٹوکا اور حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرواشدق کو حرام الٰہی پر فوج کشی سے کس طرح روکا اور حضرت معقل بن یسار مزنی نے کس حکمت سے عبیداللہ بن زیاد کو فہمائش کی اور حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس کی سرزنش کی اور حضرت عائذ عمر ورضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس لطف سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس پر اپنے غصے کا اظہار فرمایا: اب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیانات پڑھیے، صحیح بخاری میں ہے:

سمعت عبدالله بن عمروسأله رجل عن المحرم قال شعبة أحسبه يقتل الذباب فقال اهل العراق يسألون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال النبى صلى الله عليه وسلم هماريحاتناى من الدنيا[1]	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو مار ڈالے تو اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے آپ نے فرمایا اہل عراق مکھی کے قتل کرنے کے متعلق دریافت کررہے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر ڈالا جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں۔

یاد رہے کہ یزید کا برادر عم زاد عبیداللہ بن زیاد (اگر زیاد کو واقعی ابوسفیان کا بیٹا تسلیم کیا جائے) یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے عمر بن سعد چار ہزار کا لشکرِ جرار لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لیے آیا تھا اور اسی عراقی لشکر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا۔[2] ابن زیاد بدنہاد نے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے ساتھ جو گستاخی کی تھی اس پر حضرت انس و حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جس طرح اس پر اظہار ناراضگی کیا تھ وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر نے دار قطنی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے، وہ درجِ ذیل ہے:

عن محمد وعبدالرحمن ابن جابر بن عبدالله قالا خرجنا مع ابنيايوم الحرة وقد كف بصره فقال تعس من أخاف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا ياأبت وهل أحد يخيف رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من أخاف أهل هذا الحي من الأنصار فقد أخاف مابين هذين و وضع يده على جنبيه[1]	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں بیٹوں محمد و عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ حرہ کے دن ہم اپنے ابا کے ساتھ باہر نکلے اس وقت آپ کی بینائی زائل ہوچکی تھی آپ نے فرمایا" برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف میں مبتلا کیا۔" ہم نے عرض کیا ابا جان! کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرا سکتا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ" جس نے اس قبیلہ انصار کو ڈرایا اس نے میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان جو چیز ہے (یعنی قلب نبوی) اس کو ڈرایا ہے" اور جس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد ہورہا تھا آپ اپنے دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ ان حضرات کی بیعت کے باوجود جن کا مستفتی نے نام لیا ہے یزیدی لشکر نے حرہ کی جنگ میں ان بزرگوں کے جگر کے ٹکڑوں کو قتل کرنے

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ مناقب الحسن والحسین

[2] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ" شہداء کربلا پر افترا"

سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا، اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت قطعاً نہیں کی تھی، اور پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سب سے اخیر میں بیعت کی تھی۔[۲]

غرض یزید کے دور حکومت میں یا تو صحابہ کرام اس سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ جیسے حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور وہ صحابہ جو جنگ حرہ میں اس کے خلاف لڑے (رضی اللہ عنہم) اور یا پھر اس کو یا اس کے عمال کو ان کے ظلم وستم پر روکتے ٹوکتے، جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت ابوشریح خزاعی (۶) حضرت معقل بن یسار مزنی (۷) حضرت انس بن مالک (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت عبداللہ ابن مغفل (۱۰) حضرت عائذ بن عمر (۱۱) حضرت ابوبرزہ اسلمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوئی صحابہ ہمیں یزید کا ثنا خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ملتا اور نہ اس کی حمایت میں کسی معرکہ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اور یہ ہوتا بھی کس طرح جب کہ یزید کے عہد نحوست مہد کا نقشہ انوری کے اس شعر کے بالکل مطابق تھا۔

بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار
بر کریمانِ جہان گشتہ لئیمان مہتر

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے۔ یہ ہے کہ "حضرت محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ اس پر عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید بھی کی الخ

---

[۱] البدایہ والنہار، ج ۸ ص ۲۲۳

[۲] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸

"مستفتی" کا غلط حوالہ: مستفتی نے اس سلسلہ میں "البدویہ والنہایہ" کا حوالہ "منتقی ص ۲۸۱" سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ "منتقی" حافظ ذہبی کی تصنیف ہے۔ جن کی وفات ۷۴۸ھ میں ہوئی ہے اور "البدویہ والنہار" ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کی اور ان کا سنہ وفات ۷۷۴ھ ہے پھر لطف یہ ہے کہ "منتقی" میں خود اس کے خلاف صاف تصریح ہے کہ:

لم نعتقد انه من الخلفاء الراشدين كما قاله بعض الجهلة من الاكراد[1]	ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یزید خلفاء راشدین میں سے تھا جیسا کہ بعض جاہل کردوں کا عقیدہ ہے۔
ونحن نقول خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم صارت ملكاً كما ورد في الحديث ...... يزيد كان ملك وقته وصاحب السيف كامثاله من المروانية والعباسية	یزید بھی مروانیوں اور عباسیوں کی طرح اپنے وقت میں ایک صاحب شمشیر (وعلم) بادشاہ تھا۔

یاد رہے کہ حافظ ذہبی، یزید کو قطعاً اچھا آدمی نہیں سمجھتے، اور وہ خود ان الزامات کو اپنی تصانیف میں اس پر عائد کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ان کی تصریحات آگے موقع بہ موقع آرہی ہیں۔

ائمہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع: اور حافظ ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" میں جس کا خلاصہ یہی "منتقی" ہے صاف لکھا ہے کہ:

وكذلك كونه عادلاً في كل اموره مطيعاً لله في جميع أفعاله	اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات میں عادل ہونا، اور اپنے تمام افعال میں اللہ

---

[1] ص ۲۷۹ [2] ص ۲۸۱

ليس هذا اعتقاد أحد من ائمة المسلمين. وكذلك وجوب طاعته في كل ماياً مربه وان كان معصية لله تعالىٰ ليس هو اعتقاد احد من ائمة المسلمين[1]	تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ بھی ائمۂ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے، اور اسی طرح یہ بات کہ یزید کی اطاعت اس کے ہر حکم میں واجب تھی خواہ معصیتِ الٰہی کا ہی حکم کیوں نہ دے یہ بھی ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں ہے۔

ہاں منتقی کے محشی الدین خطیب نے (جو کہ پکا ناصبی ہے) اس افسانہ کو ''البدایہ والنہایہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی تردید محدث حرم محمد عربی بتانی نے ''افادۃ الاخیار ببراءۃ الابرار'' میں بڑی تفصیل سے کی ہے۔

حافظ ابن کثیر کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں: اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب ''البدایۃ والنہار'' میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے۔ مثلاً

(۱) ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

كان يزيد في حداثته صاحب شراب يأخذ مأخذ الاحداث[1]	یزید اپنی نوعمری میں پینے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوجوانوں کی سی آزادی تھی۔

(۲) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوٰة	اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات بعض

---

[1] منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۰

فی بعض الاوقات وإما تنتها فی غالب الاوقات وقد قال الامام احمد حدثنا ابوعبدالرحمٰن ثنا حیوۃ حدثنی بشیر بن عمرو الخولانی آن الولید بن قیس حدثه انه سمع ابا سعید الخدری یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه ولم یقول یکون خلف من بعد ستین سنة اضا عوا الصلوٰة واتبعوا الشهوت فسوف یلقون غیا[۲]	نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور اکثر ناوقت پڑھتا تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ سال کے بعد ایسے ناخلف ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے، اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے اور عنقریب غیُ جہنم میں(جو کہ جہنم کی بدترین وادی ہے)داخل ہوں گے۔(الحدیث)

(۳) اور پھر وہ حدیثیں ذکر کرکے جن میں یزید کی مذمت وارد ہے لکھتے ہیں:

قلتُ:یزید بن معاویة اکثر ما نقم علیه فی عمله شرب الخمر ویتان بعض الفواحش	میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ پر اس کی بدکرداری کے سلسلے میں سب سے زیادہ جو الزام عائد کیا گیا گہ ے نوشی اور بعض فواحش کے ارتکاب کا ہے۔

یادرہے یہ سب الزامات وہ ہیں جو صحابہ نے اس پر عائد کئے تھے۔ حافظ ابن کثیر نے ان الزامات سے یزید کی کہیں برات نہیں کی ہے اب ظاہر ہے کہ جب حافظ ابن کثیر خود محمد بن حنفیہ کی اس روایت پر اعتماد نہیں کرتے اور جابجا اس کے

---

[۱] ج ۸ ص ۲۸۸ [۲] ج ص ۲۳۰ [۳] سورہ مریم آیت نمبر ۵۹

خلاف اپنے فیصلے صادر کرتے جاتے ہیں تو پھر ابن الحنفیہ کی نسبت اس قول کی صحت معلوم۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن سے محمد بن حنفیہ کا یہ مکالمہ برات یزید کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے) دونوں صحابی ہیں۔ اب اگر یہ مکالمہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں صحابیوں نے تو یزید پر جھوٹی تہمت جوڑی اور ابن حنفیہ جو کہ صحابی نہیں ہیں ان کی بات سچی نکلی یہ بات مستفتی کا ذہن تو قبول کرسکتا ہے لیکن عام مسلمان کا نہیں۔

اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں: پھر یہ بھی واضح رہے کہ اس افسانے کا ذکر صرف "تاریخ ابن کثیر" میں ملتا ہے اور انہوں نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی کہ اس پر کوئی علمی بحث کی جاسکے۔ اس افسانہ کو نہ امام بابن جرید طبری نے ذکر کیا ہے نہ حافظ ابن الاثیر جزری نے اور نہ کسی اور معتبر مؤرخ نے۔ لہٰذا پہلے محمد بن حنفیہ سے اس مکالمہ کو بسندِ صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر شیہ ظاہر کیا جائے اور بالفرض اس افسانہ کو صحیح مان لیا جائے تب بھی یزید کے بارے میں ابن حنفیہ کی تعدیل وستائش تابعینِ کبار کی جرح کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتی، صحابہ کی جرح کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ پھر صحابہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی تعدیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

فن رجال کا متفقہ فیصلہ، یزید اس کا اہل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے: یاد رہے تاریخ وفن رجال کی تمام کتابوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یزید کی عدالت مجروح ومقدوح ہے اور وہ اس کا اہل نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے چنانچہ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''تقریب التہذیب'' میں فرماتے ہیں:

يزيد من معاوية بن ابى سفيان الاموى ابو خالدولى الخلافة سنة ستين ومات سنة أربع و ستين ولم يكمل الاربعين، ليس بأهل أن يروى عنه

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی ابو خالد ۶۰ ہجری میں متولی خلافت ہوا۔ اور ۶۴ ہجری میں مرگیا، پورے چالیس سال کا بھی نہ ہوسکا یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے کوئی حدیث روایت کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ محمد بن حنفیہ کی طرف اگر اس قول کا انتساب صحیح ہوتا یا کسی بھی صحابی وتابعی سے یزید کی ثنا وصفت منقول ہوتی اور وہ محدثین وائمہ رجال کے نزدیک عادل ہوتا تو فن رجال کا یہ فیصلہ ہرگز نہیں ہوسکتا تھا جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

چوتھا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت واطاعت کا حکم دیا۔

اغانی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا فسق تواتر سے ثابت ہے اس لیے اس کے صالح ہونے کا ذکر اگر کسی روایت میں آئے تو وہ روایت شاذ نا قبول ہوگی، علامہ ابوالفرج اصفہانی نے ''الاغانی'' میں اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان ابن عباس أتاه نعي معاوية وولاية يزيد وهو يعشي أصحابه ويأكل معهم وقد رفع إلى فيه لقمة فألقا ها وأطرق هنيهة ثم قال جبل تدكدک ثم مال بجميعه في الجرواشتمک عليه الابحر لله درابن هند ماكان أجمل وجهه واكرم خلقه واعظم حله فقطع عليه الكلام رجل وقال أتقول هذا فيه فقال: ويحک إنک لاتدري من مضى عنک ومن بقي عليک وسعلم ثم قطع اكلام [۲]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر مرگ اور یزید کے حاکم بننے کی اطلاع پہنچی تو وہ اپنے اصحاب کو شام کا کھانا کھلارہے تھے اور خود بھی ان کے ساتھ کھارہے تھے۔ اس وقت آپ اپنے منہ میں لقمہ ڈالنے ہی والے تھے کہ آپ نے لقمہ رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہے پھر فرمانے لگے کہ ایک پہاڑ تھا جو ریزہ ریزہ ہوکر سارے کا سارا سمندر میں چلا گیا اور اس کے کئی سمندر بن گئے۔[۱] ابن ہند (معاویہ) کے کیا کہنے، اس کا چہرہ کتنا پیارا اس کا اخلاق کتنا...... عمدہ اور اس کا حلم کتنا زیادہ تھا۔ اس پر ایک شخص ان کی بات کاٹ کر کہنے لگا آپ بھی ان کے بارے میں ایسا کہتے ہیں، فرمایا تجھ پر افسوس ہے تجھے پتہ ہی نہیں کہ تجھے چھوڑ کر کون چلا گیا اور تجھ پر مسلط ہونے کے لئے کون باقی رہ گیا، سواب تجھے معلوم ہوجائے گا۔ اتنا کہہ کر آپ نے گفتگو ختم کردی۔

اور مستفتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو کچھ نقل کیا ہے اس کے لئے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک ''الامامۃ والسیاسۃ'' کا دوسرے

---

[۱] حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس موقع پر جورائے ظاہر کی ہے آئندہ ہونے والے واقعات نے اس کی تصدیق کی چنانچہ تقریباً چودہ پندرہ سال تک پھر اموی حکومت کو استحکام نصیب نہیں ہوسکا اور اسلامی دنیا اس عرصہ میں خانہ جنگی میں مبتلا رہی۔

[۲] ج ۱۶ ص ۳۷ طبع دارالفکر بیروت

بلاذری'' کا

''امامۃ والسیاسۃ'' قابل استناد نہیں: ''الامامۃ والسیاسۃ'' قابل استناد کتاب نہیں، معلوم نہیں اس کا مصنف کون ہے۔ مشہور ادیب ابن قتیبہ کی طرف اس کی نسبت جعلی ہے۔

بلاذری کی سند صحیح نہیں: رہا بلاذری تو اس کی سند میں صحت معلوم نہیں ہوتی ایسی روایت ہر حال میں مردود ہے اور اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہو تو سند پیش کر کے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ خود مورخ بلاذری کی ''انساب الاشراف'' میں یزید کا تذکرہ اس کے فسق وفجور کے ذکر سے پر ہے تاہم اس میں بعض ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے ۱۹۴۰ء میں یروشلم سے اس کتاب کو شائع کیا تھا اور انہی یہودیوں کو اتباع میں محمود احمد عباسی جیسے ملحدین نے مسلمانوں میں انتشار فکر پیدا کرنے کے لیے اس قسم کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی۔

بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباس کی آخری رائے کا اعتبار ہوگا: اور بالفرض تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے بارے میں یہی اظہار خیال فرمایا تھا جو اس روایت میں مذکور ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ یزید کا فسق ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی زندہ تھے اور وہ سب کے سامنے نیک بنا رہتا تھا اس لیے ممکن ہے نظر بظاہر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد معاً بعد اس کے بارے میں ایسا اظہار خیال فرمایا ہو۔ بعد کو جب اس کا فسق عالم آشکارا ہوا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت نے اس کے ظلم وعدوان پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود یزید کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا اصل اعتبار اس کا ہوگا۔

یزید اور حضرت ابن عباس کی خط وکتابت: چنانچہ یزید کے نام حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط وکتابت جو کتب تواریخ میں درج ہے وہ دیکھ لی جائے۔ اس سے سب حقیقت عیاں ہوجائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظروں میں یزید کا کتنا احترام تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تھی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے بیعت کرنے سے صاف انکار کردیا اس انکار سے یزید سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت سے انکار کیا ہے اس بات سے خوش ہوکر اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو خط لکھا ہے وہ یہ ہے:

یزید کے خط حضرت ابن عباس کے نام

امابعد: فقد بلغنی أنّ للحد ابن الزبیر دعاک إلی بیعته وانک اعتصمت ببیعتنا وفاء منک لنا فجزاک الله من ذی رحم خیر ما یجزی المواصلین لارحا مهم الموفین بعهم دهم فما أنسی من الأشیاء فلست بناس برک وتعجیل صلتک بالذی أنت له أهل فانظر من طلع علیک من

امابعد: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت کے لیے کہا تھا اور آپ ہماری وفاداری میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے جو وہ ان حضرات کو عطا کرتا ہے جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں سواب میں کچھ بھی بھولوں پر آپ کے اس احسان کو نہیں بھولوں گا اور نہ آپ کی خدمت میں فوراً ایسے صلے کی روانگی کو جو آپ کی

الا فاق ممن سحر هم ابن الزبير بلسانه فاعلمهم بحاله فانهم منک اسمع الناس ولک أطوع منهم للمحمد ۲ ۔

خدمت میں آئے اور ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے اسے متاثر کرلیا ہوتو آپ ابن زبیر کے حال سے اسے آگاہ فرمائیں کیونکہ اس حرم کعبہ کی حرمت کے حلال۱ کرنے والے کی نسبت لوگ آپ کی زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام: یزید کے اس خط کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے:

أمابعد: فقد جاء نی کتابک فاما ترکی بیعة ابن الزبیر فواللہ ماارجوبذالک برک ولا حمدک ولکن اللہ بالذی أنوی علیه وزعمت انک لست بناس بری فاحبس أیها الانسان برک عنی فانی حابس عنک بری وسالت أن أحبب الناس إلیک و أبغضهم واخذلهم لا بن الزبیر فلاولاسرور ولا کرامة کیف وقدقتلت حسیناً وفتیان عبدالمطلب مصابیح الهدی

اما بعد! تمہارا خط مجھے ملا میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری ثنا وصفت کا خواہاں نہیں، بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو اے انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے پاس اٹھا رکھ کیونکہ میں اپنے حسن سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور تم نے جو مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے

---

۱ ابن زبیر مراد ہیں کہ یزید کی بیعت نہ کرنے کے سبب یزید خاک بدہن گستاخی ان کو ملحد اور حرمت کعبہ کو ختم کرنے والا کہتا تھا۔

۲ الکامل از ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰

ونجوم الاعلام غادر تهم
خيولك بأمرك فى صعيد
واحد مرلين بالدماء مسلوبين
بالعراء مقتولين بالظماء
لامكفنين ولا موسدين [1]
تسفى عليهم الرياح وتنتا بهم
عوج الضياع حتى أتاح الله
بقومٍ لم يشركوا فى دمائهم
كفنوهم واجنوهم وبربى بهم
تعززت تسفى عليهم الرياح
وتنتا بهم عوج الضباع حتى
أتاح الله بقوم لم يشركوافى
دمائهم كفنوهم واجنوهم
وبربى بهم تعززت وجلست
مجلسك الذى جلست فما
انسى من الاشياء فلست
بناس اطراد ک حسينا من
حرم رسول الله صلى الله
عليه وسلم إلى حرم الله
ويتسيرک الخيول إليه

یاورمددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں سو ایسا بالکل نہیں ہوسکتا، نہ تمہاری خوشی ہمیں منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز ، اور یہ ہو بھی کس طرح ہوسکتا ہے حالانکہ تم نے حسین کو اور ان جوانانِ عبدالمطلب کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جاچکا تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور بھوکے بجوباری باری سے ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے تا آنکہ حق تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی قوم کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ تھے۔ ان لوگوں نے آ کر ان کو کفن دیا اور دفن کیا حالانکہ بخدا ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھا ہوا ہے ، اب میں خواہ سب چیزیں فراموش کردوں، پر اس بات کو فراموش نہیں کرسکتا کہ تو نے ہی حسین کو مجبور

---

[1] یادرہے الکامل لابن اثیر کے مطبوعہ نسخہ میں یہاں "مرسدین" کے بجائے "مسودین" اور "تنتابهم" کی جگہ "ینشابهم" اور "عوج الصنباع" کی بجائے "عرج البطاح" غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح "مجمع الزوائد" سے کردی ہے۔

فمازلت بذلک حتی أشخصته إلی العراق فخرج خائفاً یترقب فنزلت به خیلک عداوة منک لله ورسوله ولأ هل بیته الذین اذهب الله عنهم الرجس وطهر هم تطهیرا فطلب الیکم الموادعة وسأ لکم الرجعة فا غتنمتم قلة أنصاره واستیصال اهل بیته و تعاونتم علیه کانکم قتلتم اهل بیت من الشرک والکفرفلا شئی أعجب عندی من طتبک ودی وقد قتلت ولدأبی وسیفک یقطر من دمی وأنت أحد ثاری ولا یعجبک إن ظفرت بنا الیوم فلنظفرن بک یوماً[1] والسلام

کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سے حرم الٰہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا رہا اور مسلسل لگا رہا تا آنکہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت میں نکلے کہ ان کو دھڑ کا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جالیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا، رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک وصاف کردیا تھا۔ حسینؑ نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر وہ اس وقت بے یار ومددگار ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال کیا جاسکتا ہے، موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو پس میرے نزدیک اب اس سے زیادہ اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے، حالانکہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے، اور اس خیال میں نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے[2] والسلام

---

[1] کامل ابن اثیر۔ ج ۴ ص ۵۰/۵۱

[2] تاریخ شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشنگوئی پوری ہوکر رہی اور عباسیوں ہی کے ہاتھوں امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

یزید کا یہ خط اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ جواب، مؤرخ بلاذری نے بھی "انساب الاشراف" (ج ۴ ص ۱۸۔۱۹ طبع یروشلم ۱۹۴۰ء) میں نقل کیا ہے۔ لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آخری فیصلہ یزید کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف ہے۔

پانچواں شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے "کتاب الزہد" میں امیر یزید کا ذکر زہادِ وصحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں ذکر کیا ہے جن کے وعظ وفرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

اس کا جواب

ابن العربی کی رائے غزالی کے بارے میں: یہ صحیح ہے کہ حافظ ابوبکر بن العربی، امام غزالی کے شاگرد تھے لیکن خود ان کے دل میں استاد کی جو قدر تھی وہ بھی سن لیجئے۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں ۵۴۵ ہجری کے وفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وممن توفی فیھامن۔۔الاعیان الفقیه ابوبکر بن العربی المالکی شارح الترمذی کان فقیهاً عالماً وزاهدا عابداوسمع الحدیث بعد اشتغاله فی الفقه وصحب الغزالی وأخذعنه و کان یتهمه	اور اس سنہ میں جن بڑے لوگوں کا انتقال ہوا۔ ان میں فقیہ ابوبکر بن العربی مالکی شارحِ ترمذی بھی ہیں۔ یہ فقیہ وعالم اور زاہد وعابد تھے۔ انہوں نے حدیث کا سماع فقہ میں مشغول ہونے کے بعد کیا تھا۔ غزالی کی صحبت میں رہے ان سے

برأى الفلاسفة ويقول دخل في اجوافهم فلم يخرج منها[1]

علم بھی حاصل کیا اور غزالی کو فلاسفہ کی رائے سے بھی متہم کیا کرتے تھے کہا کرتے تھے کہ فلسفہ ان لوگوں کے پیٹوں میں ایسا گھسا کہ پھر نکلا ہی نہیں۔

ابن العربی کا فتویٰ کہ حسینؓ کا قتل جائز تھا: بجا ہے بقول شاگرد، استاد تو فلسفہ کے چکر سے بیماری عمر نہ نکل سکے۔ مگر خود بدولت کو آخر کیا ہوگیا تھا کہ یزید جیسا شقی تو آپ کو اولیاء کبار کی صف میں نظر آیا اور ریحانۃ الرسول، سید شباب اہل الجنۃ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نظر میں ایسے مجرم ٹھہرے کہ جناب نے جھٹ سے یہ فتویٰ صادر فرما دیا کہ:

قتل الحسين بشرع جده[2]

حسین کو ان کے نانا کی شرع کے مطابق قتل کر ڈالا گیا۔

نازم برین فطانت، سمجھ بوجھ ہو تو ایسی ہو۔ غالی ناصبیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ ''منہاج السنہ'' میں لکھتے ہیں:

غلوا الناصبية الذين يزعمون ان الحسين كان خارجياً وانه كان يجوز قتله.[3]

ناصبیوں کا غلو ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کیا اور (اس لیے) ان کو قتل کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر بن العربی ناصبی ہیں: چنانچہ اسی لیے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ''فتاویٰ عزیزی'' میں لکھتے ہیں:

---

[1] ص ۱۲۔ ص ۲۲۸، ۲۲۹

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' مقدمہ ابن خلدون'' ص ۵۲ طبع مطبعہ بہیہ مصر'' العواصم من القواصم ضمن از ابن العربی ص ۲۳۲ طبع قاہرہ ۱۳۷۱ھ

[3] ج ۲ ص ۲۵۶ طبع امیریہ مصر ۱۳۲۱ھ

نواصب فرقہ جدا است، ورائے خوارج درمغرب وشام بسیار بوداہ اند، ومتوکل عباسی ووزیراو وعلی بن جہم نیزاز جملہ نواصب است خوارج جمیع مقاتلین رااز صحابہ ہمچو طلحہ وزبیر وامیرالمومنین علی المرتضیٰ ومعاویہ وعمروبن العاص راتکفیر می کنند، ونواصب محض عداوت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وذریت طاہرہٗ اوشعار خود دارند وازمتاخرین حافظ مغربی نیزناصبی است[1]

"نواصب" "خوارج" سے جدا فرقہ ہے یہ مغرب اور شام میں بہت تھے خلیفہ المتوکل عباسی اور اس کا وزیر علی بن جہم بھی نواصب میں سے تھے، خوارج ان تمام صحابہ کرام کو جن میں باہم جنگ ہوئی یعنی حضرت طلحہ، حضرت زبیر امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) ان سب کو کافر بتاتے ہیں اور "نواصب" نے صرف امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کی ذریتِ طاہرہ کی عداوت کو اپنا شعار بنایا ہے۔ متاخرین میں حافظ مغربی (ابوبکر العربی) بھی ناصبی ہے

کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے وہ امیر یزید نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ ہیں:

اسی ناصبیت کی شامت سے شاید قاضی جی کو وہم ہوگیا اور انہوں نے "کتاب الزہد" میں یزید بن معاویہ کا نام دیکھتے ہی اس کو اپنا ممدوح امیر یزید سمجھ لیا، یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں جو مشہور عابد وزاہد گزرے ہیں ان کا تذکرہ "تہذیب التہذیب" وغیرہ کتبِ رجال میں مذکور ہے۔ ہم ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے حافظ جمال الدین مزی کی "تہذیب الکمال" سے ان کا پورا ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے وہ لکھتے ہیں:

---

[1] ج ا ص ۱۰۷ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ

يزيد بن معاوية النخعي الكوفي ذكر ابوبكر بن أبي خيثمه انه معدود في العباد هو و عمروبن عتبة بن فرقدوربيع بن خثيم وهما بن الحارث و ومعصد الشيباني وجندب بن عبدالله وكميل بن زياد النخعي واويس القرني، وحكى عن عبدالرحمن بن يزيد النخعي قال خرجنا في حبيش نحوفارس فيه علقمة ويزيد بن معاوية فتل يزيد بن معاوية له ذكر في الدعاء من صحيح البخاري في "باب الموعظة ساعة بعد ساعة" في حديث شقيق بن سلمة قال: كنا ننتظر عبدالله اذجاء يزيد بن معاوية فقلنا الاتجلس. الحديث وذكره في التاريخ وى ذكره في التاريخ و ذكره ابن حبان في كتاب الثقات وقال قتل غازياً بفارس [1]

یزید بن معاویہ نخعی کوفی، ابوبکر بن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور عمرو بن عتبہ بن فرقد اور ربیع بن خثیم اور ہمام بن الحارث اور معصد شیبانی اور جندب بن عبداللہ اور کمیل بن زیادہ نخعی اور اویس قرنی ان سب کا شمار عابدوں میں ہے، اور عبدالرحمٰن بن یزید کوفی نخعی سے منقول ہے کہ فارس کی مہم پر ایک لشکر میں ہم بھی روانہ ہوئے تھے اسی لشکر میں علقمہ اور یزید بن معاویہ بھی تھے پھر یزید بن معاویہ اسی مہم میں شہید ہوگئے۔ صحیح بخاری، کتاب الدعاء کے "باب الموعظۃ ساعۃ بعد ساعۃ" میں بروایت شقیق بن سلمہ مذکور ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہر آنے کے منتظر تھے کہ اسی اثناء میں یزید بن معاویہ بھی آگئے ہم نے ان سے عرض کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ابن حبان نے بھی "کتاب الثقات" میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

---

[1] اس کتاب کا عکسی نسخہ "جامعہ علوم اسلامیہ" علامہ بنوری ٹاؤن میں موجود ہے

اب یہ خدا ہی جانے قاضی ابوبکر بن العربی کو اپنی خوش فہمی کی بدولت یہ وہم ہوا ہے یا انہوں نے قصداً ہی مغالطہ دینے کے لیے لوگوں کا ذہن یزید بن معاویہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بجائے (جو طبقہ کبار تابعین میں بڑے عابد وزاہد بزرگ گزرے ہیں) اپنے ممدوح امیر یزید بن معاویہ اموی کی طرف منتقل کر دیا، تاکہ لوگ اس یزید پلید کو بھی حضرت یزید کوفی نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح زہد وعبادت میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمسر سمجھنے لگیں۔

ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا: درحقیقت یہ ویسی ہی ناپاک جسارت ہے جیسی کہ آج کل کے ناصبی حضرت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کرتے ہیں جو مجتہدین اہل سنت میں بڑے نامور امام گزرے ہیں اور انہیں صرف اس لیے رافضی بتاتے ہیں کہ اس نام کا ایک دوسرا رافضی عالم بھی گزرا ہے ان ناصبیوں کو یہ سعی نامحمود صرف اس لیے ہے کہ امام طبری کی تاریخ ''ناصبیت'' کا ساتھ نہیں دیتی۔[1]

مطبوعہ ''کتاب الزہد'' اصل نہیں اس کا انتخاب ہے: واضح رہے کہ حال میں جو ''کتاب الزہد'' امام احمد بن حنبل کے نام سے مطبع ام القریٰ مکہ سے شائع ہوئی ہے، وہ پوری کتاب نہیں بلکہ اس کا انتخاب ہے۔ پوری کتاب جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تعجیل المنفعۃ'' کے مقدمہ میں تصریح کی ہے بڑی ضخیم کتاب ہے جو مسند احمد بن

---

[1] ناصبیت کی طرف میلان کے سبب حافظ مغربی ابوبکر بن العربی اگرچہ تمام مؤرخین اسلام سے نالاں ہیں۔ مگر امام طبری سے ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ تمام مؤرخین اسلام میں اگر ان کو کسی مؤرخ پر اعتماد ہے تو وہ صرف امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ العواصم من القواصم میں نہایت دل سوزی کے ساتھ ان کی تاکید یہ ہے ولا تسمعوا المؤرخ ماالا للطبری (ص۲۴۸) طبری کے سوا کسی مؤرخ کی کوئی بات نہ سنو۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ رافضیوں کے بارے میں حافظ ابوبکر بن العربی سے زیادہ کون حساس ہوگا۔ امام طبری کی تصانیف بالخصوص تاریخ میں اگر رفض کی ترجمانی ہوتی تو وہ اس رائے کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے۔

حنبل کی تقریباً ایک تہائی ہے۔ موجود نسخہ جو اصل کتاب کا انتخاب ہے اس میں "دونوں یزیدوں" کا تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا قاضی جی کی "العواصم" سے اس بارے میں استدلال کرنا محض نادانی ہے۔

یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح: بہرحال حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی طرف اس خرافات کو منسوب کرنا کہ "وہ یزید کو عابد و زاہد مانتے تھے" بہت بڑی جسارت ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

لاينبغي أن يروى عنه	اس سے روایت نہیں کرنا چاہئے

اور حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قيل له أتكتب الحديث عن يزيد بن معاوية قال. لا ولا كرامةً أوليس هوالذى فعل بأهل المدينة ما فعل.[1]	حضرت امام احمد بن حنبل سے عرض کیا گیا کہ کیا یزید بن معاویہ سے حدیث آپ لکھیں گے فرمایا نہیں، اس کی کچھ وقعت نہیں، کیا یہ وہی شخص نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ وہ ظلم کیا جو بیان سے باہر ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "تعجیل المنفعۃ" میں امام احمدؒ کی "کتاب الزہد" اور ان کی "مسند" کے ان تمام رجال کا ذکر کیا ہے جن سے "صحاح ستہ" میں روایتیں نہیں ہیں اس میں یزید بن معاویہ کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

ولم يقع له فى المسند رواية	مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور نہیں
وإنما له مجرد ذكر	صرف اس کا ذکر آیا ہے

پھر فرماتے ہیں:۔

---

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۱۲ ج ۳ طبع ریاض

وقد وقع ليزيد بن معاوية ذكر في الصحيح وفي السنن ايضاً وظفرت له في المراسيل لأبي داود برواية ذكرت له من أجلها تذكرة في تهذيب التهذيب.

یزید بن معاویہ کا "صحیح بخاری" میں بھی ذکر آیا ہے اور سنن میں بھی[1] مجھے اس کی ایک روایت مراسیل ابی داؤد میں ملی ہے جس کی بنا پر میں نے "تہذیب التہذیب" میں اس کا تذکرہ لکھا ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ "تہذیب التہذیب" میں یہ بھی تصریح کردی ہے ولیست له روایة تعتمد (اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل اعتماد ہو) واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تعجیل المنفعۃ" میں تہذیب التہذیب اور لسان المیزان" ان تینوں کتابوں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی "لسان المیزان" سے یزید کا مکمل ترجمہ: ہم "لسان المیزان" سے یزید کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

يزيد بن معاوية بن أبي سفيان الاموي روى عن أبيه، وعنه ابنه خالدوعبدالملك بن مروان، مقدوح في عدالة وليس بأهل أن يرون عنه، وقال احمد بن حنبل لاينبغي أن يروى عنه انتهى وقد وجدت له رواية في مراسيل أبي داؤد ونبهت عليها في

یزید بن معاویہ ابن ابی سفیان اموی اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان نے اس کی عدالت مجروح ہے اور یہ اس کا اہل نہیں کہ اس کی کوئی روایت لی جائے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے روایت نہ کرنا چاہئے (یہاں ذہبی کی عبارت جو "میزان الاعتدال" میں ہے تمام ہوئی) مجھے اس کی ایک روایت "مراسیل ابی داؤد"

---

[1] ذکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے بلکہ سلسلہ کلام میں کہیں اس کا ذکر آ گیا ہے۔

" النكت على الاطراف" واخباره مستوفاة فى " تاريخ ابن عبساكر" وملخصها أنه ولد فى خلافة عثمان وقد أبطل من زعم أنه ولد فى عهد النبوى وكنيته أبوخالد ولما مات أبوه بويع له بالخلافة سنة ستين، وامتنع من بيعته الحسين بن على وعبدالله بن عمرو وعبدالله ابن الزبير رضى الله تعالىٰ عنهم وعاذ بحرم مكة فسمي عائذ البيت وأما ابن عمر رضى الله عنهما فقال إذا اجتمع الناس بايعت وم بايع وأما الحسين رضى الله تعالىٰ عنه فسارا إلى مكة فواقق بيعته أهل الكوفة فسارإليهم بعد أن أرسل ابن عمه مسلم بن عقيل لأخذ البيعة فظفر به عبدالله بن زياد أميرهافقتله

میں ملی، جس پر میں نے " النکت علی الاطراف" میں تنبیہ کردی ہے۔ یزید کے حالات " تاریخ ابن عساکر" میں بتمام وکمال مذکور ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا، اور اس نے غلطی کی جس نے یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں ہوئی تھی۔ اس کی کنیت ابوخالد ہے۔ ۶۰ ہجری میں اپنے والد کے انتقال پر اس سے بیعت خلافت ہوئی، حضرت حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے بیعت نہ کی، اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو حرم مکہ میں پناہ گزیں ہوگئے اور اس بنا پر ان کو " عائذ البیت" کہا جانے لگا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ " جب سب لوگ اس کی بیعت پر مجتمع ہوجائیں گے تو میں بھی بیعت کرلوں گا" بعد کو آپ نے بھی بیعت کرلی۔ رہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر اہل کوفہ کے بیعت کرنے پر آپ ان کی طرف روانہ ہوگئے اس سے پہلے آپ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بیعت لینے کی غرض سے بجانب کوفہ روانہ کرچکے تھے

وجهز الحبيش إلى
الحسين فقتل في يوم
عاشوراء سنة إحدىٰ
وستين ثم إن أهل المدينة
خلعوا يزيد في سنة ثلاث
وستين وجهز إليهم مسلم
بن عقبة المرى في حبيش
حافل فقاتلهم فهزمهم
وقتل منهم خلق كثير من
الصحابة وابناء هم وسبق
اكابر التابعين وفضلائهم و
استبا حها ثلاثة ايام نهبا
وقتلاً ثم بايع من بقي على
أنهم عبيدالله ليزيد ومن
امتنع قتل ثم توجه إلى مكة
لحرب ابن الزبير فمان في
الطريق وعهد الى الحصين
بن نمير فسار بالجيش إلى
مكة فحاصر ابن
الزبيرونصبوا المنجنيق
على الكعبة فوهت اركا
نها ثم احترقت وفي اثنا
ذلك ورد الخبر يموت

وہاں امیر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کا ان پر قابو چل گیا
اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا اور حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف فوج بھیجی چنانچہ آپ
کر بروز عاشوراء ۶۱ ہجری کو قتل کر دیا گیا اس کے
بعد اہل مدینہ نے ۶۳ ہجری میں یزید کی بیعت
توڑ دی تو یزید نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے
مسلم بن عقبہ مری کی سرکردگی میں ایک بھاری
لشکر روانہ کیا، جس نے اہل مدینہ سے جنگ
کرکے ان کو ہزیمت دی، اس جنگ میں صحابہ،
اولادِ صحابہ اور اکابر تابعین میں سر برآوردہ حضرات
اور فضلاء کی ایک کثیر خلقت قتل کر دی گئی، مسلم
بن عُقبہ نے تین دن تک مدینہ شریف کو لوٹ مار
اور قتل وغارت کے لیے حلال کر دیا۔ پھر جو زندہ
بچ گئے ان سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید
کے غلام ہیں اور جس نے بھی بیعت سے انکار کیا
اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس کے بعد مسلم نے مکہ
معظمہ کا رخ کیا تاکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے جنگ کی جائے مگر اسے راہ میں ہی
موت نے آلیا، مسلم نے حصین بن نمبر کو سالار
لشکر کیا تھا چنانچہ یہ لشکر لے کر یہ مکہ معظمہ پہنچا
اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ
کر لیا اس لشکر نے کعبہ کے بالمقابل منجنیق نصب
کرکے اس پر گولہ باری شروع کر دی جس

يزيد ثم مات ابنه معاوية بن يزيد بعد قليل وصفا الجولابن الزبير فدعا إلى نفسه فبايعه اهل الافاق واكثر اهل الشام ثم خرج عليه مروان ب الحكم فكان ما كان. قال أبو يعلى في " مسنده" حدثنا حكم بن موسىٰ قال حدثنا الوليد عن الاوزاعى عن مكحول عن إبى عبيدة بن الجراح رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :" لايزال أمرأمتى قائماً بالسوى حتى يكون أول من يثلمه رجل من بنى أميه يقال له يزيد" وقال أبوزرعة الدمشقى حد ثنا أبوز رعة الدمشقى حدثنا أبونعيم حدثنا شيبان عن ابن المنكدر قال لما جاء ت بيعة يزيد قال ابن عمر

سے کعبہ کی بنیادیں کمزور ہوگئیں اور پھر اس میں آگ لگ گئی۔ اسی اثناء میں یزید کے مرنے کی خبر آئی اور پھر تھوڑی ہی مدت میں اس کا بیٹا معاویہ بن یزید بھی مرگیا۔ اب حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں فضا صاف ہوچکی تھی چنانچہ آپ نے اپنے بیعت کی دعوت دی اور تمام آفاق اور اہل شام کی اکثریت نے آپ سے خلافت پر بیعت کرلی پھر مروان نے آپ کے خلاف خروج کیا اور جو ہونا تھا ہوکررہا۔ امام ابویعلی اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حکم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ولید نے اوزاعی سے حدیث نقل کی، اوزاعی ، مکحول سے راوی ہیں اور مکحول حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا تاآنکہ بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا نام یزید ہے سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالے گا۔ ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ ہم سے ابونعیم نے بیان کیا کہ ہم سے شیبان نے ابن المنکدر سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس یزید کی بیعت کی اطلاع آئی تو آپ نے فرمایا اگر یزید بھلا ہوا تو ہم اسے پسند کریں گے اور بلا ہوا تو

رضی الله عنهما إن کان خیرا رضینا و ان کان بلاءً صبرنا.
وقال ابن شوذب سمعت ابراهیم بن أبی عبدیقول سمت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویة.
وقال یحیی بن عبدالملک بن أبی عتبة حدثنا نوفل بن ابی عقرب قال کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید بن معاویة فقال امیر المؤمنین یزید، فقال له عمر تقول أمیر المؤمنین؟ وأمربه فضربه عشرین سوطاً.

صبر کریں گے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یزید پر رحم کھاتے ہوئے سنا۔ اور یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ کا بیان ہے کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے "امیر المومنین یزید" کے الفاظ نکل گئے تو اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو "امیر المؤمنین" کہتا ہے! اور پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ ۲

قال ابوبکر بن عیاش: بایع الناس له فی رجب سنة ستین ومات فی ربیع الأول سنة ثلاث وستین کذا قال، والصواب فی نصف ربیع الأول سنة اربع و

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ: یزید سے لوگوں نے رجب ۶۰ ہجری میں بیعت کی اور ربیع الاول ۶۳ ہجری میں وہ مرگیا، ان کا یہی بیان ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یزید ۱۵ ربیع الاول ۶۴ ہجری کو مرا

---

۱ یعنی اپنی رحمدلی کی بنا پر اس پر ترس آتا تھا کہ خدا جانے اپنے اعمال بد کی پاداش میں اس کا کیا حشر ہو۔
۲ اس نے یزید کو احتراماً ایسا کہا ہوگا اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی کیونکہ فاسق کی تعظیم اور اس کا احترام ممنوع ہے

كان سنة يوم مات ثمانياً وثلاثين سنة.[1]

ہے جس دن اسے موت آئی اس دن اس کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔

امام احمدؒ کی تصریح کہ یزید ملعون ہے: ظاہر ہے کہ اگر یزید کا ذکر امام احمد کی ''کتاب الزہد'' میں ہوتو تو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جنہوں نے ''کتاب الزہد'' کے تمام رجال پر کام کیا ہے یزید کے ترجمے میں اس کا ضرور ذکر کرتے۔ یزید سے روایت کے بارے میں تو امام احمد رحمہ اللہ نے جو رائے ظاہر کی وہ آپ کی نظر کے سامنے ہے اب وہ مستحق لعنت تھا یا نہیں اس کے بارے میں امام ممدوح کی یہ تصریح پڑھ لیجئے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

قال صالح بن احمد بن حنبل قلت لأبي إن قوما يقولون: إنهم يحبون يزيد قال: يابني: وهل يحب يزيد أحد يؤمن بالله واليوم الآخر؟ فقلت: ياأبت فلما ذا لا تلعنه؟ قال يا بني! اومتى رأيت أباك يلعن أحدًا[2]

صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: بیٹے کوئی شخص بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کرسکتا ہے؟ میں نے پھر عرض کیا ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا بیٹا! تم نے اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے۔

اس روایت میں امام ممدوح نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنے عمل کو بتلادیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا۔ مگر دوسری روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر مظہری'' میں نقل فرمایا ہے

---

[1] لسان المیزان ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۶ ترجمہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی طبع حیدر آباد دکن (انڈیا) ۱۳۳۱ ہجری

[2] مجموع فتاوی ابن تیمیہ ج ۳ ص ۴۱۲

اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرمادی ہے۔ یہ روایت حسب ذیل ہے:

قال ابن الجوزی انه روی القاضی أبویعلی فی کتابه "العتمدفی الامول" بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل انه قال: قلت لأبی یا أبت یزعم بعض الناس انانحب یزید بن معاویة فقال احمد :یابنی هل یسوغ لمن یؤمن بالله أن یحب یزید ولم لا یلعن رجل لعنه الله فی کتابه؟ قلت یا بت! این لعن الله یزید فی کتابه؟ قال: حیث قال: فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم!

ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابویعلی نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول" میں بسند صالح بن احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان! بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: بیٹا! بھلا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو کیا اس کے لیے یہ روا ہوسکتا ہے کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے میں نے عرض کیا ابا جان! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے۔ فرمایا جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے: "پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں، ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے، پھر کردیا ان کو بہرا اور اندھی کردیں ان کی آنکھیں۔

واضح رہے کہ علماء حنابلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول پر ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہار" (ص ۲۲۳ ج ۸) میں جہاں واقعہ حرہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ "ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلماً خوف میں مبتلا کریں۔" وہاں ان کو بیان کرکے فرماتے

---

[1] تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۴۴ طبع دہلی ۱۳۹۶ ہجری [2] سورہ محمد آیت ۲۲۔۲۳

ہیں:

وقد استدل بهذا الحديث وامثاله من ذهب إلى الترخيص فى لعنة يزيد بن معاوية وهو رواية عن احمد بن حنبل، اختار ها الخلال وابوبكر عبدالعزيز والقاضى أبو يعلى وابنه القاضى ابوالحسين وانتصر لذلك ابوالفرج ابن الجوزى فى مصنف مفرد جوز لعنته.

اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ایک روایت میں یہی وارد ہے اور اسی کو خلال، ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابویعلی، اور ان کے صاحبزادے قاضی ابوالحسین نے اختیار فرمایا ہے اور حافظ ابوالفرج ابن الجوزی نے ایک مستقل تصنیف اس بارے میں لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا ہے۔

اب سوچیے امام احمد بن حنبلؒ کی ''کتاب الزہد'' میں اگر اس خلیفہ فاسق یزید بن معاویہ کا ذکر زہاد وعباد میں ہوتا تو اس سے ائمہ حنابلہ امام خلال ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابویعلی، ان کے فرزند قاضی ابوالحسین، حافظ ابن الجوزی اور علامہ ابن تیمیہ جیسے اکابر ائمہ حنابلہ واقف ہوتے یا قاضی ابوبکر بن العربی ناصبی؟

قاضی ابوبکر العربی کی ہجو: قاضی ابن العربی کی اس حرکت پر ہمیں بے اختیار وہ اشعار یاد آ گئے جو ان کی شان میں خلف بن حرادیب نے کہے ہیں فرماتے ہیں:۔

یااهل حمص ومن بها اوصيكم

بالبر والتقوىٰ وصية مشفق

اے حمص کی رہنے والو اور جو بھی وہاں ہوں تم کو ایک مشفق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔

فخذوا عن العربی اسمار الدجی

وخذوا الروایة عن امام متقی

اس ابوبکر ابن العربی سے افسانہائے شب تو سن لو! مگر حدیث کی روایت کسی متقی امام سے ہی کرو۔

ان الفتی حلوا الکلام مھذب

ان لم یجد خبراً صحیحاً یخلق

یہ نوجوان بڑا شیریں کلام اور مہذب ہے اسے اگر صحیح حدیث نہ ملے تو اپنی طرف سے گڑھ لیتا ہے۔

خلف کو ان اشعار کے کہنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ اشبیلہ (واقع اندلس) میں فقہاء کی ایک مجلس جمی ہوئی تھی۔ ابوبکر بن المرجی اور دوسرے حضرات بھی وہاں موجود تھے ابن العربی بھی شریک مجلس تھے، مجلس میں علمی مذاکرہ جاری تھا۔ ''حدیث مغفر'' کا ذکر چھڑا تو ابن المرجی نے کہا کہ یہ حدیث صرف بروایت'' مالک عن الزہری'' معروف ہے اس پر ہماری قاضی جی ابن العربی فرمانے لگے۔

قد رویة من ثلاثة عشر طریقًا غیر طریق مالک — میں نے امام مالک کے علاوہ تیرہ سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

یہ دعویٰ سن کر حاضرین دنگ رہ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت میں درخواست کی براہ کرم ہم کو اس سلسلے میں استفادہ کا موقعہ عنایت فرمایا جائے۔ چنانچہ ابن العربیؒ نے حاضرین سے روایت کو بیان کرنے کا وعدہ تو کرلیا مگر بعد کو کچھ نہ بتا سکے۔ ادیب مذکور نے اسی واقعہ سے متاثر ہوکر ان کی ہجو میں یہ اشعار نظم کر دیئے۔

حافظ ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ میں اس سارے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت هذه حكاية ساذجة لا تدل علی جرح صحيح، ولعل القاضي وهم وسری فكره الی حديث فظنه هذا والشعراء يخلقون الا فک[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سادہ سا واقعہ ہے جو صحیح جرح پر دلالت نہیں کرتا اور شاید قاضی جی کو وہم ہوا اور ان کا خیال کسی اور حدیث کی طرف چلا گیا جس کو وہ یہی حدیث گمان کر بیٹھے اور شعراء تو غلط بیانی کرتے ہی رہتے ہیں۔

ہمیں بھی حافظ ذہبیؒ سے ان کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں جس طرح اس واقعہ میں ان کا خیال اس حدیث میں دوسری حدیث کی طرف منتقل ہوگیا اور وہ اسی حدیث کو تیرہ سندوں سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے۔ ایسے ہی ناصبیت کی نحوست نے حضرت یزید بن معاویہ نخعی کوفیؒ کے نام کو دیکھ کر ان کے دماغ کو اپنے ممدوح یزید کی طرف جو ایک سفاک وظالم بادشاہ تھا پھیر دیا اور یہ اسے اپنے خیال میں عابد وزاہد سمجھ بیٹھے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۹۔

چھٹا شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی فرماتے ہیں" یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر رضا مند تھا اور یزید کو" رحمۃ اللہ علیہ" کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔

یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر صرف قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا الزام نہیں بلکہ اس کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ وہ مے نوش بھی تھا اور تارکِ صلوٰۃ بھی۔ اُس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مدینہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام کرایا، حرم نبوی کی بےحرمتی کی، بیت اللہ کی حرمت کو پامال کیا۔ منجنیق سے عین حرم کعبہ میں گولہ باری کی جس سے کعبہ شریف کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔

امام غزالی کے فتویٰ کی تنقیح: امام غزالی نے اپنے فتویٰ میں ان جرائم کے ارتکاب سے یزید کی برات نہیں کی ہے، نہ اس کی اس سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کی ہے۔ بالفرض مان لیا جائے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا نہ وہ اس کے قتل پر راضی تھا مگر یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت اس کے ہاتھوں نہیں تو اس کی عمال بدٰاعمال کے ہاتھوں میں یقیناً عمل میں آئی ہے۔ پھر جب اُس نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا تھا نہ اس پر راضی تھا تو آخر اپنے عمال میں سے اس سے سلسلہ میں اُس نے کیا باز پرس کی؟ اس کے بارے میں بھی امام غزالیؒ خاموش ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ امر غور طلب ہے کہ" تاریخ ابن خلکان" اُٹھا کر ان کے اس فتویٰ کو اول سے آخر تک پڑھ لیجئے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یزید متقی اور پرہیزگار آدمی تھا، اور نہ یہ ذکر ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حق بجانب تھا۔ اس فتویٰ میں تو صرف دو مسئلوں پر کلام ہے ایک تو یہ کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں کیونکہ امام

غزالیؒ کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں خواہ وہ کافر ہو یا فاسق کچھ یزید ہی کی اس مسئلہ میں تخصیص نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حقیقت کا معلوم کرنا کہ فی الواقع یزید قتل حسینؓ سے راضی تھا۔ سخت دشوار ہے۔ امام غزالیؒ کے اس شبہ کا جواب حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی نے "الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم" میں اجمالی طور پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے، فرماتے ہیں:

ولما حكى ابن خلكان كلام الحافظ عماد الدين هذا أورد بعدهٗ كلاماً رواه عن الغزالى وكلامه ذلك شاهد ببرأة الغزالى من القول بتصويب يزيد فى قتل الحسين وانما تكلم فى مسئليتن غير ذلك احد هما تحويم اللعن ولم يخص يزيد فهو مذهبه فى كل فاسق و كا فر. كما رواه عنه النووى فى "الأذكار" وقدذكر النووى أن ظاهر الاخبار خلاف ذلك وقد أفردت الكلام على ذلك فى كراس. وثنانيها القول بأن العلم برضا يزيدبقتل الحسين

اور جب ابن خلکان نے حافظ عماد الدین کیا ہراسی کے اس فتویٰ کو نقل کیا (کہ جس میں یزید پر لعنت کی اجازت دی گئی ہے) تو اس کے بعد غزالی کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا جو اس امر کا شاہد ہے کہ غزالی قتل حسین کے حق بجانب ہونے میں یزید کی حمایت سے بری ہیں۔ انہوں نے تو صرف دو مسئلوں پر بحث کی ہے۔ جن کا اس بات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ایک یہ کہ کسی پر لعنت کرنا حرام ہے اس میں یزید کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر فاسق اور کافر کے بارے میں ان کی یہی رائے ہے چنانچہ امام نوویؒ نے بھی اپنی "کتاب الاذکار" میں ان کا یہی مذہب نقل کیا اور امام نووی کا بیان ہے کہ ظاہر احادیث اس مذہب کے خلاف ہیں اور میں نے ایک مستقل جزء اس مسئلہ پر تحریر کیا ہے۔ اور دوسرا

متعذر وليس في هذا انزاع ولو أقريزيد بلفظ صريح وسمعنا ذلك منه لم يعلم أن باطنه كما أظهر وقد جهل رسول الله صلى الله عليه وسلم بواطن المنافقين ووكل علم ذل إلى الله تعالىٰ ولكن الحكم للظاهر وقدروى البخارى في صحيحه عن عمر بن الخطابؓ انه قال إن أنا ساكانوا يؤخذون بالوحي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وان الوحي قدا نقطع فمن أظهر لنا خيرا امناه وقربنا وه ليس لنا من سريرته شئي ومن أظهر لنا سوء لم نأمنه ولم نصدقه وان قال ان سريرته حسنة[1]

مسئلہ یہ ہے کہ اس بات کا یقینی علم کہ واقعی یزید قتل حسینؓ سے راضی تھا۔ محال ہے اور ہمیں بھی اس میں نزاع نہیں۔ بالفرض اگر یزید صاف اور صریح الفاظ میں بھی قتل حسینؓ کا مقر ہوتا اور خود بھی اس کی زبانی اس کے اس اقرار کو ہم سن لیتے تب بھی اس کا یقین نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے (کیونکہ اس امر کا امکان بہرحال تھا کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے باطنی حالات سے بیخبر تھے اور آپ نے حقیقت حال کا علم حق تعالیٰ کے سپرد کردیا تھا لیکن شرع کا حکم یہ ہے کہ فیصلہ ظاہر حالات پر کیا جاتا ہے چنانچہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا "عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وحی کی بنا پر لوگوں کی گرفت ہوجاتی تھی اور اب وحی ختم ہوگئی لہٰذا جو شخص بھی ہمارے سامنے خیر کا اظہار کریگا ہم اسے امین سمجھیں گے اور اپنے پاس رکھیں گے اور اس کے باطن کے ہم کچھ ذمہ دار نہیں اور جو ہمارے سامنے بدی کا اظہار کریگا اس کو نہ ہم امین سمجھیں گے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کریں گے اگرچہ وہ یہ کہے جائے کہ میرا باطن بالکل ٹھیک ہے

---

[1] الروض الباسم ج ۲ ص ۴۲ طبع مصر

امام غزالیؒ بزرگ آدمی ہیں وہ تو ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو نہیں کہتے، اور نہ کسی کا فرمعیّن پر لعنت کو روا رکھتے ہیں۔ پھر یزید پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے؟ ان کے نزدیک ہر حال میں مومن کا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا اولی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یزید پر لعنت کرنا کوئی کار ثواب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لے کر اپنی زبان کو گندہ کرے ظاہر ہے کہ اس پر لعنت کی بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہوتو اس میں بالاتفاق ثواب زیادہ ہوگا، مگر یزید پر لعنت کرنے سے اس کا متقی ہونا اور صالح ہونا کہاں سے ثابت ہوگیا؟

میدان کربلا میں حضرت حسینؓ کا آخری خطبہ: خود امام غزالیؒ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری خطبہ جو میدان کربلا میں آپ نے دیا تھا نقل کیا ہے۔ اس سے صورت واقعہ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

لما نزل القوم بالحسين رضى الله تعالىٰ عنه وأيقن أنهم قاتلوه قام فى أصحابه خطيباً فحمد الله واثنى عليه ثم قال نزل من الامر ما ترون وان الدنيا قد تغيرت وتنكرت وأدبر معروفها وانشموت حتى لم يبق منها الا كصبابة الاناء الاخيس[1] من عيش كالمرعى الوبيل ألاترون

جب یزیدی فوج حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل آکر اتری اور آپ کو یقین ہوگیا کہ یہ آپ کو ضرور قتل کرکے رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے سامنے کھڑے ہوکر خطبہ دیا۔ جس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور پھر فرمایا: جو مصیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، دنیا بدل گئی اور اجنبی بن گئی، اس کی خوبی نے پیٹھ پھیر لی اور جلدی سے کھسک گئی۔ اب تو اس میں سے بس صرف اتنا سا باقی رہا ہے جتنا کہ برتن میں سے پی لینے کے بعد اس میں کچھ لگا رہ جاتا ہے اور بس اتنی

[1] ''حسی'' احیاء العلوم میں غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے مجمع الزوائد سے اس کی تصحیح کی ہے۔

أن الحق لايعمل به والباطل لايتناهى عنه ليرغب المؤمن في لقاء الله تعالىٰ وإني لاأرى الموت إلاسعادة والحياة مع الظالمين إلا جرماً[1]۔

سی نکمی زندگی جو اس چراگاہ کی طرح ہے کہ جس میں چرنے سے بدہضمی ہو جاتی ہے دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا۔ اب مومن کو چاہئے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت کرے اور میں تو مرنے میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینے کو جرم۔

یہ ہے یزید کے دورِ حکومت کا نقشہ جس کی تصویر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کھینچ کر رکھ دی ہے۔ اب یہ گتھی غزالیؒ یا ان کے پرستار خود حل کریں کہ جس قوم نے حضرت حسینؓ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزیدی فوج نہیں بلکہ جنات وشیاطین تھے، اور ابن خلقان[2] قاف سے نہیں بلکہ کاف سے "ابن خلکان" ہے۔

امام کیّا ہراسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے: اسی تاریخ ابن خلکان میں امام غزالیؒ کے فتویٰ کے ساتھ ان کے استاد بھائی شمس الاسلام امام ابوالحسن علی بن محمد طبری الملقب عماد الدین المعروف بالکیا ہراسی (جن کے بارے میں خود مورخ ابن خلکان نے حافظ عبدالغافر فارسی سے نقل کیا ہے کہ وکان ثانی الغزالی (یہ غزالی ثانی تھے) کا یہ فتویٰ بھی نقل ہے کہ:

وسئل الكيا ايضا عن يزيد بن معاوية فقال انه لم يكن من الصحابة لأنه ولا في أيام عمر بن

الکیا سے بھی یزید بن معاویہ کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا تھا انہوں نے فرمایا کہ یزید صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت

---

[1] احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۹۸ طبع مصر

[2] ہمارے پاس جو استفتاء آیا اس میں قاف سے ہی مرقوم ہے۔

الخطاب رضی الله عنه وأما قول السلف فی لعنته فقیه لاحمد قولان تلویح وتصریح و لمالک قولان تلویح وتصریح ولأبی حنیفة قولان تلویح وتصریح لنا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لایکون کذلک وهو الاعب بالنرد والمتصید بالفهود ومدمن الخمر وشعره فی الخمر معلوم، ومنه قوله:

عمر بن الخطاب[1] کے ایام خلافت میں پیدا ہوا تھا۔ رہا، سلف کا قول اس پر لعنت کے بارے میں امام احمدؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالکؒ کے بھی دو قول ہیں ایک میں س پر لعنت کا اشارہ دوسرے میں تصریح ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے بھی اس کے بارے میں دو قول ہیں ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ ہے۔ دوسرے میں اس کی تصریح ہے، اور ہمارا تو بس ایک ہی قول ہے جس میں اس پر لعنت کی تصریح ہے، اشارہ کنایہ کی بات نہیں اور وہ کیوں ملعون نہ ہوگا حالانکہ وہ نرد کھیلتا تھا، چیتوں سے شکار کرتا تھا۔ شراب کار سیا تھا، شراب کے بارے میں اس کے اشعار سب کو معلوم ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اشعار بھی ہیں:

اقول لصحب ضمت الکاس شملهم　　وداعی صبابات الهوی یترنهن

میں اپنے ان ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ جن کو جامِ شراب نے یکجا کردیا ہے اور شوق محبت کا داعی ترنم ریز ہے۔

خذوابنصیب من نعیم ولذة　　فکل وان طال المدی یتصرم[2]

---

[1] ''تاریخ ابن خلکان'' اب تک چار بار طبع ہوچکی ہے ایک دفعہ ایران میں اور تین دفعہ مصر میں اس کے تمام مطبوعہ نسخوں میں ''عمر بن الخطاب'' ہی مذکورہ ہے۔ لیکن علامہ کمال الدین دمیری نے ''حیوۃ الحیوان'' میں زیر عنوان ''فہد'' اور مؤرخ ابوالعباس کرمانی نے ''اخبار الدول'' (ص ۱۲۰) میں اس فتوٰی کے جو الفاظ ذکر کرکیے ہیں ان میں ''عمر بن الخطاب'' کی بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ مذکورہ ہے اور یہی صحیح ہے۔

[2] وہی بات ہوئی ع بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

نعمت ولذت میں سے اپنا حصہ لے لو کیونکہ ہر ایک کو خواہ اس کی مدت کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو آخر ختم ہونا ہے

ولا تترکرا یوم السرور إلی غدٍ　　　فرب غدیأتی بما لیس یعلم

اور آج کے یومِ مسرت کو کل پر نہ ٹالو کیونکہ بہت سے آنے والے کل ایسی کیفیت لے کر آ جاتے ہیں جس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔

وکتب فصلاً طویلاً ثم قلب الورقة وکتب لومددت ببیاض لمددت العنان فی مخازی ھذا الرجل[1]

اس کے بعد الکیا نے ایک طویل فصل اسی موضوع پر لکھ ڈالی۔ اور پھر ورق الٹ کر اس پر یہ لکھ دیا کہ اگر مزید اوراق مجھے دیئے جاتے تو میں اس شخص کی رسوائیوں کے بیان میں عنانِ قلم کو مزید تیز کر دیتا۔

غزالی اور کیا ہراسی دونوں شافعی مذہب کے فقیہ ہیں۔ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں۔غزالی مؤرخ ومحدث نہیں، کیا ہراسی محدث بھی ہیں اور تاریخ سے واقف بھی، پھران کا فتویٰ کیوں قابل قبول نہیں؟

حافظ ابن الوزیر یمانی نے غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے: حافظ محمد بن ابراہیم ابن الوزیر یمانی نے جن کو قاضی شوکانی ''البدر الطالع'' میں حافظ ابن تیمیہ کا ہمسر وہم پلہ بتاتے ہیں اپنی مشہور ومعروف تصنیف ''العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم'' میں جو ''شیعہ زیدیہ'' کے رد میں ان کی بے نظیر کتاب ہے امام غزالیؒ کے اس فتویٰ کی خوب پوست کندہ تردید کی ہے اور ان کے استدلال کے ایک ایک جزء کا تارا پود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شیخ عبدالحق کی رائے: اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی ''تکمیل الایمان'' میں فرماتے ہیں:

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۷ طبع بولاق مصر

ودراصل عادت وشیمہ اہل سنت ترک سب ولعن است کہ "المؤمن لیس بلعان" لعنت برخصوص شخصے اگرچہ کافر بود، جائز ندارند چہ دانی کہ عاقبت کار اد بہ ایمان وسعادت بود مگر آنکہ بہ یقین معلوم شد کہ موت وے برکفر وشقاوت است، تاآنکہ بعض دریزید شقی نیز توقف کنندہ وبعض براہ غلو وافراط درشان وے وموالات وے روند وگویند کہ وے بعدازاں کہ بہ اتفاق مسلمانان امیر شدہ اطاعت وے برامام حسینؓ واجب شد نعوذباللہ من ہذا القول ومن ہذا الاعتقاد کہ وے باوجود امام حسین امام وامیر شود واتفاق مسلمانان بروے کے شد جمعے از صحابہ کہ درزمان او بودند واولاد اصحاب ہم منکر وخارج ازاطاعت او بودند۔ نعم جماعۂ از مدینہ مطہرہ بشام نزد وے کرہا وجبرا رفتند واو جائزہ ہائے سنی ومائدہ ہائے ہنی نزد ایشان نہاد، بعد ازان کہ حال قباحت مآل اور ادیدند

دراصل اہل سنت کا وطیرہ اور عادت یہ ہے کہ وہ لعنت اور سب وشتم سے بچتے ہیں" کیونکہ مؤمن کا کام لعنت کرنا نہیں" وہ کسی بھی مخصوص شخص پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کو روا نہیں رکھتے۔ کیا پتہ کہ اس کا انجام ایمان وسعادت پر ہو الاّ یہ کہ یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی موت کفر وشقاوت ہی پر ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض حضرات یزید شقی کے بارے میں بھی توقف کرتے ہیں اور بعضے اس کی شان میں غلو اور افراط کرتے ہیں اور اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چونکہ مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوا تھا لہٰذا اس کی اطاعت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرواجب تھی۔ ہم ایسی بات اور ایسے اعتقاد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے وہ امام اور امیر ہو اس کے امیر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟ صحابہ کی ایک جماعت جو اس کے زمانہ میں تھی اور صحابہ زادے بھی اس کی اطاعت سے خارج اور اس کی خلافت سے منکر تھے۔ ہاں مدینہ مطہرہ کی ایک جماعت جبراو کرہا اس کے پاس شام گئی تھی اور یزید نے ان کو بڑے

بمدینه باز آمدند وخلع بیعت او کردند
وگفتند که وے عدو اللہ وشارب خمرو
تارک صلوٰۃ وزانی وفاسق و مستحل
محارم است وبعضے دیگر گویند که
وے امر بقتل آنحضرت نکردہ
وبدان راضی نہ بود و بعد از قتل وے
واہل بیت وے مسرور ومستبشر نشدہ
واین سخن نیز مردود وباطل است چه
عداوت آن بے سعادت با اہل
بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
واستبشار وے بقتل ایشان واذلال
واہانت او مر ایشان را بدرجہ تواتر
معنوی رسیدہ است وانکار آن
تکلف ومکابرہ است وبعضے دیگر
گویند که قتل امام حسینؓ گناہ کبیرہ
است چه قتل نفس مؤمن بناحق کبیرہ
است وکفر ولعنت مخصوص بکافران
است ولیت شعری که ارباب این
اقاویل یا احادیث نبوی که ناطق
اند بآنکه بغض وعداوت وایذا
واہانت فاطمه والواد او موجب بغض
وایذا واہانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم است چه مے گویند وآن سبب

بڑے انعام اور لذیذ دعوتوں سے نواز بھی،
لیکن یہ حضرات جب اس کا حال قباحت
مآل دیکھ کر مدینہ منورہ واپس ہوئے تو اس
کی بیعت توڑ دی اور صاف بتادیا کہ وہ دشمن
خدا توے نوش، تارک صلوٰۃ، زانی، فاسق اور
محرمات الٰہی کا حلال کرنے والا ہے اور بعض
لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے آنحضرت کے قتل
کا حکم ہی نہیں دیا اور نہ وہ آپ کے قتل
پر راضی تھا اور نہ آپ کی اور اہل بیت کی
شہادت پر خوش ہوا اور نہ اس پر اس نے کچھ
خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات بھی مردود و باطل
ہے کیونکہ اہل بیت نبویؐ سے اس بدبخت کی
عداوت اور ان حضرات کے قتل پر اس کا
خوشیاں منانا اور خاص طور پر ان حضرات کی
تذلیل واہانت کرنا تواتر معنوی کے درجہ تک
پہنچ چکا ہے اور ان امور کا انکار محض بناوٹ
اور زبردستی ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام
حسینؓ کا قتل گناہ کبیرہ ہے کیونکہ کسی مومن کا
ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہی ہے اور کفر ولعنت
تو کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور کاش
مجھے پتہ چلتا کہ یہ سب باتیں بتانے والے
ان احادیث نبوی کے بارے میں کہ جو اس
امر پر ناطق ہیں کہ حضرت فاطمہ اور ان کی

کفر وموجب لعن وخلود نار جہنم است بلا شک بموجب آیت إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا [1] وبعض دیگر گویند کہ خاتمہ وے معلوم نیست شاید کہ او بعد از ارتکاب آن کفر ومعصیت توبہ کردہ باشد و درنفس اخیر بوتوبہ کردہ باشد و درنفس اخیر برتوبہ رفتہ باشد ومیل امام محمد غزالی "دراحیاء العلوم" بہ این حکایت است وبعض از علمائے سلف واعلام امت مثل امام احمد بن حنبل وامثال او بروے لعنت کردہ اند۔ وابن جوزی کہ کمال شدت وعصبیت درحفظ سنت وشریعت دارد درکتاب خود لعنت وے را از سلف نقل کردہ است۔ وبعضے منع کردہ اند وبعضے متوقف ماندہ اند [2]

اولاد کی ایذا واہانت اور ان سے بغض وعداوت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا واہانت اور آپ سے بغض کا موجب ہے کیا کہتے ہیں؟ حالانکہ ایسا کرنا تو بموجب آیت إِنَّ الَّذِينَ الخ (بے شک جو لوگ ستاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکار اللہ نے دنیا اور آخرت میں ، اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے) بلا شک سبب کفر ہے جس کی بنا پر لعنت اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہوجاتا ہے، اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یزید کے خاتمہ کا پتہ نہیں شاید اس نے کفر ومعصیت کے ارتکاب کے بعد توبہ کرلی ہو، اور آخری سانس میں توبہ ہی کی حالت میں گیا ہو" احیاء العلوم" میں امام غزالی کا میلان بھی اسی حکایت کی طرف ہے اور بعض علمائے سلف واعلام امت نے جن میں امام احمد بن حنبل اور ان جیسے حضرات شامل ہیں یزید پر لعنت کی ہے۔ اور محدث ابن جوزی کہ جو سنت وشریعت کی پاسداری میں پوری شدت وسرگرمی دکھاتے ہیں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کرنے کو سلف سے نقل کرتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس سلسلہ میں توقف سے کام لیتے ہیں۔

[1] سورۃ الاحزاب آیت ۵۷

[2] تکمیل الایمان ص ۷۰۔۱۷ طبع مجتبائی دہلی

لعن یزید میں اختلاف علماء کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تحقیق: یزید پرلعنت کرنے نہ کرنے کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے اُس کی وجہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے ”فتاوٰی عزیزی“ میں یہ بیان فرمائی ہے:۔

ودرلعن یزید توقف ازان جہت است کہ روایات متعاررضہ ومتخالفہ ازان پلید درمقدمہ شہادت امام حسینؓ وارد شدہ۔ از بعض روایات وضا واستبشار واہانت اہل بیت وخاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفہوم میگردد وکسانیکہ این روایات درنظر آنہا مرجح واقع شدہ حکم بہ لعن اونمودند چنانچہ احمد بن حنبل وکیا ہراسی از فقہائے شافعیہ ودیگر علمائے کثیر۔ واز بعضے روایات کراہت این امروعتاب بر ابن زیاد واعوان اووندامت برین کارکہ ازدست نواب اوبوقوع آمد، معلوم می شود۔ کسانیکہ این روایات نزدایشان مرجح شدازلعن اومنع نمودند چنانچہ امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر علمائے شافعیہ واکثر علمائے حنفیہ،

یزید پرلعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بارے میں اس پلید کے متعلق متضاد ومخالفت روایتیں آئی ہیں بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یزید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ کے اہل بیت کی اہانت پر شادان وفرحان تھا جن حضرات کی نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں انہوں نے اس پرلعنت کا حکم دیا چنانچہ امام احمد بن حنبل اور فقہائے شافعیہ میں سے کیا ہراسی اور دوسرے بہت سے علماء کی یہی رائے ہے اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور ابن زیاد اور اس کے اعوان وانصار پر عتاب اور اس کام پر ندامت کہ جو اس سے نائبوں کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے۔ سوجن لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل ترجیح ہوئیں انہوں نے اس پرلعنت کرنے سے منع کیا۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے علماء شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ ہیں (کہ ان کی رائے یہی ہے)

وجماعتے از علماء کہ نزد آنہا ہر دو روایت متعارض شدند وترجیح ایک طرف بر دیگر حاصل نشد بنا براحتیاط توقف نمودند ہمین است واجب بر علماء عند التعارض وھو قولی ابی حنیفۃ آرے درلعن شمر وابن زیاد کہ رضا واستبشار آنہابا ین فعل شنیع قطعی است من غیر التعارض ہیچکس رادران توقف نیست[2]

اور علماء کی ایک جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی انہوں نے احتیاط کی بنا پر توقف کیا اور تعارض کے وقت علماء پر یہی واجب بھی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے[1] ہاں شمر اور ابن زیاد پر لعنت کرنے میں کہ ان کا اس فعل شنیع کے ارتکاب پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم کے تعارض کے بغیر قطعی طور پر معلوم ہے، کسی شخص کو توقف نہیں ہے۔

یزید پر جب لوگوں نے پھٹکار کی تو قتل حسین پر اظہار ندامت کیا: اگرچہ ہمارے نزدیک یزید کے بارے میں ان روایات میں جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں سرے سے کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے یزید قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت خوش تھا۔ بعد کو جب مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار شروع کی اور اہل اسلام کی نظر میں وہ حقیر ہونے لگا تو پھر اس نے اظہار ندامت شروع کردیا چنانچہ حافظ سیوطی ؒ "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں:

ولماقتل الحسين وبنو أبيه بعث ابن زياد برؤسهم إلى يزيد فسر بقتلهم أولاثم ندم

جب حضرت حسین اور ان کے بھائی شہید کردیئے گئے تو ابن زیاد نے ان شہداء کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا۔ وہ اول تو اس پر

[1] غلط فہمی نہ ہو امام ابوحنیفہ سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت نہیں بلکہ ان سے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے۔ یزید کے بارے میں خود ان کی تصریح آگے آرہی ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

[2] ج اص ۱۰۰ طبع مجتبائی دہلی

لما مقته المسلمون علی ذلک وأبغضه الناس وحق لهم أن یبغضوه[1]

بہت خوش ہوا پھر جب مسلمانوں نے اس وجہ سے اس پر پھٹکار شروع کی اور اس سے نفرت کرنے لگے تو اس نے اظہار ندامت کیا اور مسلمانوں کو تو اس سے نفرت کرنا ہی چاہئے تھی۔

خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں بھی یزید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہے۔ چنانچہ "تحفہ اثناعشریہ" میں فرماتے ہیں:

وبعضے قتل انبیاء وپیغمبر زادہ ہا مینما یند مثل یزید واخوان او[2]

اور بعض انبیاء اور پیغمبرزادوں تک کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس کے معنوی بھائی ہوئے ہیں۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فیصلہ: اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود حضرت شاہ صاحب ممدوح کی جو رائے ہیں وہ ان کے مشہور شاگرد مولانا سلامت اللہ صاحب کشفی نے "تحریر الشہادتین" میں نقل کر دی ہے فرماتے ہیں:

درین شکے نیست کہ یزید پلید آمر وراضی ومستبشر از قتل حسینؓ بود وہمین است مذہب مختار جمہور اہل سنت وجماعت۔ چنانچہ درکتب معمدہ مثل "مفتاح النجا" مرزا محمد بدخشی و "مناقب السادات" ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی و "شرح عقائد نسفی

اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید پلید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا اور یہی جمہور اہل سنت وجماعت کا پسندیدہ مذہب ہے، چنانچہ معتمد علیہ کتابوں میں جیسے کہ مرزا محمد بدخشی کی "مفتاح النجا" اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی "مناقب السادات" اور ملا سعد الدین تفتازانی کی "شرح عقائد نسفیہ" اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "تکمیل الایمان" اور

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۸۱

[2] ص ۳۰ طبع لکھنو ۱۳۳۵ھ

ملاسعدالدین تفتازانی و" تکمیل الایمان" شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیر آن ازسفار معتبرہ باشواہد ودلائل مذکور ومسطور است ولہذا لعن آن ملعون بہ حجج قاطعہ وبراہین ساطعہ ثابت کردہ اند۔ ومختار راقم الحروف واساتذۂ صوری ومعنوی ماہمین است کہ یزید آمر وراضی ومستبشر بقتل حسینؓ بود ومستحق لعنت ابدی ووبال ونکال سرمدی است واگرتامل بکاررود قصر بہ مجرد لعنت درحق آن ملعون قصوریست کہ مقصود برآن نباید بود چنانچہ استاذ البریہ صاحب " تحفہ اثناعشریہ" علیہ الرحمۃ ورسالہ" حسن العقیدہ" درحاشیہ کہ برکلمہ" علیہ مایستحقہ" تعلیق فرمودہ اند افادہ مینمایند کہ" علیہ مایستحقہ" کنایہ است ازلعنت۔" والکنایۃ ابلغ من التصریح" ازقواعد مشہورہ عربیت است مع ہذادرابہام مایستحقہ تفخیم وتشنیع است کہ درتصریح بلفظ لعنت فوت میگردد، چنانچہ درتفسیر فَغَشِیَهُمْ مِنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ مذکور می شود

ان کے علاوہ دوسری معتبر کتابوں میں مع دلائل وشواہد مذکور ومرقوم ہے اور اسی لیے اس ملعون پر لعنت کے روا ہونے کو قطعی دلائل اور روشن براہین سے ثابت کر چکے ہیں، اور راقم الحروف اور ہمارے اساتذہ صوری ومعنوی نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی قتل حسینؓ کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا، اور وہ لعنت ابدی اور وبال ونکال سرمدی کا مستحق ہے اور اگر سوچا جائے تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت ہی پر اکتفا کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اس پر بس نہیں کرنا چاہیے چنانچہ استاذ البریہ صاحب " تحفہ اثنا عشریہ" (شاہ عبدالعزیز صاحب) علیہ الرحمۃ نے رسالہ" حسن العقیدہ" کے حاشیہ میں جملہ" علیہ مایستحقہ" پر جو تعلیق (نوٹ) سپرد قلم فرمایا ہے اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ" علیہ مایستحقہ" لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے عربیت کا مشہور قاعدہ ہے اسی کے ساتھ مایستحقہ، یعنی (جس کا وہ مستحق ہے) کے ابہام میں اس پر تشنیع اور اس کی حد درجہ خرابی جو پنہاں ہے صراحتاً لعنت کے لفظ کے استعمال سے

وحق اینست کہ اکتفا بر محض لعنت درحق یزید قصوراست زیرا کہ این قدر اجزاء مطلق قتل مومن مقرر کردہ اندر قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا[1] ویزید رادرین عمل زیادتیست کہ غیر اور ادست ندادہ وآن زیادت راجز بر استحقاق او حوالہ نتوان کرد کہ علم بشر از معرفت خصوصیت آن عاجز است۔ واللہ اعلم وعلمہٗ احکم انتہی کلامہ الشریف[2]

فوت ہوجاتی ہے چنانچہ آیۃ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ کی تفسیر میں اس کا بیان آتا ہے اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق میں محض لعنت پر اکتفا کرنا کوتاہی ہے اس لیے کہ اس قدر تو مطلق مومن کے قتل کی سزا مقرر کرچکے ہیں، ارشاد الٰہی ہے" اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اس میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا، اور اس کو لعنت کی، اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب" اور یزید نے تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے کہ جو دوسرے کو میسر ہی نہ ہوسکی، اس لیے اس زیادتی کہ بجز اس کے استحقاق کے اور کسی امر پر حوالہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسان کا علم اس کے خصوصی استحقاق کی معرفت سے عاجز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ، احکم (یہاں حضرت شاہ صاحب کا ارشاد ختم ہوا)

معلوم ہوا کربلا میں جو مظالم کیے گئے ان کی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب" کے نزدیک "یزیدہ" حق تعالیٰ کے اس قدر قہر وغضب کا سزاوار ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اس پر لعنت کرنا تو کچھ بھی نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں یوں کہنا چاہیے "علیہ ما یستحقہ" کیونکہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ وہ اس کے کس قدر غضب کا مستحق ہے۔

---

[1] سورۃ النساء آیت ۹۳ [2] تحریر الشہادتین ص ۹۶ - ۹۷ مطبوعہ محلہ خیالے گنج آغا جان لکھنو ۱۲۵۶ھ

بعض لعنت کرنے سے اس لیے رکتے ہیں کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں:
اور بعض حضرات یزید پر اس لیے لعنت کرنا مناسب خیال نہیں کرتے کہ اس طرح اسکے گناہ اور کم ہوں گے چنانچہ مولانا غلام ربانی ازالۃ الخطاء فی ردکشف الغطاء" میں لکھتے ہیں:

وظاہر است کہ گفتن لعن وطعن موجب سقوط وزراز مطعون میگردد لہٰذا زبان بہ لعن اوآلودہ نمی کنندوروح یزید پلیدر بتخفیف وزرشادمان نمی سازند بلکہ می خواہند ہمچنان حامل وزرگراں بود مقصوف المتن باشد[1]

اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن کیا جاتا ہے۔ لہٰذا زبان کو لعنت سے آلودہ نہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب یزید پلید کی روح کو شاد نہیں کرتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح گناہ کا بھاری بوجھ لادے لادے ہی کمر شکستہ رہے۔

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے:
اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے "شرح مقاصد" میں تصریح کی ہے کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں عوام یزید پر لعنت کرتے کرتے بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں جیسا کہ رافضیوں کا شعار ہے۔
چنانچہ فرماتے ہیں:

فان قلیل فمن علماء المذهب من لم یجوز اللعن علی یزید مع علمهم بانه یستحق ما یربو علی ذلک ویزید، قلنا تحامیاً عن ان

پھر اگر یہ کہا جائے کہ بعض علماء مذہب شافعی میں ایسے بھی ہیں کہ جو یزید پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ ان کو یہ علم ہے کہ وہ لعنت سے بھی بڑھ کر اور زیادہ وبال کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا اس احتیاط کی بنا

---

[1] ص ۴۵۔۴۶ طبع مطبع محب کشور ہند میرٹھ ۱۲۸۱ہجری

یوتقی الی الاعلی فالا علی کما ھوشعار الروافض [1] پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ جائے جیسا کہ روافض کا شعار ہے۔

مگر جیسا کہ ہم نے سابق میں تحریر کیا ہے یزید کی فرد جرم میں صرف قتل حسین ہی کا اندراج نہیں بلکہ اس کے گناہوں کی فہرست بڑی طویل ہے آخر اس کے کس کس جرم کا انکار کیا جائے گا۔ پہلے شبہ کے جواب میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ اس امت کے ہلاکوؤں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔

قریب ہے یارو روز محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

یہ تو بات ہوئی اس کے جرائم اور قبائح کی، رہا اس پر لعن کا مسئلہ تو اس تفصیلی بحث سے آپ نے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ جن علماء نے بھی یزید پر لعن سے روکا ہے وہ اس لیے نہیں کہ یزید کوئی بھلا آدمی تھا بلکہ دوسرے صالح کے پیش نظر اس کو مناسب نہیں سمجھا۔

یزید پر لعن کے بارے میں امام احمدؒ کی تصریح: ائمہ اہل سنت میں امام احمد بن حنبلؒ کا جو مقام ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اسلامی دنیا میں جن چار اماموں کی فقہ کو قبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی اور جن کے مذہب پر آج تک عملدرآمد چلا آتا ہے۔ ان میں ایک یہ بھی ہیں۔ یزید کے بارے میں ان کی تصریحات آپ پانچویں شبہ کے جواب میں پڑھ چکے ہیں۔

(۱) لاینبغی أن یروی عنه — اس سے کوئی روایت نہیں کرنا چاہیے۔

---

[1] ص ۳۰۷ ج ۲ طبع قسطنطنیہ

(۲) وهل يحب يزيد احمد يؤمن بالله واليوم الآخر — کوئی بھی شخص جس کا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے بھلا وہ یزید سے محبت کرسکتا ہے؟

(۳) لم لایلعن رجل لعنه الله فی کتابه — آخر اس شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے کہ جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟

پھر یزید کے ملعون ہونے کی دو وجہیں بیان کیں (۱) ایک فساد فی الارض۔ (۲) دوسرے قطع رحمی، پھر فساد فی الارض کی تفصیل میں فرمایا:

اولیس هوالذی فعل باهل المدینة مافعل — کیا یہ وہی نابکار نہیں جس نے اہل مدینہ پر وہ ظلم توڑا جو بیان سے باہر ہے

اور قطع رحمی کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے کہ میدان کربلا میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیا بیتی ذرا بھی قرابت کا پاس ولحاظ نہیں کیا گیا۔

یزید پر لعن کے بارے میں امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات: یزید پر لعن کے سلسلہ میں امام احمدؒ کی جو رائے ہے وہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے "مطالب المومنین" میں منقول ہے[۱] اکابر حنفیہ میں امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی رحمہ اللہ المتوفی ۳۷۰ ہجری میں "احکام القرآن" میں یزید کو لعین ہی لکھا ہے چنانچہ اُن کی تصریح پہلے شبہ کے جواب میں گذر چکی ہے۔

امام جصاص: امام جصاص کا شمار مجتہدین فقہاء حنفیہ میں ہے۔ صاحب ہدایہ ان کی تخریجات کو اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں اور صاحب "الاختیار لتعلیل المختار" نے "کتاب الشہادات" میں امام ممدوح کے متعلق لکھا ہے:

ولقد تصفحت كثيرا من كتب ابی بكرالرازی فمارأیة — میں نے ابوبکر رازی کی کتابوں کو بہت کھنگالا ہے مگر سوائے اس ایک مسئلہ کے میں نے کہیں

---

[۱] ملاحظہ ہو "زجر الشبان والشیبہ عن ارتکاب الغیبۃ" مولانا عبدالحی فرنگی محلی ص ۲۰ طبع ۱۳۹۸ ہجری شائع کردہ مکتبہ عارفین کراچی

رحج علی قول ابی حنیفة قول غیره إلا فی هذه المسئلة[1] نہیں دیکھا کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر دوسرے کے قول کو ترجیح دی ہو۔[2]

ائمہ بخارا کا فتویٰ: بعد کے اکابر علماء حنفیہ میں امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری المتوفی ۵۴۲ ہجری ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں رقمطراز ہیں:

اللعن علی یزید بن معاویة لا ینبغی ان یفعل وکذا علی الحجاج قال رحمه الله سمعت عن الشیخ الامام الزاهد قوام الدین الصفاری انه کان یحکی عن أبیه أنه یجوز ذلک و یقول...... لاباس باللعن علی یزید[3]

یزید بن معاویہ اور اسی طرح حجاج پر لعن نہ کرنا چاہیے (مصنف کتاب) امام طاہر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ امام زاہد قوام الدین صفاری سے سنا ہے وہ اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ فرماتے تھے: یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

امام قوام الدین صفاری کا تعارف علامہ کفوی نے ان لفظوں میں کیا ہے:
''شیخ الاسلام واماد الأئمة وحد عصره فی العلوم الدینیة أصولاوفروعا مجتهدزمانه'' شیخ الاسلام، امام الائمہ اپنے زمانہ میں علوم دینیہ میں خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے یکتا اور مجتہد عصر تھے۔[4] اور انکے والد ماجد رکن الاسلام ابراہیم بن اسماعیل زاہد صفار امام غزالی کے معاصر ہیں۔ ان کے بارے میں حافظ سمعانی نے ''کتاب الانساب''[5] میں لکھا ہے کہ ''کان اماما ورعا زاهداً'' (یہ امام

---

[1] الاختیار ج ۲ ص ۱۴۲

[2] یعنی یہاں صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دے دیا کہ شہود کا تزکیہ تمام حقوق میں ہونا چاہئے حالانکہ امام صاحبؒ کے مذہب میں صرف حدود قصاص میں تزکیہ ضروری ہے۔

[3] ج ۴ ص ۳۹۰ طبع نول کشور

[4] ملاحظہ ہو ''الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ'' از مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی

[5] کتاب الانساب، نسبت صفار

تھے اور زہد و ورع سے موصوف) فقہ میں امامت کے ساتھ ساتھ بڑے پایہ کے محدث بھی تھے۔ قاضی خان کے استاد ہیں۔ انہوں نے فقہ کی تعلیم انہی سے حاصل کی، ان کی وفات ۵۳۴ ہجری میں ہوئی۔ نسلاً انصاری وائلی ہیں۔ ان کا پورا خاندان اہل علم و فضل کا خاندان ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی نے "الجوہر المضیہ" میں ان کے ترجمہ میں لکھا ہے: أهل بيت علماء وفضلا

چونکہ صاحب خلاصہ نے ان کے فتویٰ کو آخر میں نقل کیا ہے اور اس سے اپنے اختلاف کا اظہار کیا اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں ائمہ بخارا (۱) امام طاہر افتخار الدین بخاری صاحب خلاصہ التوفی ۵۴۲ ہجری (۲) امام قوام الدین حماد بن ابراہیم صفار بخاری التوفی ۵۷۶ ہجری (۳) امام رکن الدین ابراہیم صفار بخاری التوفی ۵۳۴ ہجری کے نزدیک یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں بالکل جائز ہے لیکن چاہیے نہیں کیونکہ ایسا کرنا فرض واجب یا مستحب نہیں محض مباح ہے۔

امام کردری کا فتویٰ: اور امام حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز کردری حنفی التوفی ۸۲۷ ہجری "فتاوی بزازیہ" میں رقمطراز ہیں:

اللعن على يزيد يجوز ولكن ينبغي ان لايفعل وكذاعلى الحجاج ويحكى عن الامام قوام الدين الصفاري انه قال لابأس باللعن على يزيد...... والحق أن يلعن يزيد بناءً على اشتهاد وتواترفظاعة شره على ماعرف تفاصيله[۱]

یزید اور اسی طرح حجاج پر لعنت کرنا جائز ہے مگر کرنا نہ چاہیے اور امام قوام الدین صفاری سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کردری کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یزید پر اس کے کفر کی شہرت نیز اس کی گھناؤنی شرارت کی متواتر خبروں کی بنا پر جس کی تفصیلات معلوم ہیں لعنت ہی کی جائے گی۔

[۱] ج ۶ ص ۳۴۳ طبع میریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ ہجری برحاشیہ فتاوی ہندیہ

خلاصۃ الفتاویٰ اور فتاویٰ بزازیہ کا شمار فقہ حنیفہ کی معتبر کتابوں میں ہے: یاد رہے کہ ''فتاوی بزاریہ'' کا بھی ''خلاصۃ الفتاویٰ'' کی طرح فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں شمار ہے۔ صاحب ''کشف الظنون'' نے لکھا ہے کہ علامہ ابوالسعود مفتی روم سے جب یہ فرمائش کی گئی کہ مہم مسائل کے بارے میں آپ کوئی کتاب کیوں تالیف نہیں فرماتے؟ تو جواب دیا کہ

أنا أستحيي من صاحب البزازية مع وجود كتابه لانه مجموعة شريفة جامعة للمهمات كما ينبغي	مجھے ''فتاوی بزاریہ'' کے مصنف سے شرم آتی ہے کہ ان کی کتاب کے ہوتے ہوئے یہ جرات کروں، کیونکہ یہ فتاویٰ کا بڑا قابل قدر مجموعہ ہے جس میں مہمات مسائل کو جیسا کہ چاہئے تھا جمع کر دیا ہے۔

لعن کے باب میں ''کتاب العالم والمتعلم'' کی عبارت: متاخرین علمائے حنفیہ میں سے جن حضرات نے بھی لعن یزید سے روکا ہے وہ امام غزالی کی رائے سے متاثر ہیں ورنہ اصل مذہب میں مرتکب کبیرہ کے حق میں اگرچہ استغفار افضل ہے مگر اس پر بددعا اور لعنت کی جاسکتی ہے چنانچہ امام اعظمؒ ''کتاب العالم والمتعلم'' میں فرماتے ہیں۔ متعلم سوال کرتا ہے۔

أخبرني عنا لاستغفار لصاحب الكبيرة أفضل أوالدعاء عليه أوانت بالخيار فيما بين الدعاء عليه باللعنة والا ستغفار فبين لى هذا كله	یہ تو فرمائے کہ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا افضل ہے یا اس کے حق میں بددعا کرنا یا اختیار ہے خواہ اس کے حق میں استغفار کرے خواہ لعنت یہ سب مجھے صاف بتائیے۔
الذنب على منزلتين غير الاشراک بالله تعالى فأى الذنبين	شرک کے علاوہ گناہ کے دو درجے ہیں جس درجہ کے گناہ کا بھی یہ بندہ مرتکب

رکب هذا العبد فان الدعاء له بالاستغفار أفضل وإن دعوت عليه باللعنة لم تأثم وذلک بانه إذارکب ذنباً منک وعفوت عنه ولم تدع عليه کان أفضل وان رکب ذنبافيما بينه وبين خالقه بعد أن کان لم يشرک بالله فرحمته ودعوت له بالمغفرة لحرمة الشهادة کان هذا أفضل وإن دعوت عليه بالهلاک لم تأثم وذلک بأنک تقول يارب خذه بذنبه وإنما تکون آثماإذا أنت قلت يارب خذه بغير ذنب[1]	ہوگا اس کے حق میں استغفار کرنا افضل ہے اور اگر اس پر لعنت کی بددعا کرو جب بھی تمہیں گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر اس نے تمہارے ساتھ گناہ کا معاملہ کیااورتم نے اس کو معاف کردیا اور اس پر بددعانہ کی تو یہ افضل ہے اور اگر اس نے اللہ میاں کا گناہ کیا مگر شرک کا مرتکب نہیں ہوا اور پھر تم نے اس کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں رحمت ومغفرت کی دعا کی تو یہ بھی افضل اور اگر اس کے لیے بربادی وہلاکت کی دعا کی تب بھی گنہگار نہ ہوگے کیونکہ اس صورت میں تو تم یوں کہہ رہے ہو کہ یااللہ تو اس کو اس گناہ کی سزا دے۔ گنہگار تو تم جب ہوتے جبکہ گناہ کیے بغیر اس کے حق میں بددعا کرتے، اور یوں کہتے ہیں یااللہ بغیر گناہ ہی اس کو پکڑلے۔

مسلمان کے حق میں لعنت کرنے کا مطلب: جو مسلمان مرتکب کبیرہ ہواس کے حق میں لعنت کرنے کا یہی مطلب ہے جو امام صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ امام نوویؒ نے بھی شرح صحیح مسلم میں حدیث

من أحدث فيها حدثاً فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين	جو مدینہ منورہ میں گناہ کا ارتکاب کریگا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔

---

[1] ص ۱۷ طبع مصر ۱۳۶۸ ہجری

کے تحت یہی لکھا ہے۔

قالوا ان المراد باللعن هنا العذاب الذی یستحقه علی ذنبه والطرد عن الجنة أول المرة ولیس هی کلعنة الکفار الذین یبعدون من رحمة الله کل الابعاد[1]

علماء نے بیان کیا ہے کہ لعنت سے مراد یہاں وہ عذاب ہے جس کا وہ اس گناہ کے سبب مستحق ہے اور ابتداء میں جنت سے محرومی ہے یہ لعنت کفار پر لعنت کی طرح نہیں کہ جو بالکلیہ حق تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے ہیں کہ کبھی جنت میں جائیں گے ہی نہیں۔

یزید پر بھی لعنت کرنے کے یہی معنی ہیں کہ حق تعالیٰ اس کے ان برے کوتوتوں پر اس کو سزا دے جس کا وہ مستحق ہے، اور اس کے حق میں ایسا کہنا خواہ افضل نہ ہو لیکن اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ یزید کا صالح اور متقی ہونا تو کجا اس کی جو حیثیت علماء کی نظر میں ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ ان میں باہم اس امر پر اختلاف ہے کہ اس کی موت اسلام پر ہوئی یا کفر پر اور آیا اس پر لعنت کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ بس اتنی ہی بات اس کی شخصیت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔

ساتواں اور آٹھواں شبہ

یہ ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تایا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ام محمد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی ام مسکین سے نکاح کیا تھا۔

ان شبہوں کا منشا کیا ہے؟: کیا یہ کہ ان دونوں بیبیوں کا نکاح یزید سے کیوں ہوا؟ تو یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ام محمد اور ام مسکین سے یزید نے کب نکاح کیا تھا' اس کے فسق و فجور کے الم نشرح ہو جانے کے بعد یا اپنی ابتدائی عمر میں جبکہ اس کا فسق

---

[1] صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۱ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۹ ہجری

ظاہر نہ ہوا تھا اس لیے پہلے تاریخی سے یہ ثابت کیا جائے کہ یہ دونوں خواتین شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد یزید کے حبالہ عقد میں آئیں تب کچھ بات بنے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یزید نے ان سے نکاح اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں اس وقت کیا جبکہ اس کی بری شہرت نہ تھی اور اس وقت تک اس سے ان مظالم کا ظہور بھی نہ ہوا تھا کہ جس پر امت اس کو آج تک لعنت ملامت کرتی چلی آتی ہے تو پھر اس سے نکاح میں کیا قباحت تھی؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یزید اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ہی کھل کھیلا ہے ورنہ اگر ان کی زندگی ہی میں اس کا فسق اس طرح عالم آشکارا ہو جاتا تو ظاہر ہے کہ وہ اس کو ولی عہد ہی کیوں بناتے؟

اور اگر شبہ کا منشا یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تایا زاد بھائی کی لڑکی چونکہ اس کے حبالہ عقد میں تھی اس لیے وہ بھتیج داماد ہونے کی بنا پر اپنے سسر کو کس طرح قتل کر سکتا تھا؟ تو اس شبہ کا پوچ ہونا بالکل ظاہر ہے آئے دن اخبارات میں سسر اور داماد کے قتل کے واقعات آتے رہتے ہیں اور یزید تو حضرت حسینؓ کا حقیقی داماد بھی نہ تھا۔ برادران یوسف علیہ السلام کا قصہ تو ہر شخص کو معلوم ہی ہے۔

نواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت زین العابدین نے یزید سے بیعت کی اور واقعہ حرہ کے موقع پر اس کا حسن سلوک دیکھ کر اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔

اس شبہ کا جواب: اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین، دمشق اپنی خوشی سے نہیں گئے ان کو تو پابہ زنجیر اسیران کربلا کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد نے دمشق بھیجا تھا۔ وہاں یزید نے ان سے سخت کلامی کی اور انہوں نے بھی اس کو ویسے ہی سخت جواب دیئے یزید سے بطوع و رغبت ان کا بیعت کرنا اور اس کے

حق میں دعائے خیر کرنا، خصوصاً واقعہ حرہ کے بعد ان سے ثابت نہیں۔ طبقات ابن سعد میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسرف (مسلم بن عقبہ) نے حضرت زین العابدین سے یہ کہا تھا کہ امیر المؤمنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ (إن أمير المؤمنين أوصاني بك خيرًا) اور اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ وصل الله أمير المؤمنين (اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اس کا صلہ دے) لیکن اس کی اسناد یہ ہے: أخبر نا محمد بن عمر قال حدثني أبوبكر بن عبدالله بن أبي سبرة عن يحيى بن شبل عن جعفر[1] اس کا پہلا راوی محمد بن عمر واقدی ہے جو مشہور ضعیف الروایہ ہے، دوسرا ابی بکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ہے جو وضع حدیث میں متہم ہے۔ یزید کی منقبت ایسے ہی ناکارہ لوگوں کی روایت سے ثابت کی جاسکتی ہے، صحیح روایت کہاں مل سکتی ہے اور اتنی بات کسی کافر کے بارے میں کہی جائے تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ یزید کے اس سلوک کا یہی بہتر جواب ہوسکتا تھا اور یہ کن الفاظ کا ترجمہ ہے'' کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔'' ''بلاذری'' اور ''طبقات ابن سعد'' کی اصل عبارت پیش کی جائے کسی کتاب کا غلط حوالہ دینا باعثِ شرم ہے۔

یزید کے کمانڈر کی حضرت زین العابدین کے ساتھ بدتمیزی: واقعہ حرہ میں حضرت زین العابدین اگرچہ بالکل الگ رہے کیونکہ کربلا میں خاندان اہل بیت پر یزیدی لشکر نے جو قیامت ڈھائی تھی وہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے مگر پھر بھی یزیدی فوج کے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے (جس کو مورخین سلف'' مجرم یا مسرف بن عقبہ'' کے برے نام سے یاد کرتے ہیں ان کے ساتھ جس بے ہودگی کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل حافظ ابن کثیر کی زبانی سنیے وہ لکھتے ہیں:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۵

واستدعى بعلي بن الحسين فجاء يمشي بين مروان بن الحكم وابنه عبدالملك ليا خذله بهما عنده أمانا ولم يشعرأن يزيد أوصى به فلما جلس بين يديه استدعى مروان بشراب وقد كان مسلم بن عقبة حمل معه من الشام ثلجا الى المدينة فكان يشاب له بشرابه فلما جي بالشراب شرب مروان قليلاً ثم اعطى الباقي لعلي بن الحسين ليأخذله بذلك أمانا وكان مروان موادًا العلى بن الحسين فلما نظر اليه مسلم بن عقبة قدأخذ الاناء في يده قال له: لا تشرب من شرابنا ثم قال له: إنما جئت مع هذين لتأمن بهما فار تعدت يدعلى بن الحسين وجعل لايضع الا ناء من يده ولا يشربه ثم

مسلم بن عقبہ نے حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کو طلب کیا وہ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کے درمیان پاپیادہ چل کر اس کے پاس پہنچے تاکہ ان دونوں کے ذریعے اس سے امان لے سکیں ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ یزید نے ان کا خیال رکھنے کے بارے میں مسلم کو تاکید سے کہدیا تھا چنانچہ جب آپ اس کے سامنے آکر بیٹھ گئے تو مروان نے کچھ پینے کے لیے مانگا مسلم بن عقبہ جب شام سے مدینہ کی طرف چلا تھا تو اپنے ساتھ وہاں سے برف لیکر آیا تھا اور وہ برف اس کے مشروب میں ڈال دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب پینے کے لیے لایا گیا تو مروان نے اس میں سے تھوڑا سا پی کر باقی حضرت علی بن الحسینؓ کو دے دیا تاکہ اس ذریعہ سے ان کے لیے امان حاصل کرلی جائے۔ مروان حضرت علی بن حسینؓ کا دوست بنا ہوا تھا۔ مسلم بن عقبہ کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی کہ حضرت زین العابدین نے برتن اپنے ہاتھ میں اٹھالیا تو کہنے لگا ہمارا پانی نہ پینا اور پھر کہا: تو ان دونوں کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ ان کے ذریعہ امان حاصل کرسکے! یہ سنکر آپ کا ہاتھ کانپنے لگا اور نہ برتن ہی ہاتھ سے رکھا جاسکتا تھا اور نہ ہی اسے پی سکتے تھے۔ تب اس شقی نے

قال له: لولا أمير المؤمنين أوصاني بك لضربت عنقك ثم قال له: إن شئت أن تشرب فاشرب وإن شئت دعونالك بغيرها فقال: هذه الذي في كفي أريد فشرب ثم قال له مسلم بن عقبة: قم إلي همنا فاجلس فاجلسه معه على السرير وقال له: ان أمير المومنين أوصاني بك وان هؤلاء شغلوني عنك ثم قال لعلي بن الحسين لعل أهلك فزعوا فقال إي والله، فأمربد ابته فاسرجت ثم حمله عليها حتى رده إلي منزله مكرما[1]

آپ کو بتلایا کہ "اگر امیر المومنین تمہارا خیال رکھنے کی مجھے تاکید نہ کرتے تو میں تمہاری گردن ماردیتا" اس کے بعد کہنے لگا: اچھا اب تم پینا چاہتے ہو تو پی لو اور چاہو تو ہم تمہارے لیے اور منگا دیں، حضرت نے فرمایا: بس جو میرے ہاتھ میں ہے وہی پینا چاہتا ہوں چنانچہ آپ نے وہ پی لیا۔ پھر مسلم بن عقبہ ان سے کہنے لگا ادھر اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور آپ کو اپنے پاس تخت پر بٹھا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین نے تو مجھے تمہارے بارے میں تاکید کردی تھی مگر ان لوگوں نے مجھے اتنا مشغول رکھا کہ تمہاری طرف توجہ ہی نہ ہو سکی پھر حضرت سے کہنے لگا شاید تمہارے گھر والے تمہاری طرف سے پریشان ہوں۔ حضرت نے فرمایا: بخدا ایسا ہی ہے چنانچہ مسلم نے اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیا اور پھر اس پر سوار کر کے باعزت طور پر ان کو اپنے گھر پہنچا دیا۔

اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا: اور طبقات ابن سعد میں ہے:

أخبرنا الفضل بن دكين قال: أخبرنا حفص عن جعفر عن أبيه

حضرت علی بن حسین کنکریاں مارنے کے لیے پیدل جایا کرتے۔ منیٰ میں آپ کا

---

[1] البدایۃ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۰

أن علي بن حسين كان يمشي إلى الجمار وكان له منزل بمنى وكان أهل الشام يؤذونه فتحول إلى قرين الثعالب أو قريب من قرين الثعالب وكان يركب فاذا أتى منزله مشى إلى الجمار[1]

ایک مکان تھا۔ اہل شام آپ کو ستایا کرتے تھے اس لیے آپ اپنے مکان سے قریب الثعالب یا اس کے قریب اٹھ کر آ گئے اب آپ سواری پر آنے لگے اور جب اپنے گھر پہنچتے تو پھر کنکریاں مارنے کے لیے یا پیادہ جایا کرتے۔

اہل بیت کی حق تلفی: اور اسی میں ہے:

أخبرنا مالك بن اسمعيل قال: حدثنا سهل بن شعيب النهمي وكان ناز لافيهم يؤمهم عن أبيه عن المنهال، يعني ابن عمرو قال دخلت على علي بن حسين فقلت كيف أصبحت اصلحك الله؟ فقال ما كنت أرى شيخًا من اهل المصر مثلك لا يدري كيف أصبحنا فأما! ذالم تدراو تعلم فسأخبرك أصبحنا في قومنا بمنزلة بني

سہل بن شعیب نہمی جو بنی نہم میں امامت کرنے کی وجہ سے رہا کرتے تھے اپنے باپ شعیب سے اور شعیب، منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے صبح کس حال میں ہوئی، فرمایا میں نہ سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی یہ نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی، تو پھر میں اب بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں صبح کی جس طرح بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے ساتھ کی تھی کہ وہ ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو جینے

---

[1] ج ۵ ص: ۲۱۹ مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ ہجری

اسرائیل فی آل فرعون إذكانوا يذبحون ابنآء هم ويستحيون نسآئهم وأصبح شَيخنا وسيدنا يتقريب بلي عدونا بشمة أوسبه على المنابرو أصبحت قريش تعد أن لها الفضل على العرب لأن محمدا صلى الله عليه وسلم منها لا يعد لها فضل إلا به وأصبحت العرب مقرة لهم بذلك وأصبحت العرب تعدأن لها الفضل على العجم لأن محمداصلى الله عليه وسلم منهالا يعد لها فضل إلا به وأصبحت العجم مقرة لهم بذلك فلئن كانت العرب صدقت أن لها الفضل على العجم وصدقت قريش أن لها الفضل على العرب لأن محمداً صلى الله عليه وسلم منها أن لناأهل البيت

دیتے تھے، اور ہمارے شیخ اور ہمارے سردار (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ برسرِ منبر اُن پر سبّ وشتم کر کے ہمارے دشمن کا تقریب حاصل کیا جاتا ہے اور قریش نے اس حال میں صبح کی کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو عرب پر اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی ہیں اور ان کے بغیر ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اہل عرب نے اس حال میں صبح کی کہ وہ بھی قریش کی اس فضیلت کے معترف ہیں نیز اہل عرب نے اس حال میں صبح کی کہ وہ بھی اہل عجم پر اپنی فضیلت کو اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے اور آپ کے بغیر عرب کی فضیلت شمار نہیں ہوسکتی، اور اہل عجم نے اسی حالت میں صبح کی کہ انہیں بھی عرب کی اس فضیلت کا اعتراف ہے، پس اگر عرب اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے، اور قریش بھی سچے ہیں کہ ان کو عرب پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے تھے۔ اب قریش (وقت کے حکمران بنی امیہ مراد ہیں) نے اس حال میں صبح کی ہے کہ خود تو ہمارا حق لے چکے ہیں مگر اپنے اوپر ہمارا کوئی حق نہیں سمجھتے۔ اب

الفضل علی قریش لان محمدا صلی الله علیه وسلم منا فأصبحوا یأ خذون بحقنا ولا یعرفون لنا حقا فهکذا أصبحنا إذلم تعلم کیف أصبحنا قال فظننت أنه أراد أن یسمع من فی البیت

سنو جب تمہیں یہ علم ہے ہی نہیں کہ ہمیں صبح کس حال میں آئی تو اس حال میں آئی۔ منہال کا بیان ہے کہ مجھے خیال یہ پڑتا ہے کہ حضرت ان لوگوں کو سنا رہے تھے جو اس وقت گھر میں آئے ہوئے تھے۔

دسواں شبہ

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کے رشتہ داریاں اموی سادات سے ہوتی رہی ہیں۔

اس شبہ کا جواب

واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا: یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد کے درمیان کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا، کتب تواریخ وانساب کا پڑھنا تو بڑی بات ہے اس سلسلہ میں ایک قرابت کا ذکر بھی کتب تاریخ وانساب سے ثابت نہیں۔ محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کی بہت سی قرابتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک نظیر بھی پیش نہ کرسکے اور امویوں کو سادات میں شامل کرنا ناصلبیت ہے، اور امویہ کا شمار اہل بیت میں نہیں ہے۔

عبدالملک کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا: یہ بھی واضح رہے کہ بنو امیہ اور بنی ہاشم کے بہت سے خاندان تھے۔ عبدالملک مروانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کردی تھی بنو ہاشم

---

[1] ج ۵ ص: ۲۱۹-۲۲۰

سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیادتی کی تو ان پر زوال آ گیا چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

فان الحجاج مع كونه مبيرًا سفاكاً للدماء قتل خلقاً كثيرًا لم يقتل من أشراف بني هاشم أحدًا قط بل سلطانه عبدالمك بن مروان نهاه عن التعرض لبني هاشم وهم الاشراف وذكرانه أتى إلى بني الحرب لما تعرضوا الهم يعني لما قتل الحسين[1]

بلا شبہ حجاج نے باوجود دیکہ وہ بڑا ہلا کو اور سخت خونریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر کو قتل کر دیا تھا تاہم اشراف بنی ہاشم میں سے کبھی کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کو اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشراف کہلاتے ہیں کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہدیا تھا کہ بنو حرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب قتل کیا تو ان پر ادبار آ گیا۔

اس لیے بنو ہاشم اور بنو مروان میں اگر تعلقات قرابت بعد میں بھی قائم رہے اور ایک دوسرے سے رشتہ مناکحت کا سلسلہ چلتا رہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یزید کے مظالم کے مروانی بھی اقراری تھے۔

گیارہواں شبہ

یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شریر النفس لوگوں نے سیدنا حسینؓ کو یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہے تو آپ اپنے ارادہ سے دستبردار ہو گئے۔

---

[1] مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۴ ص: ۵۰۴

اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ محض ہرزہ سرائی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تاریخ طبری، البدایہ والنہار، ابن الاثیر، الاصابہ لابن حجر اور تاریخ الخلفاء یہ سب کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ان میں کہیں یہ مذکور نہیں جو مستفتی نے سوال میں ذکر کیا ہے۔

کیا العیاذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض ننے نادان عقل سے کورے، احکام شرع سے بالکل ناواقف اور دین تقاضوں سے سرے سے ناآشنا تھے کہ سائل کو تو اس حقیقت کا پتہ چل گیا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور ان شریر النفس لوگوں کے بہکانے میں آ کر جن کے

> ''نامبارک عزائم ومقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے ور کبھی جنگ جمل وصفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے حتیٰ کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور حسنؓ کی توہین وتحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن داغدار ہیں۔''

آپ نے یہ باور کرلیا کہ امیر یزید امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں اور پھر ان کے خلاف خروج پر آمادہ ہوگئے۔ سبحان اللہ! اس سے زیادہ اور کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحمیق وتجہیل میں کہا جاسکتا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نہ صرف حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے بعد ساری امت اسلامیہ پر آج تک یہ حقیقت منکشف ہی نہ ہوسکی جو مستفتی پر واضح ہوئی ہے نعوذ باللہ من ہذا الخرافات جھوٹ بولنے کی حد ہوگئی۔

فاروق اعظیم کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں کسی کوفی کا ہاتھ نہ تھا یہ محض جھوٹ ہے، نہ ان کی شہادت کسی سازش کے تحت عمل میں آئی ان کی شہادت کے بارے میں ''سازش کا افسانہ''

موجودہ دور کے ملحد ناصبیوں کے ذہن کا ساختہ و پرداختہ ہے۔

بقیہ غلط باتوں پر تنبیہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں بھی کسی کوفی کا نام نہیں لیا جاتا۔ محاصرین میں بھی اکثریت اہل مصر کی تھی۔ جنگ جمل وصفین میں کیا طرفین سے سارے صحابہ کرام (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے تھے کہ وہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان شریرالنفس لوگوں کی شرارت کو بالکل نہ سمجھ سکے اور قتل وقتال کا ہنگامہ کارزار جاری رکھا۔ ایک ملحد تو ایسی بات سوچ سکتا ہے کہ لیکن کسی مسلمان کا ذہن اس خرافات کو باور نہیں کرسکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی پکا خارجی تھا، خارجیوں کا گڑھ کوفہ نہیں نہروان تھا۔ ابن ملجم قاتل علی کوفی نہیں مصری تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین وتحقیر میں خوارج اور نواصب پیش پیش رہے ہیں۔

یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کا اقدام للہ فی اللہ تھا: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی نااہلی کی بنا پر دوسروں کے کہنے سے نہیں بلکہ دینی بصیرت کے مطابق محض اللہ فی اللہ بغرض اعلاء کلمۃ اللہ تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

قسم خرجوا غضباً للذين من أجل جور الولاة وترك عملهم بالسنة النبوية فهؤلاء أهل الحق ومنهم الحسين بن علي وأهل المدينة في الحرة والقراء الذين خرجوا على الحجاج[1]	ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم وستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بنا پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے یہ سب اہل حق ہیں اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل مدینہ جنہوں نے مقامِ حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام علماء جو حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان ہی اہلِ حق میں ہے۔

---

[1] فتح الباری ص ۲۴۰ ج ۱۲۔ طبع مصر

جن حضرات نے یزید وحجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا: شرعی نقطہ نظر سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحاب حرہ سے یزید کا جنگ کرنا کسی طرح بھی قطعاً جائز نہیں تھا چنانچہ حافظ ابن حجر "فتح الباری" میں رقمطراز ہیں:

من خرج عن طاعة امام جائر أراد الغلبة على ماله أو نفسه أو أهله فهو معذور ولا يحل قتاله وله ان يدفع عن نفسه وماله واهله بقدر طاقته.

جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جو ظالم ہو اور اس شخص کے جان یا مال یا اہل وعیال پر تغلب کرنا چاہتا ہو تو ایسا شخص معذور ہے اور اس سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان مال اور اپنی اہل وعیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے۔

وقد أخرج الطبری بسندٍ صحيح عن عبدالله بن الحارث عن رجل من بنی مضر عن علی، وقد ذكر الخوارج فقال إن خالفوا إمامًا عدلًا فقاتلو هم وإن خالفوا! ما مًا جائرًا فلاتقا تلوهم فانّ لهم مقالًا.

چنانچہ امام طبری نے بسند صحیح عبداللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمراں کی مخالفت کریں تو ان سے قتل وقتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے (اس لیے معذور ہیں)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وعلى ذلك يحمل ماوقع للحسين بن علی ثم لأهل المدينة فی الحرة ثم لعبد الله

اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقامِ حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ پھر

بن الزبير ثم للقراء الذين خرجوا على الحجا في قصة عبدالرحمن بن محمد بن الأشعت والله أعلم!

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ان کے علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعت کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔ واللہ اعلم

حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسینؓ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا: چوتھے شبہ کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خط جو یزید کے نام لکھا گیا تھا درج کیا جا چکا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے عمال نے حرمین میں چین سے بیٹھنے ہی نہ دیا۔ مدینہ میں تھے تو بیعت یزید پر اصرار تھا۔ مکہ معظمہ آ گئے تو وہاں بھی یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام خط لکھ کر اپنے قطعہ اشعار میں حضرت حسینؓ کو قتل کی دھمکی دی۔[۲] حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے حرم مکہ میں خونریزی ہو اور حرم کی عزت خاک میں ملے۔[۳] اس لیے آپ نے کوفہ کا رخ کیا کہ وہاں آپ کے اعوان و انصار تھے۔

جن حضرات نے کوفہ جانے سے حضرت حسینؓ کو روکا بر بنائے شفقت روکا: اور جن حضرات نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا وہ بھی بر بنائے شفقت تھا نہ اس بنا پر کہ آپ کا یہ اقدام نعوذ باللہ خلاف شرع تھا۔ ورنہ روکنے والے آپ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ آپ مرتکب معصیت ہو رہے ہیں یزید جیسے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرنے سے آپ شرع کے رو سے باغی مباح الدم اور واجب القتل ہوں گے۔ اس لیے خلیفہ برحق سے بغاوت کرنا آپ کے شایان شان نہیں۔ غور فرمائیے یہ

۱؎ ج ۱۲ ص ۲۵۳۔۲۵۴

۲؎ ملاحظہ ہو تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص: ۱۶۴   ۳؎ ایضاً ص: ۱۶۱ و ۱۶۵

حضرات کوفیوں کو بیوفائی کا اندیشہ تو ظاہر کرتے ہیں مگر آپ کے اس اقدام کو گناہ قرار نہیں دیتے۔

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے: کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے، ان میں مخلصین کی کثیر جماعت تھی حضرت حسین کو مرتبہ شہادت پر فائز ہونا تھا اس لیے لاکھ جتن کیے جاتے ہونا یہی تھا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت میں ازل سے شہادت مقدر تھی۔ بہت سے صحابہ کرامؓ نے آپ کی حضرت میں اپنی خدمات پیش کیں اور محاصرین سے جنگ کی اجازت مانگی بظاہر خیال ہوتا ہے کہ اگر محاصرین سے جنگ کی جاتی تو ان کا فرار پر قرار ضروری تھا لیکن آپ نے اسے پسند ہی نہ فرمایا اور آخر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انجام سے ناواقف نہ تھے راہ حق میں شہادت مطلوب مومن ہے اس لیے آپ نے جو قرینِ مصلحت سمجھا اسی پر عمل کیا۔

کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر اور حضرت حسینؓ کی شہادت: کوفہ کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے۔ یزید کو جیسے ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عازم کوفہ ہونے کی اطلاع ملی اُس نے فوراً حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو جسے یزید اپنا چچا زاد بھائی بتاتا تھا، کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا۔ اس نے آتے ہی جو ظلم وستم ڈھایا اس سے تاریخ کے اوراق پر ہیں۔ بڑے بڑے سر کردہ لوگوں کو داد و دہش سے سر کیا، اور عوام کو جبر و قہر سے کوفہ کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہو، اور کوئی کہیں نہ جا سکے، صورتحال میں اس اچانک تبدیلی سے مخلصین کو آپ کی نقل وحرکت کی خبر نہ ملنے کی سبب مدد کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت حسینؓ ابھی کوفہ سے پچیس میل دور ہی تھے کہ ابن زیاد کے حکم سے راہ ہی میں حر بن یزید تمیمی کے دستہ فوج نے جو ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا، آپ کا محاصرہ کر لیا۔ پھر عمر بن سعد کی سر کردگی میں مزید چار ہزار سپاہ روانہ کر کے

پہلے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارواں کا پانی بند کیا پھر ان سب حضرات پر حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا۔ چنانچہ امام بخاریؒ "تاریخ صغیر" میں لکھتے ہیں:

حدثنا موسیٰ ثنا سلیمان بن مسلم ابوالمعلی العجلی قال سمعت أبی۔ أن الحسین لمانزل کربلا فأوّل من طعن فی سرادقه عمر بن سعد فرأیت عمر بن سعدع وابنیه قد ضربت أعنا قهم وعلقوا علی الخشب ثم ألهبت فیهم النار۔[1]	ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو سلیمان بن مسلم ابوالمعلی عجلی نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حسینؓ جب کربلا میں فروکش ہوئے تو سب سے پہلے جس شخص نے ان کے سرا پردہ میں نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا پھر میں نے (کچھ عرصہ بعد یہ منظر بھی) دیکھا کہ عمر بن سعد اور اس کی دونوں بیٹوں کی گردنیں ماری گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹکا کر نذر آتش کر دیا گیا، اور ان سب شہداء کربلا کے سر کاٹ کر ان کو کوفہ روانہ کر دیا گیا۔

حضرت حسینؓ کے سر مبارک کے ساتھ ابن زیاد کی گستاخی: حضرت حسینؓ کا سر مبارک جب عبیداللہ بن زیاد کے سامنے طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو اس ابن زیاد بدنہاد نے آپ کے سر مبارک کے ساتھ جو گستاخی کی اس کی تفصیل "صحیح بخاری" میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

حدثنا محمد بن الحسین بن ابراهیم ثنا حسین بن محمد ثنا جو یرعن محمد عن انس بن مالک قال أتی عبیدالله بن زیاد برأس الحسینؓ	محمد بن سیر بن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو وہ مردود چھڑی سے اس کو چھیڑتا رہا اور آپ کی حسن کے بارے میں بدزبانی کی۔ اس پر حضرت انسؓ نے

[1] تاریخ صغیر ص ۷۵

فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنه شیئاً فقال أنس کان أشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم وکان مخضوبًا بالوسمة[1]

فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر اس وقت وسمہ کا خضاب تھا۔

اور جامع ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے:

حدثنا خلاد بن اسلم البغدادی ناالنضربن شمیل ناهشام بن حسان عن حفصة بنت سیرین قالت ثنی انس بن مالک قال کنت عندا بن زیا دفجئی برأس الحسین فجعل یقول بقضیب فی أنفه ویقول مارأیت مثل هذا حسنا لم یذکر قال قلت اما أنه کان اشبهم برسول الله صلی الله علیه وسلم. هذا حدیث حسن صحیح غریب[2]

حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے لایا گیا تو وہ چھڑی سے آپ کی ناک کو چھیڑ کر (بطور طنز) کہنے لگا میں نے تو ایسا حسین ہی نہیں دیکھا پھر اس کے حسن کا کیوں چرچا ہے میں نے کہا خبردار! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی مشابہ تھے۔

عمر بن سعد کا حشر: عمر بن سعد کا جو حشر ہوا وہ ابھی تاریخ بخاری کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے کہ وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد ہی قتل کر دیا گیا اور پھر اس کے لاشے کو آگ میں جلا دیا گیا۔ یہ واقعہ ۶۶ ہجری کا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱۔ص: ۵۳۰   [2] ج ۲ص: ۲۱۹

ابن زیاد کے سر کے ساتھ کیا عبرتناک معاملہ ہوا: اور ۶۷ ہجری میں بروز عاشوراء ہی ابن زیاد بدنہاد بھی ابراہیم بن الاشتر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اسی قصر میں جہاں ۶۱ ہجری میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس کا سرنا مبارک بھی رکھا گیا پھر اُس کے سر پر جو بیتی وہ سننے کے لائق ہے۔

امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں:

عن عمارة بن عمیر قال لما جئی برأس عبیدالله بن زیاد واصحابه نضدت فی المسجد فی الرحبة فانتهیت إلیهم وهم یقولون قد جاء ت قد جاء ت فاذا حیةٌ قد جاء ت تخلل الرؤس حتیٰ دخلت فی متخری عبیدالله بن زیاد فمکثت هنیئة ثم خرجت فذهبت حتی تغیبت ثم قالوا قد جاء ت قد جاء ت ففعلت ذلک مرتین أوثلاثاً. هٰذا حدیث حسن صحیح[1]

عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لاکر چوک کی مسجد میں بالترتیب رکھے گئے تو میں بھی وہاں پہنچا اس وقت لوگوں کی زبان پر تھا وہ آیا، وہ آیا دیکھا تو ایک سانپ سروں میں سے گھستا ہوا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا پھر ذرا دیر رہ کر باہر غائب ہوگیا اب پھر لوگوں نے کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا۔ غرض اس سانپ نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔

یزید کا دنیا سے ناکام ونامراد جانا الفاظ میں یہ ہے: اور یزید کا جو حشر ہوا وہ حافظ ابن کثیر کے الفاظ میں یہ ہے:

وقدأخطأیزید خطاءً فاحشاً فی قوله لمسلم بن عقبة أن تبیح المدینة ثلاثة أیام وهذا خطأ کبیر فاحش مع ما انضم

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر کہ وہ تین دن تک مدینہ نبوی میں قتل وغارت گری جاری رکھے بڑی خطاء فاحش کی یہ بڑی سخت اور فحش غلطی ہے اور اس کے ساتھ

---
[1] ج ۲ ص: ۲۱۹

إلی ذلک من قتل خلق من الصحابة وابناء هم وقد تدم أنه قتل الحسين وأصحابه على يدى عبيدالله بن زياد وقد وقع في هذه الثلاثة أيام من المفاسد العظيمة في المدينة النبوية مالايحد ولا يوصف ممالا يعلمه إلا الله عزوجل وقداراد بال مسلم بن عقبة توطيد سلطانه و مكه ودوام أيامه من غير منازع فعاقبه الله بنقيض قصده وحال بينه وبين مايشتهيه فقصمه الله قاصم الجبابرة وأخذهاخذ عزيز مقتد ر" وَكَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ[1]

صحابہ اور صحابہ زادوں کی ایک خلقت کا قتل عام اور شامل ہوگیا، اور سابق میں گزر چکا کہ حضرت حسین اور ان کے اصحاب عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کرڈالے گئے۔ مدینہ منورہ میں ان تین دنوں میں وہ، وہ مفاسد عظیم واقع ہوئے کہ جو حدّ وحساب سے باہر ہیں اور بیان کیے ہی نہیں جاسکتے۔ بس اللہ عزوجل ہی کو ان کا علم ہے۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اس کی سلطنت و اقتدار کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس کے ایام حکمرانی کو بلانزاع دوام حاصل ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس کو سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان آڑے آ گیا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو سب ظالموں کی کمر توڑ دیتا ہے اس کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی اور اسے اسی طرح دھر پکڑا جس طرح کہ غالب اور اقتدار پکڑا کرتا ہے (اور اسی طرح ہے تیرے رب کی پکڑ جبکہ وہ پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بے شک اس کی پکڑ درد ناک ہے شدت کی)

اس کی نسل کا منقطع ہو جانا: اور خواجہ محمد پارسا محدث نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ "فصل الخطاب" میں فرماتے ہیں:

---

[1] ج ۸ ص: ۲۲۲ [2] سورہ ہود آیت نمبر ۱۰۲

روز طف باقی نماند از اولاد وے مگر زین العابدینؓ، پس حق تعالیٰ از صلب وے آنقدر کہ خواست از اہل بیت نبوت بیرون آور دور شرق وغرب منتشر گردانید چنانچہ ہیچ ناحیہ وہیچ شہرے از وجود شان خالی نیست ونباشد واز یزید واخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ آباد ان کند وآتش افروزد واللہ تعالیٰ راست ترین گویند گان است بہ حبیب خود کہ فرمود: اِنَّ شَانِئَکَ هُوَالْاَ بْتَرُ [1]

کربلا کے دن حضرت حسینؓ کو اولاد نرینہ میں بجز حضرت زین العابدینؓ کے کوئی مرد باقی نہ بچا پھر حق تعالیٰ نے آپ کی پشت سے خاندان نبوت کے جتنے افراد کو بھی پیدا کرنا چاہا پیدا فرمایا اور ان کو شرق وغرب میں پھیلا دیا چنانچہ کوئی نواح اور کوئی شہر ایسا نہیں کہ جو ان حضرات کے وجود سے خالی ہو اور نہ کبھی خالی ہوگا اور یزید اور اس کی نسل سے ایک شخص کو بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ جو گھر کو آباد رکھے اور اس میں دیا جلا سکے (نہ کوئی نام لیوا رہا نہ پانی دیوا) اور اللہ تعالیٰ سب سے سچا ہے کہ جس نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمادیا تھا کہ بے شک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا دُم کٹا۔

یہ صحیح نہیں کہ اخیر وقت میں حضرت حسینؓ یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے: اور ہمارے نزدیک یہ بات بھی محل نظر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخیر وقت میں عمر بن سعد کے سامنے جو تین شرطیں رکھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے دمشق بھیجدیا جائے تا کہ میں اپنے ابن عم (چچازاد بھائی امیر یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر معاملہ اس طرح طے کرلوں جس طرح میرے بھائی حسن نے امیر معاویہؓ کے ساتھ کیا تھا۔ سائل نے فاضع یدی فی یدہ کے الفاظ تو نقل کیے بقیہ الفاظ تاریخ کی کس کتاب میں منقول ہیں۔

اس پر درایت کے اعتبار سے تفصیلی بحث: یہاں سب سے پہلے غور طلب بات

---

[1] ملاحظہ ہو" الفرع النامی من الاصل السامی از نواب صدیق حسن خان۔ ص:۵۷۔ طبع نظامی کانپور

یہ ہے کہ کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے کسی دور میں بھی یزید کی خلافت منعقد ہونے پر اپنی رضا مندی ظاہر کی؟

سب سے پہلے جب یزید کی ولیعہدی کی تقریب عمل میں آئی تو کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی ولی عہدی کی بیعت کی اور اس کو درست بتایا؟ پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر یزید کے عامل مدینہ ولید بن عتبہ نے آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو کیا آپ نے اس مطالبہ کو منظور فرمایا؟ کیا آپ نے مدینہ طیبہ کو صرف اسی بنا پر خیر باد نہیں کہا کہ یزید کے مقرر کردہ عامل مدینہ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپ پر ناجائز دباؤ ڈالا جارہا تھا؟ کیا آپ اسی وجہ سے وہاں چل کر حرم مکہ میں نہیں آگئے تھے؟ حرم مکہ میں بھی آپ نے یزید کی بیعت پر کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اظہار رضا مندی کیا تھا؟ پھر اخیر وقت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر کس طرح راضی ہوسکتے تھے جبکہ وہ اس بیعت کو بیعت ضلالت بھی سمجھتے تھے چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہری ''الفصل فی الملل والاھواء والنحل'' میں رقمطراز ہیں:

إذرای أنها بیعة ضلالة[1] — حضرت کی رائے یہ تھی کہ اس کی بیعت بیعتِ ضلالت ہے۔

آپ کا اخیر خطبہ جو آپ نے میدان کربلا میں دیا، آپ کے موقف کو صاف صاف بتارہا ہے یہ خطبہ ''احیاء العلوم'' امام غزالی کے حوالہ سے نقل کیا جاچکا۔ حضرت ابن عباس کا وہ خط بھی پڑھ لیجئے جو آپ نے یزید کے نام لکھا تھا اور جو سابق میں تاریخ الکامل، ابن ایثر کے حوالہ سے ہم نقل کرچکے ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف سے رجوع کرکے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے راضی ہوگئے تھے حالانکہ یہ دونوں مواقع ایسے تھے کہ جہاں ایسی اہم بات کا ذکر ضروری تھا۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر

[1] ج ۴ ص ۱۰۵

رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء یا حضرات انصار مدینہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی جب سے وہ یزید کے خلاف کھڑے ہوئے کبھی اپنے موقف سے رجوع کیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے۔ حضرت تو عزم وہمت اور عزیمت کے اعتبار سے ان سب حضرات سے برتر اور بڑھ کر تھے، اور کمالات و فضائل کے اعتبار سے اپنے تمام معاصرین میں اس وقت کوئی ان کا ہمسر نہ تھا وہ بھلا کس طرح اپنے صحیح موقف سے رجوع فرما سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک یزید کی شخصیت ناپسندیدہ تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں۔

ب

إنم أنكر من أنكرمن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ومن التابعين بيعة يزيد بن معاوية والوليد وسليمان لانهم كانوا غير مرضين[1]	صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار فرمایا وہ صرف اس بناپر تھا کہ یہ ناپسندیدہ شخصیتیں تھیں۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ یزید نے اپنی حرکات سے توبہ کی، نہ ان حضرات میں سے کسی نے اس سے بیعت کا ارادہ فرمایا، بہرحال اگر اہل سنت کی کتابوں میں یہ روایت حاضرین واقعہ سے بسند صحیح مذکور ہو تو ضرور پیش کی جائے ہم بصد شکریہ اس تحقیق کو قبول کریں گے۔

حضرت حسینؓ کا شمار نجباء صحابہ میں ہے: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صحابہ کرامؓ کے اس اعلیٰ طبقے میں ہے جن کو حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے "نجباء" (خاص برگزیدہ اصحاب) اور "رقباء" (جو آپ کے احوال کے نگراں ہوں) میں داخل فرمایا ہے۔ چنانچہ جامع ترمذی میں ہیں:

---

[1] الفصل ج ۴ ص: ۱۶۹ طبع مصر ۱۳۲۱ ہجری

عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن لكل بني سبعة نجباء ورقباء وأعطيت أناأربعة عشر قلنا من هم؟ قال أنا و ابناى وجعفر وحمزة و أبوبكر وعمرومصعب بن عمير وبلال وسلمان و عمار وعبدالله بن مسعود و أبوذرو المقداد[۱]	حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے سات نجباء اور رقباء ہوئے ہیں اور مجھے حق تعالیٰ نے چودہ عنایت فرمائے ہیں ہم نے عرض کیا یہ کون کون حضرات ہیں آپ نے فرمایا میں (یعنی حضرت علی) اور میرے دونوں بیٹے (حسن و حسین) جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبداللہ بن مسعود، ابوذر، اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

''نجیب'' کے معنی برگزیدہ اور ''رقیب'' کے معنی نگران احوال کے ہیں، شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی ''اشعۃ اللمعات'' میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

ازین معلوم میشود کہ درین چہاردہ بحسب نجابت ورقابت خصوصیتے است کہ دردیگران نیست	اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چودہ کے چودہ بزرگوں کو نجابت ورقابت کے اعتبار سے وہ امتیاز وخصوصیت حاصل ہے اور جو اوروں کو نہیں ہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ علی و حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے:

اب غور فرمایئے کہ جو حضرات شرف نجابت سے ممتاز ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کے نگراں ہوں ان کے مزاج شناس نبوت ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا جو اقدام بھی ایسے مواقع پر ہوگا جادۂ شریعت سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حضرت علی، حضرت حسنؓ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے وقت میں مخالفین کے ساتھ جنگ وصلح

[۱] رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ص ۵۸۰ ج ۲

کا جو اقدام بھی کیا وہ امت کے عین مفاد میں تھا اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام یزید کے خلاف بالکل صحیح تھا، چنانچہ علامہ عبدالحی بن عماد حنبلی رحمہ اللہ "شذرات الذہب" میں لکھتے ہیں:

والعلماء مجمعون على تصويب قتال علي لمخالفيه لانه الا مام الحق ونقل الاتفاق أيضاً على تحسين خروج الحسين على يزيد وخروج ابن الزبير وأهل الحرمين على بني اميه وخروج ابن الاشعث ومن معه من كبار التابعين وخيار المسلمين على الحجاج ثم الجهوررأوا جواز الخروج على من كان مثل يزيد والحجاج ومنهم من جوز الخروج على كل ظالم[1]

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخالفین سے قتال کرنے میں حق پر تھے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے۔ نیز اس پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے خلاف اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل حرمین کا بنی امیہ کے خلاف اور ابن الاشعث اور ان کے ساتھ کبار تابعین اور بزرگان مسلمین کا خروج حجاج کے خلاف مستحسن تھا پھر جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یزید اور حجاج جیسے (ظالم اور فاسق) حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خروج کیا جا سکتا ہے۔

حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟: یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر آخر وقت میں راضی ہو گئے تھے تو پھر ان کو عمر بن سعد یا عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی

---

[1] ج ۱ ص ۶۸ طبع مصر ۱۳۵۰ ہجری

بیت کر لینے سے آخر کونسا امر مانع تھا کیا وہ بھی (نعوذ باللہ) حب جاہ میں گرفتار تھے کہ صرف بادشاہ وقت ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اس کے عمال کے ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی کسرِ شان ہے اسی طرح ایسی صورت میں خود یزیدی عمال کو انہیں دمشق پہنچانے میں آخر کیا عذر تھا؟ اور جب یہ اطاعت کے لیے تیار تھے تو پھر انہیں ناحق قتل کرنے سے کیا فائدہ تھا؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بیعت پر آمادہ تھے مگر عبیداللہ بن زیاد نے زبردستی آپ کو قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ عبیداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو آخر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کونسی ذاتی عداوت تھی جس نے ان لوگوں کو آپ کے قتل پر مجبور کیا تھا؟

اور اگر یہ لوگ اس قدر خودسر تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر آمادہ تھے مگر پھر بھی وہ ان کے قتل سے باز نہ رہے تو یزید کیا برائے نام خلیفہ تھا کہ جو عضو معطل بنا بیٹھا تھا اور جو کچھ کرتے تھے اس کے عمالِ بداعمال ہی کرتے تھے، اور اگر واقع میں یزید بااقتدار خلفیہ تھا اور اس کے منشا کے بغیر شہدائے کربلا کو قتل کیا گیا تو پھر اس کے بارے میں اپنے اعمال بد سے باز پرس کیوں نہ کی؟

اتنی بحث درایت کے اعتبار سے اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لئے کافی ہے جو مستفتی نے نقل کی ہے کہ ''فاضع یدی فی یدہ'' اور یہ کسی قابل وثوق سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

مزید یہ کہ اس کے برخلاف عقبہ بن سمعان کی صاف تصریح کتب تواریخ میں موجود ہے چنانچہ حافظ عزالدین ابن الاثیر جزری اپنی '' تاریخ الکامل'' میں فرماتے ہیں:

وقد روی عن عقبة بن سمعان انه قال صحبت الحسین من المدینة إلی مکة ومن مکة إلی العراق ولم أفارقه حتی قتل و سمعت جمیع مخاطبا ته الناس إلی یوم مقتله فواللہ ماأعطا هم ما یتذاکر به الناس من انه یضع یده فی یدیزید[1]

اور بلاشبہ عقبہ بن سمعانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر ساتھ رہا اور ان کی شہادت کے وقت تک ان سے کہیں جدانہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک آپ کی وہ تمام گفتگوئیں سنی ہیں جو آپ نے لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سوبخدا یہ بات آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی ہی نہیں جس کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں گے اور اس سے بیعت کرلیں گے۔

یہ عقبہ بن سمعان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ رباب کے غلام تھے عمر بن سعد نے غلام ہونے کے باعث ان کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔[2]

خضری کی تحقیق: "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" کے مصنف محمد خضری کی تحقیق بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں:

ولیس بصحیح أنه عرض علیهم أن یضع یده فی یدیزید فلم یقلبوا منه تلک العودة وعرضوا علیه ان ینزل علی حکم ابن زیاد[3]

یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیعت کے لیے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لیے تیار ہیں مگران لوگوں نے آپ کی یہ پیشکش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر سرِ تسلیم خم کریں

---

[1] ج ۴ ص ۲۲ طبع مصر [2] ملاحظہ ہوا الکامل ج ۴ ص ۳۲ [3] ج ۲ ص ۱۲۸ طبع مصر

غرض یہ دعویٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخیر وقت میں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے۔ نہ درایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے اعتبار سے اور جو اس امر کی صحت کا مدعی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت پیش کرے تا کہ اس کا مدعا ثابت ہو۔

بارہواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خروج بغاوت نہیں بلکہ ایک اجتہادی سیاسی خطاء تھی جس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا۔

اس شبہ کا جواب

یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلوائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر کے سیاسی غلطی کی تھی اور یہ خطاء آپ کی اجتہادی تھی۔ بہر حال بغاوت ہو یا" اجتہادی سیاسی خطاء جب بقول مستفتی حضرت نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمالیا تھا تو اب اُن کو شہید کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور خیر حضرت کو تو خاک بدہن گستاخ بقول مستفتی شریر النفس لوگوں نے امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا تھا اور اس کا سبب صرف سبائی کوفیوں کو دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعاوی پر اعتماد تھا مگر ان ناصبی قاتلانِ حسینؓ کو خاندانِ نبوت کا چراغ گل کرنے کے لیے کس شیطان نے کہا تھا اور انہوں نے اپنے دین وایمان کس خبیث کے کہنے میں آ کر برباد کیا؟ اس پر مستفتی نے کچھ روشنی نہ ڈالی۔

سبائی کون تھے؟: اور یہ اپج بھی خوب ہے کہ" اس کا اصل سبب سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی ہے" سبائیوں کو تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلایا تھا۔

صحیح بخاری میں آتا ہے کہ

أتی علی رضی الله عنه بزنادقة فأحر ﻗﻬﻢ [1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ زنادقہ لائے گئے آپ نے ان کو نذر آتش کر دیا۔

یہ زنادقہ کون تھے ان کے بارے میں علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ

[1] ج ۲ ص ۱۰۲۳

تعالیٰ "الکوکب الدراری شرح بخاری" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابوالمظفر الاسفرائنی کی کتاب "التبصرہ" سے ناقل ہیں:

هم طائفة من الروافض تدعى السبائية ادعوا ان علياً اله و كان رئيسهم عبدالله بن سباو كان أصله يهوديا[1]

یہ روافض کا وہ گروہ تھا جس کو سبائی کہا جاتا ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت علی خدا ہیں ان کا سربراہ عبداللہ بن سبا تھا جو اصل میں یہودی تھا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی "لسان المیزان" میں لکھتے ہیں:

وأخبار عبدالله بن سبا شهيرة فى التواريخ وليست له رواية والله الحمدوله أتباع يقال لهم السبائية يعتقدون إلاهية على بن أبى طالب وقد أحرقهم علىؓ بالنار فى خلافة[2]

عبداللہ بن سبا کے واقعات تواریخ میں مشہور ہیں بحمداللہ اس سے کوئی روایت نہیں ہے۔ اس کے متبعین کو "سائیہ" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے۔ ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلادیا تھا۔

اب ذرغور فرمائیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سبائیوں کے ساتھ جو عبرت انگیز معاملہ کیا وہ سب کچھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا پھر یہ کیسی لغو بات ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی ان سے دھوکہ کھانے کے لیے خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو تجویز کیا جائے۔ اس سے زیادہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کیا غلط بیانی ہوسکتی ہے۔

ناصبی اور رافضی دونوں کا تمام خلق خدا میں بدترین جھوٹ بولنے والوں میں ہے۔

یہ افترا ہے کہ کوئی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کرکے صلح نہ ہونے دی:

---

[1] ج ۱۴ ص ۴۵ طبع مصر [2] ج ۳ ص ۲۸۹ و ۲۹۰

اور یہ قطعاً افتراء ہے کہ یہ "کوفی سبائیوں کی محض سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا جائے" جنگ میں پہل کرنے والے ناصبی تھے سبائی نہیں۔ مستفتی نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سبائی ہونے پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔
ہاں اس دور کے ناصبی ملحدوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اب یہ جھوٹا، من گھڑت افسانہ تیار کیا ہے کہ "حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یزید کی بیعت پر بالکل تیار ہو گئے تھے بلکہ اس سے بیعت کرنے کے لیے دمشق کی طرف بھی چل پڑے تھے اور عمر بن سعد، حر بن یزید اور شمر ذی الجوشن اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ قافلہ حسینی کی نگرانی کے لیے ان کے ساتھ تھے جو مخدرات حرم کے احترام کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے رہتے تھے کہ اسی اثناء میں ان ساٹھ کوفیوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک ساتھ رہے تھے ایک روز عصر کی نماز کے بعد موقع پا کر جھٹپٹے کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیمپ پر حملہ کر کے ان کو مع ان کے رفقاء کے اچانک شہید کر ڈالا، اور پھر شمر اور عمر بن سعد کے دستہ فوج نے ان قاتلوں کو پکڑ پکڑ اکر قتل کر دیا۔" یہ وہ فسانہ ہے جو "مجلس عثمان غنی" نے اپنے دل سے گڑھ کر "داستان کربلا" اور "حادثہ کربلا" نامی دو کتابچوں میں لکھ کر شائع کیا ہے اور پھر ان کو بار بار طبع کرا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس کا ذکر صحیح تو درکنار کسی جھوٹی اور موضوع روایت میں بھی موجود نہیں،
اس سے پہلے محمود احمد عباسی نے اس سلسلہ میں یہ داستان لکھی تھی کہ "حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو جاری تھی اور معاملہ باہمی طے ہونے کو تھا کہ جب مزید احتیاط کی غرض سے قافلہ حسینی سے ہتھیار لینے کا مطالبہ کیا گیا تو ان کوفیوں نے اور مسلم بن عقیل کی اولاد نے اچانک عمر بن سعد کی فوج پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کی بنا پر عمر بن سعد کی فوج کو حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پڑا" یہ دونوں باتیں محض جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ خدا تعالیٰ ان جھوٹوں کا

منہ کالا کرے۔ اس جھوٹ کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو ہمارے رسالہ "شہداء کربلا پر افتراء" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

صحابہ کی جماعت حضرت حسینؓ کے موقف کی حامی تھی: اور یہ کہنا کہ "کسی صحابی نے اس خروج میں آپ کا ساتھ نہ دیا حالانکہ اس وقت خاصی تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی بالکل غلط ہے صحابہ کرام کی جو تھوڑی بہت تعداد اس وقت باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے موقف کی حامی تھی چنانچہ حافظ ذہبیؒ "سیر اعلام النبلا" میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرزدق شاعر کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت کے لیے ترغیب دے کر روانہ کیا تھا" وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں:

قلتُ: هذا يدلّ على تصويب عبدالله بن عمرو للحسين في مسيره وهو رأى ابن الزبير وجماعة من الصحابة شهدوا الحرة[1]	میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ کی مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی رائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابہ کرامؓ کی اس جماعت کی تھی وہ واقعہ حرہ میں شریک ہوئے

علامہ ابن حزم ظاہری اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصریحات اس بارے میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں لکھتے ہیں:

بل الناس إنما ميلهم إلى الحسين لانه السيد الكبير وابن	بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہ

---

[1] ج ۳ ص ۱۹۷ مطبوعہ مصر

بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس على وجه الأرض يومئذ أحد يساميه ولايساويه ولك الدولة اليزيرية كانت كلها تناويه !	سید کبیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے اور ان دنوں روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جوان کے مماثل ومساوی ہو لیکن یزیدی حکومت سب کی سب آپ کی عداوت پر تلی ہوئی تھی۔

یہاں "الناس" کا لفظ قابل غور ہے کہ جس میں یزیدی ارکان سلطنت کے علاوہ اس عہد کے سارے ہی حضرات آجاتے ہیں اس لیے یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش کیا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اس وقت صحابہ کرامؓ سے بھرا ہوا تھا مگر کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس وقت ان کا ساتھ نہ دیا۔ آخر نہایت بے کسی کی حالت میں عین حرم نبوی میں گھر کے اندر گھس کر ان کو قتل کر ڈالا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ معظمہ سے نکلتے وقت کسے کس کو معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں شہید کر ڈالا جائے گا۔

صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا: پھر بھی حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری "التاریخ الکبیر" میں فرماتے ہیں:

انس بن الحارث قتل مع الحسين بن على سمع النبى صلى الله عليه وسلم ٢	انس بن الحارث یہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔

احادیث کی رو سے حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت: حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس کا

---

١ ج ٨ ص ١٥١ ٢ قسم ثانی ج ١ ص ٣٠ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن

متن یہ ہے:

ان ابنی یعنی الحسین. یقتل بارض یقال لها کربلا ۔ فمن شهد منکم ذلک فلینصره.	میرا بیٹا حسین مقام کربلا میں قتل کیا جائے گا تم میں سے جوکوئی اس موقع پر موجود ہو اس کی مدد کرے۔

اس حدیث کی بنا پر یہ صحابی معرکہ کربلا میں آپ کے ساتھ رہے۔ اس روایت کو حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں امام بغوی کی "معجم الصحابہ" کے حوالہ سے بسند نقل کیا ہے۔[1]

اس روایت سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف کی صحت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور جیسا کہ سابق میں بھی گزرا۔ حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس امت کے "نجباء ورقباء" میں سے تھے اور اس منصب کی ذمہ داری تھی کہ امت میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہو یہ اس کا بروقت تدارک کریں خواہ اس سلسلہ میں جاہ کی قربانی دینی پڑے یا جان کی یا جان ومال دونوں کی۔ اس لیے ان تینوں بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح امت کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عین رضائے الٰہی اور شریعت کے مطابق تھا اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ ان ہر سہ حضرات کا جنگ وصلح کے بارے میں جو اقدام بھی ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے عین مطابق ہوگا۔ چنانچہ "جامع ترمذی" میں ہے:

عن زید بن أرقم أن رسول الله صلى الله علیه وسلم قال لعلی وفاطمة والحسن والحسین أنا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم[2]	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فرمایا "جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے"

---

[1] ج ۸ ص ۱۹۹ [2] رواہ الترمذی مشکوۃ ج ۲ ص ۵۷۰

اور ''سنن ابن ماجہ'' میں یہ روایت حضرت زید بن ارقمؓ سے ''باب فضائل الحسن والحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' کے تحت ان الفاظ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلي وفاطمة والحسن والحسين أنا سلم لم سالمتم وحرب لمن حاربتم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا جن سے تم صلح کرو میری ان سے صلح ہے اور جن سے تمہاری لڑائی ہو ان سے میری لڑائی ہے۔

جامع ترمذی اور ''سنن ابن ماجہ'' کے علاوہ صحیح ابن حبان میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی یہ روایت موجود ہے [1] اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں آئی ہے:

عن ابي هريرة قال نظر النبي صلى الله عليه وسلم إلى علي والحسن والحسين وفاطمة فقال أنا حرب لمن حاربكم وسلم لمن سالكم [2]	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی، وحسن، وحسین وفاطمہ کی طرف دیکھ کر فرمایا'' جو تم سے جنگ کرے ان سے میری جنگ ہے اور جو تم سے صلح کرے ان سے میری صلح ہے''

اس لیے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو خطا کہنا بہت بڑی خطاء ہے۔

اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم ہے: اہل بیت سے جنگ کرنا ایسی مذموم حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

چنانچہ محدث ملا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو'' موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان'' باب فضل اہل البیت

[2] مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۲

ففضل أهل البيت وذم من حاربهم أمر مجمع عليه عند علماء أهل السنة وأكابر أئمة الأمة [1]

اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر ائمہ امت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

یزید کے بارے میں اُس کے بیٹے کی شہادت: یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت خود اُس کے گھر والوں کی موجود ہے۔ حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات سے اور کون واقف ہوسکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جونہایت صالح ہو۔ اب دیکھئے معاویہ بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے یہ سعادت مند بیٹے جب متولی خلافت ہوئے تو انہوں نے برسرمنبر اپنے باپ یزید کے بارے میں جو اظہار خیال کیا وہ یہ ہے:

قد أبي الا مر و كان غير أهله ونازع ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقصف عمره وابنتر عقبه وصار في قبره رهينًا بذنوبه ثم بكى وقال ان من أعظم الأمور علينا علمنا لسوء مصرعه وبئس منقلبه وقد قتل عترة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأباح الخمر وخرب الكعبة ولم أذق

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہوگیا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ) اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کو قتل کیا شراب کو مباح کیا، بیت اللہ

[1] ج ۱۱ ص ۴۸۷

حلاوة الخلافة فلا أتقلد مرار تبها فشا نكم وأمركم والله لئن كانت الدنيا خيراً فقد نلنا منها حظاً ولئن كانت شرا فكفى ذرية أبى سفيان ماأصابوا منها [1]

کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا حصہ حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو کچھ ابوسفیان کی اولاد نے دنیا میں کمایا وہ کافی ہے۔

یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت: اور یزید کے خاص الخاص شریک کار اس کے برادر عمزاد (بشرطیکہ استلحاق زیاد صحیح ہو) عبیداللہ بن زیاد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام اہل السنۃ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ بسند ذیل نقل فرمایا ہے:

حدثنا ابن حميد قال: حدثنا جرير عن مغيرة قال: كتب يزيد إلى ابن مرجانة ان اغزابن الزبير فقال: لا أجمعها للفاسق أبدًا أقتل ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم واغزوالبيت، وقال :وكانت أمه مرجانة امرأة صدق فقالت لعبيد الله حين قتل الحسين عليه السلام ويللك ماذا صنعت وماذا ركبت [2]

یزید نے ابن مرجانہ (عبیداللہ بن زیاد) کو لکھا کہ "جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کرو تو ابن زیاد نے کہا کہ میں اس فاسق (یزید) کی خاطر دونوں برائیاں اپنے نامہ اعمال میں کبھی جمع نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکا اب خانہ کعبہ پر بھی چڑھائی کردوں، مغیرہ کا بیان ہے کہ مرجانہ اس کی ماں بھلی عورت تھی۔ جب عبیداللہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا تھا تو اس نے اس سے کہا تھا کہ تجھ پر افسوس تو نے یہ کیا کیا اور کیا کر ڈالا۔

---

[1] الصواعق المحرقہ ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۸۳۔۴۸۴

یزید کا فسق اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے: اس لیے علماء اہل سنت والجماعہ میں جو حضرات اکابر یزید علیہ ما یستحقہ پر لعن طعن یا اس کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں وہ بلا وجہ نہیں کرتے۔ یزید کا فسق تمام اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہیں اور کسی ناصبی کی بات اس سلسلہ میں درخور اعتنا نہیں البتہ اس کی تکفیر کے باری میں اہل سنت میں اختلاف ہے۔ امام صدر الاسلام ابوالیسر بزدوری نے کیا خواب لکھا ہے:

وأما يزيد بن معاوية كان ظالماً ولكن هل كان كافراً تكلم الناس فيه بعضهم كفر وه لما حكى عنه من اسباب الكفر بعضهم لم يكفروقالوا لم يصح منه تلک الاسباب ولا حاجة بأحدٍ إلى معرفة حاله فان الله تعالىٰ أغنانا عن ذلک[1]

رہا یزید بن معاویہ، وہ ظالم تھا لیکن آیا کافر بھی تھا یا نہیں اس بارے میں علماء میں گفتگو ہے بعض اس کو کافر بتاتے ہیں کیونکہ اس کے بارے میں وہ باتیں کہی جاتی ہیں جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس کی تکفیر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں یہ باتیں صحیح نہیں اور کسی کو اس کا حال معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے مستغنی فرمادیا۔

بہر حال اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے مگر بہر صورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں جس کو علامہ ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ" و بصراحت لکھا ہے:

وعلى القول بانه مسلم فهو فاسق شرير سكير جائر[2]

اور اس کو مسلمان کہنے کے باوجود (یہ حقیقت ہے) کہ وہ فاسق تھا، شریر تھا، نشہ کا متوالا تھا ظالم تھا۔

یزید کی حمایت میں سرگرم ہوکر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخفاف

[1] اصول الدین ص ۱۸۹ طبع مصر [2] ص ۱۳۲

کرنا ان کی شہادت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا اور اس کی وقعت گرانا ایسی بیہودہ حرکت ہے کہ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

شہادت حسین پر حضور علیہ السلام کا قلق: حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام اور ملک القطر (بارش کا فرشتہ) کے ذریعہ اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکی تھی جس سے آپ کو سخت رنج و اضطراب ہوا تھا اور بعد وفات بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر آپ کے رنج و قلق اور سخت پریشانی و اضطراب کا ذکر احادیث میں وارد ہے چنانچہ:

عن ام الفضل بنت الحارث أنها دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يارسول الله إني رأيت حلماً منكراً الليلة قال وما هو؟ قالت إنه شديد قال وما هو؟ قالت رأيت كأن قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجري فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت خير تلد فاطمة ان شاء الله غلاماً يكون في حجرك فولدت فاطمة

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں نے آج رات ایک برا خواب دیکھا ہے آپ نے فرمایا کیا؟ عرض کیا بہت ہی سخت ہے (بیان سے باہر ہے) آپ نے پھر فرمایا کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ گویا کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو فاطمہ کے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ بچہ تمہاری گود میں رہے گا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) حضرت فاطمہ کے یہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت

الحسين فكان في حجري كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته في حجره ثم كانت مني التفاتة فاذا عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان الدموع قالت فقلت يا بني الله بأبي أنت وأمي مالك قال أتاني جبريل عليه السلام فأخبرني ان أمتي ستقتل ابني هذا فقلت هذا، قال نعم واتاني بتربة من تربته حمراء	ہوئی اور وہ جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا میری گود میں آئے پھر ایک روز میں ان کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئی اور ان کو آپ کی آغوش میں دے دیا اسی اثنا میں میری توجہ ذرا دیر کے لیے دوسری طرف ہوئی تو (کیا دیکھتی ہوں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو رواں تھے میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر نثار، آپ کو کیا ہو گیا، فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت میرے اس بیٹے کو عنقریب قتل کر دے گی میں نے عرض کیا ان کو، فرمایا ہاں! اور مجھے ان کے مقتل کی سرخ ریت بھی لا کر دی ہے

واضح رہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ اور بڑی قدیم الاسلام صحابیہ ہیں صاحب مشکوٰۃ نے ''اسماء رجال مشکوٰۃ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ مشرف باسلام ہوگئی تھیں۔

وعن ابن عباس انه قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم فيما يرى النائم ذات يوم بنصف النهار	اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ہیں

أشعث أغبر بيده قارورة فيها دم فقلت بأبي أنت وأمي ماهذا؟ قال هذا ادم الحسين وأصحابه ولم أزل القطه منذ اليوم فاحصي ذلك الوقت فاجد قتل ذلك الوقت رواهما البيهقي في دلائل النبوة واحمدالاخير [1]

چہرۂ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے دست مبارک میں ایک شیشہ کی بوتل ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کیا حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے، فرمایا یہ حسین اور ان کے رفقاء کا خون ہے جس کو آج دن نکلنے سے سمیٹ رہا ہوں۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ اس وقت کا میں حساب لگاتا ہوں تو یہ وہی وقت تھا جس وقت ان کو شہید کیا تھا ام الفضل اور ابن عباس دونوں کی روایتوں کو بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ نے اپنی ''مسند'' میں اخیر کی روایت نقل کی ہے۔

وعن سلمى قالت دخلت على أم سلمة وهي تبكي فقلت مايبكيك؟ قالت رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم تعني في المنام وعلى رأسه ولحيته التراب، فقلت مالك يارسول الله؟ قال شهدت قتل الحسين انفاً رواه الترمذي وقال هذا حديث غريب [2]

اور حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا وہ رو رہی تھیں میں نے عرض کیا آپ کیوں روتی ہیں فرمانے لگیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی ریش اور سر مبارک پر خاک پڑی ہوئی تھی میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو کیا ہوگیا فرمایا میں نے ابھی ابھی حسین کو قتل ہوتے دیکھا ہے اس روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔

اب غور فرمائیں کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر ناصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] مشکوۃ ص ۵۷۲ ج ۲

[2] مشکوۃ ج ۲ ص ۵۷۰

وسلم کی شماتت پر خوش اور مسرور ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز وطعن اور ان کا استخفاف ان کا شیوہ ہے۔

شہادت حسینؓ کے بارے میں ابن تیمیہ کا بیان: حافظ ابن تیمیہؒ نے خواب لکھا ہے۔

والحسين رضی الله عنه اکرمه الله تعالٰی بالشهادة فی هٰذا اليوم واهان بذلک من قتله أوأعان علی قتله أورضی بقتله، وله أسوة حسنة بمن سبقه من الشهداء فانّه وأخوه سيّد اشباب أهل الجنة وكان قد تربيانی عزالاسلام لم ينا لا من الهجرة والجهاد والصبر علی الأذی فی الله مانالہ أهل بيته، فاكر مهما الله تعالٰی بالشهادة تكميلًا لكرامتهما ورفعًا لدرجاتهما وقتله مصيبة عظيمة[1]

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق تعالیٰ نے اس دن شہادت سے معزز مکرم فرمایا اور اس لئے جس نے بھی ان کے قتل میں اعانت کی یا ان کے قتل سے راضی ہوا اس کی اہانت فرمائی۔ حضرت تو اگلے شہداء کا اچھا نمونہ تھے کیونکہ بلا شبہ حضرت حسین اور ان کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں ان دونوں حضرات کی نشوونما چونکہ اس عہد میں ہوئی تھی جبکہ اسلام کا غلبہ تھا اس لئے دوسرے بزرگان اہل بیت کی طرح ان دونوں کو ہجرت جہاد اور راہ خدا میں اذیت پر صبر کا وہ موقع نہ مل سکا جو ان حضرات کو ملا تھا لہٰذا حق تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو بھی مرتبہ شہادت پر فائز فرما کر معزز فرمایا تاکہ ان کے اعزاز وتکریم کی تکمیل ہو اور ان کے درجات بلند ہو جائیں۔ حضرت حسینؓ کی شہادت بڑی عظیم مصیبت ہے۔

[1] مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۵۱۱ مطبوعہ ریاض ۱۳۸۱ ہجری

حضرت حسینؓ سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا: یہ ناصبی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا قدر کر سکتے ہیں ان کی قدر تو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے کوئی پوچھے۔ حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں فرماتے ہیں۔

وقد أدرک الحسین من حیاة النبی صلی الله علیه وسلم خمس سنین أونحوها و روی عنه أحادیث...... وسنذکرما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکرمهما به وما کان یظهر محبتهما والحنو علیهما. والمقصود أن الحسین عاصر رسول الله صلی الله علیه وسلم وصحبه إلی أن توفی وهو عنه راض ولکنه کان صغیرًا ثم کان الصدیق یکرمه ویعظمه وکذالک عمر وعثمان وصحب أباه وروی عنه وکان معه فی

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ سال یا اس کے لگ بھگ پائے اور آپ سے حدیثیں روایت کیں...... ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں بھائیوں کی کس طرح عزت افزائی فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے بارے میں کس قدر محبت وشفقت کا اظہار فرماتے تھے، اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور وفات نبوی تک آپ کی صحبت اٹھائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی تو اس وقت آپ حضرت حسینؓ سے خوش ہو کر گئے تھے لیکن ابھی یہ کم سن تھے پھر حضرت ابوبکر صدیق اور اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ان کا اکرام و تعظیم فرماتے رہے حضرت حسینؓ برابر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے ان سے حدیثیں بھی روایت کیں اور تمام

مغازیه کلها فی الجمل | غزوات حیدری میں جن میں جمل وصفین بھی
وصفین وکان معظمًا | شامل ہیں حضرت علی کے ساتھ جہاد میں شریک
موقرًا ولم یزل فی طاعۃ | رہے ہیں یہ ہر زمانے میں معظم وموقر تھے اور برابر
أبیه حتی قتل ۱ | اپنے والد ماجد کی اطاعت میں سرگرم رہے تا آنکہ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی۔

اس لیے یزید کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں وقعت دینا حد درجہ گستاخی وخیرہ چشمی ہے اور اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یاد رہے کہ یزید کی مذمت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں بعض میں صراحت کے ساتھ اس کے نام لے کر مذمت آئی ہے اور بعض میں اس کے عہد نحوست مہد کی نشاندہی کی گئی ہے اور بعض میں اس کی حرکات شنیعہ پر نکیر ہے اور بعض میں اس کے افعال قبیحہ پر لعنت کی تصریح ہے۔ ان میں سے بعض حدیثوں کا ذکر سابق میں ہو بھی چکا ہے۔ ان احادیث کی تفصیل ہم انشاء اللہ تعالیٰ مستقل رسالہ میں قلم بند کریں گے۔
واللہ الموفق۔

مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب مشکوک ہے: اور یہ جو مستفتی نے لکھا ہے کہ "اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۱۴ محرم ۱۳۸۵ ہجری میں دار العلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی ماتحتی میں دیا جا چکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔"

تو الحمد للہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا دار العلوم بھی موجود ہے اور وہاں کا دار الافتاء بھی، وہاں سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ بارہ سوالات مذکورہ کی تائید وتصحیح حضرت مفتی صاحب مرحوم کے قلم سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمٰن کا رسالہ "شہید کربلا" کہیں چھپا نہیں۔ چھپا ہوا موجود ہے

---
۱ ج ۸ ص ۱۵۰

پڑھ کر دیکھ لیجئے اس رسالہ کے مطالعہ سے ان سوالات کی تردید ہوتی ہے یا تائید؟

یزید کے بارے میں مفتی صاحبؒ کے اکابر کی تصریحات: بہر حال مفتی صاحبؒ کا انتساب علماء دیوبند کی طرف ہے وہ وطناً تلمذاً مشرباً مسلکاً دیوبندی ہی ہیں۔ اکابر علماء دیوبند جن حضرات علماء کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے ہیں ان میں شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے خلف ارشد شاہ عبدالعزیزؒ صاحبؒ محدث کی تصریحات یزید کے بارے میں ان اوراق میں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہیں۔

لعن یزید کے بارے میں مجدد الف ثانیؒ کی تصریحات: حضرت مجدد الف ثانیؒ "شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے معاصر اور شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے اکابر میں ہیں۔ یزید کے بارے میں ان کے "مکتوبات شریفہ" میں جو کچھ مرقوم ہے وہ یہ ہے:

یزید بے دولت از زمرہ فسقہ است، توقف در لعنت او بنا بر اصل مقرر اہل سنت است کہ شخص معین را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ بیقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر بود کابی لہب الجہنمی وامرتہ، آنکہ او شایان لعنت نیست۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ[1]	یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل ہے اس پر لعنت کرنے میں توقف اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کسی شخص معین پر اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کی تجویز نہیں کیا کرتے الا یہ کہ بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسا کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی تھی، یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس پر لعنت ہی نہیں۔ ارشاد باری ہے کہ "بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور آخرت میں بھی۔

[1] دفتر اول مکتوب ۲۵۱ حصہ چہارم ص ۶۰ طبع مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ ہجری

مکتوبات کے ایک دوسرے نسخے میں "از زمرۂ فسقہ" کی بجائے "از مردہ فسقہ" کے الفاظ ہیں جس کے معنی ہوئے "یزید سرکش فاسقوں میں سے ہے" اور اسی مکتوب میں سائل کے اس جواب میں کہ:

اگر او مستحق لعنت است (الخ)[1] — اگر وہ (جس کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے) مستحقِ لعنت ہے۔

اگر این سخن درباب یزید می گفت گنجائش داشت — اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جاتی تو اس کی گنجائش تھی

اور "دفتر اول" کے مکتوب (۲۶۶) میں فرماتے ہیں:

ابن منکر قرین یزید بے دولت است کہ بواسطہ احتیاط درلعن او توقف کردہ اند ایذائیکہ بحضرت پیغمبر از راہ ایذاء خلفائے راشدین او میرسد دررنگ ایذائے است کہ ازراہ ایذائے امامین بہ اور سد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات[2] — یہ فضیلت شیخین کا منکر یزید بدنصیب کا ساتھی ہے کہ احتیاط کے خیال سے اس پر لعنت کرنے سے رکتے ہیں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایذا آپ کے خلفائے راشدین کی ایذارسانی کے سبب ہوتی ہے وہ اسی رنگ کی ایذا ہے کہ جو حضرات امامین حسنین کی ایذا رسانی کی بنا پر آپ کو ہوتی ہے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات۔

بحر العلوم کی تصریح یزید کے بارے میں: اور علامہ بحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں ارقام فرماتے ہیں:

ویزید ابنہ مع انہ کان من أخبث الفسّاق وکان بعیدًا بمراحل من الامامۃ بل — اور ان کا بیٹا یزید اگرچہ فاسقوں میں بڑا خبیث تھا اور منصب خلافت سے بمراحل (کوسوں) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان میں بھی شک ہے

---

[1] ص ۵۸ [2] حصہ چہارم ص ۱۳۰

الشک فی ایمانه خذله الله تعالی. والصنیعات التی صنعها معروفة من انواع الخبائث ا
اللہ تعالیٰ اس کا بھلا نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کی ہیں سب جانی پہچانی ہیں۔

اور حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ بریلویؒ اپنے "مکتوبات" میں فرماتے ہیں۔

رفیق من از جنود حسین بن علی است درفیق مخالف من از زمرۂ یزید شقی ۲
میرا رفیق حضرت حسین بن علیؓ کی سپاہ میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق یزید شقی کے زمرہ میں۔

اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

بلا ریب مشارک ما یا غازی است یا شہید ومقابل ما یان ابوجہل است یا یزید ۳
بلا شبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید اور ہمارا مقابل ابوجہل ہے یا یزید۔

ہندوستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ پلید کا لفظ بڑھا دیتے ہیں۔ یا یوں لکھتے ہیں: "یزید علیه ما هو اهله" ۴ یا "یزید علیه ما یستحقه" ۵ اور یزید بن معاویه علیه من الله ما یستحقه ۶ یعنی یزید کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے یوں لکھا کرتے ہیں کہ یزید جس معاملہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہی معاملہ ہو۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مرشد اور شیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتاوی یزید کے بارے میں "امداد الفتاویٰ" میں طبع شدہ موجود ہیں ان کو دیکھ لیا جائے وہ یزید کو فاسق ہی بتاتے ہیں۔ ۷

غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح: مطبوعہ استفتاء جو "بشارت مغفرت" کے اپنے

---

۱ ج ۲ ص ۲۲۳ طبع مصر ۱۳۲۲ ہجری ۲ ملاحظہ ہو مکتوبات سید احمد ص ۱۳۹ شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ لاہور

۳ ورق نمبر ۱۵۱۔ ان دونوں حوالوں کے بارے میں ہم مولانا سید لعل شاہ بخاری عم فیوضہم کے ممنون ہیں۔

۴ تیسیر القاری ج ۶ ص ۲۹۹ ۵ تیسیر القاری ج ۲ ص ۱۵۶ ۶ تاج العروس، مادہ حر

۷ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۶۵

حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب'' کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے فتویٰ کے بعد غیر مقلدین کے دو مفتیوں کا فتویٰ بھی یزید کے بارے میں ان الفاظ میں درج ہے۔

'' الجواب۔ امیر یزید علیہ الرحمۃ کے متعلق علاوہ تاریخی حوالجات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکورہ رسوال بین طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے جبکہ اس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیشگوئی میں اس کو مغفور فرمائیں یہ کافر فاسق و فاجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے۔ ایسے خیالات و نظریات بابت یزید علیہ الرحمۃ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی ممانعت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب۔''

مفتیان بالا کی رائے صحیح ہے ابوالفضل عبدالحنان

۶۵-۸-۳۱ء

نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ یزید کے بارے میں: ''صحیح بخاری'' کی حدیث پر تو تفصیلی بحث گزر چکی، اور ان دونوں مفتیوں کا غیر مقلدین میں جو مقام ہے وہ جانیں، ہندوستان میں نواب صدیق حسین خانصاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گزرا۔ ان کا جو فیصلہ یزید کے بارے میں ہے وہ ہم اُن کی کتاب ''بغیۃ الرائد فی شرح العقائد'' سے جو ''عقائد نسفیہ'' کی شرح ہے پیش کیے دیتے ہیں، اور چونکہ اس کتاب کا تعلق علم عقائد سے ہے اس لیے اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہیے نواب صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

وبعضے براہ غلووافراط درشان وے روند گویند امارت . او باتفاق مسلمانان شد وطاعت وے بر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واجب بود، وبخدا پناہ ازیں قول واعتقاد کہ وے باوجود امام حسین امام و امیر شود، واتفاق مسلمانان کجا است، جمعے از صحابہ واولاد ایشان کہ درزمان آں پلید بودند انکارش کردند وازطاعت او بیروں رفتند۔ وبعضے از اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع بیعت کردند،

اور بعض لوگ یزید کے بارے میں غلووافراط کا راستہ اختیار کرکے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں نے بالاتفاق امیر بنایا تھا لہٰذا اس کی اطاعت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔ اس بات کے زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ کی پناہ کہ وہ امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور مسلمانوں کا اتفاق کیسا۔ صحابہ کی ایک جماعت اور ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں تھی ان سب نے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے باہر ہوگئے، اور اہل مدینہ کے بعض حضرات کو جب اس کے حال کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی بیعت توڑ ڈالی۔

ووے تارک صلوٰۃ وشارب خمر وزانی وفاسق و مستحل محارم بود وبعضے بروے اطلاق لعن کردہ مثل امام احمد وامثال ایشان، وابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسین کافر شد وکسے کہ قتل وے کرد یا امر بدان نمود بر جواز لعن وے اتفاق کردہ اند تفتازانی گفتہ حق آنست کہ

اور وہ تو تارک صلوٰۃ، شراب خوار، زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا تھا، اور بعض علماء جیسے کہ امام احمد اور ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پر لعنت کو روا رکھتے ہیں حافظ ابن جوزی نے سلف سے اس پر لعنت کرنے کو نقل کیا ہے، کیونکہ جس وقت اس نے حضرت حسین کے قتل کا حکم دیا وہ کافر ہوگیا اور جس نے بھی حضرت ممدوح کو قتل کیا یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر

رضائے وے بقتل حسین واستبشار وے بدان واہانت نمودن اہل بیت متواتر المعنی است اگرچہ تفاصیلش احاد باشد نحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ انتہی وبالجملہ وے مبغوض ترین مردم است نزد اکثر مردم وکار ہائے کہ آن بے سعادت درین امت کردہ ازدست ہیچ کس ہرگز نیاید۔	اتفاق ہے۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ قتل حسین پر یزید کی رضا مندی اور اس پر اس کا خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا یہ متواتر المعنی ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد سے ہو لہٰذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس بارے میں اس کے اعوان وانصار پر بھی'' (تفتازانی کا کلام یہاں ختم ہوگیا) بہرحال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو جو برے کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔
بعد قتل امام حسین لشکر بتخریب مدینہ منورہ فرستادو بقیہ صحابہ وتابعین را امر بقتل کردد بالحاد وحرم مکہ وقتل عبداللہ بن الزبیر پرداخت وہم دریں حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ دیگر احتمال توبہ ورجوع او کجا است (ص ۶۳ طبع مطبع علوی لکھنؤ ۱۲۸۸ ہجری)	امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے بعد اس نے مدینہ منورہ کی تخریب کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ وتابعین وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر حرم مکہ کی عزت کو پامال کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کرنے کے درپے ہوگیا، اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا سے چل بسا اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا احتمال ہی کہاں رہا

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں: اور علامہ صالح بن مہدی مقبلی کو

کبانی نزیل مکہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے ''البدر الطالع'' میں تصریح کی ہے اپنی کتاب ''العلم الشامخ فی تفضیل الحق علی الآباء والمشائخ'' میں رقمطراز ہیں:۔

واعجب من ذلک من یحسن لیرید المرید[1] الذی فعل بخیار الامة مافعل، دھتک مدینة الرسول صلی اللہ علیه واله وسلم وقتل الحسین والسبط ر اھل بیته وھتکھم وفعل مالوا ستمکن من مثل فعله عدوھم من النصاری ربماکان ارفق منه	اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے جو یزید[2] مرید کو اچھا بنا کر پیش کرتا ہے۔(یہ یزید وہی تو ہے) جس نے بزرگان امت کے ساتھ ساگفتہ بہ معاملہ کیا مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو خاک میں ملایا۔ سبط پیمبر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام نصاری کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم ہی ہوتا۔
ومن جملة المحسنین له حجة الاسلام الغزالی ولکنه فی تصرفاته کلھا کحاطب لیل یجمع فی حطبه الحیة والعقرب ولا یدری	اور یزید کو اچھا بنا کر پیش کرنے والوں میں حجۃ الاسلام غزالی بھی ہیں لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں میں حاطب اللیل (رات کے اندھیرے میں لکڑیاں جمع کرنے والے) کی طرح ہیں کہ جو اپنی لکڑیوں میں سانپ بچھو بھی جمع کرلیتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں چلتا۔
وما یھون صنع یزید الامخدول ادرکته الشقاوة فی مشارکته بطور امه المردیات فایاک والتفریط	اور یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے گھیرلیا ہو اس طرح وہ بھی اس کے مہلک کرتوتوں میں اس کا شریک بن گیا۔ لہٰذا تمہیں تفریط

[1] مطبوعہ نسخہ میں المرید کے بجائے المرتد ہے۔

[2] ''مرید'' کے معنی سرکش کے ہیں۔

والا فراط ، ولكن الصبر عنهما كا لقيض على الجمر سيمامع تراكم الجهل كزسنناهذا نسأل الله العافية والسلامة امين

ومن غريب الفقه ماذكره ابن حجر الهيتمي في صواعقه أنه لايجوز بالا جماع لعن من شرب الخمرو من قطع الارحام ومن هتك مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم ومن قتل الحسين اوامربقتله اورضى بقتله. قال واما يزيد بعينه فلاوان كان قد فعل هذه الاشياء فهو فاسق قطعًا. ونجد في فقههم نحو كلامه اعني انه لا يجوز لعن المعين فهي كلية فيقال له قياس الالا لة على فقهكم هذا: ان لا يحد شارب الخمر المعين

وافراط سے بچنا چاہئے لیکن اس سلسلہ میں صبر سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا، خصوصاً جبکہ جہالت امڈی چلی آتی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافت وسلامتی کے خواہاں ہیں۔ آمین۔

اور فقہ کا نرالا مسئلہ جس کو ابن حجر ہیتمی نے اپنی کتاب "صواعق محرقہ" میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ بالا جماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو میخوار ہو اور جو قطع رحمی کا مرتکب ہو اور جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پامال کرے، اور جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل سے راضی ہو، فرماتے ہیں، لیکن خود یزید پر لعنت نہیں کر سکتے اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا اور قطعاً فاسق تھا اور جیسا کہ ان کا بیان ہے ایسا ہی ہم ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا روا نہیں یہ ان کا کلیہ ہے۔ تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ تمہاری اس فقہ میں تو قیاس الالالۃ کی بنا پر یوں ہونا چاہئے تھا کہ نہ کسی معین شرابخوالہ پر حد لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر اور اسی طرح اور سارے

والزانی المعین الی غیر ذلک فی جمیع. احکام الشریعة لان الطریقة واحدة فطاح ایضاً منطقکم لان هذا الشکل الاول الضروری خالفتموه فای برهان یقام بعده وصورته: هذا یزید شرب الخمر .وشارب الخمر ملعون هذا یزید ملعون.

احکام شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے۔

اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑگئی، کیونکہ تم تو منطق کی اس شکل اول کی بھی جو بدیہی الانتاج ہے مخالفت کررہے ہو۔ لہٰذا اب اس کے بعد اور کونسی دلیل تمہارے سامنے ٹھیر سکتی ہے کیونکہ قیاس کی شکل اول کی صورت یہ ہے (۱) یہ ہے یزید جس نے شراب پی ہے اور (۲) شراب کا پینے والا ملعون ہے۔ (۳) لہٰذا یہ یزید ملعون ہے۔

ولو قالوا ینبغی تحامی ذلک من باب قوله صلی الله علیه واله وسلم " لیس المؤمن باللعان " لکان فیه مندوحة للمتقین والله اعلم (ص ۳۶۸ مطبع مصر ۱۳۲۸ هجری)

ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے بچنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا" تو بیشک اس صورت میں اہل تقویٰ کے لئے اس سے بچنے کی گنجائش ہوتی، واللہ اعلم

اب نواب صدیق حسن خاں اور علامہ مقبلی کے مقابلہ میں ان دونوں نام نہاد غیر معروف مفتیوں کے فتویٰ کی جو وقعت ہوسکتی ہے ظاہر ہے۔

یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث: اور "صحیح بخاری" کی اس حدیث کے بارے میں جو استفتاء میں مذکورہ ہے ان غیر مقلد مفتیوں کا یہ کہنا کہ

حدیث مذکور ردسوال بین طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہیں پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مغفور

فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں"

اور پھر مکرر اس بات پر زور دینا اور یہ کہے جانا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور فرمائیں۔"

اور اسی طرح مولوی محمد صابر نائب مفتی کا یہ لکھنا کہ

"امیر یزید...... از روے حدیث بخاری میں شریف مغفور لہم میں داخل ہیں۔"

محض غلط ہے۔ اگر یہ لوگ خود تحقیق کرتے یا محققین اہل علم سے دریافت کرتے تو ہرگز ایسی شدید غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا تحقیق ایک غلط بات کو منسوب کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

غور فرمایئے "صحیح بخاری" کی جو حدیث استفتاء میں درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول حبیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم

میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر پر جنگ کرے گا اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔

اس کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفصیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ یزید کی نیت جہاد کی تھی ہی نہیں وہ تو زبردستی باپ کے دباؤ کی وجہ سے غازیان روم میں شامل ہو گیا تھا ورنہ اسے جہاد کفار سے کیا سروکار۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ یزید نے جیسے ہی تخت حکومت پر قدم رکھا اپنی پہلی ہی تقریر میں بحری اور سرمائی جہاد کی معطلی کا اعلان کیا۔

یزید کے جزیرہ رودس اور جزیرۂ ارواد سے مجاہدین کو واپس بلا لینا: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں ۵۲ ہجر میں جزیرۂ "روڈس" فتح ہوا اور وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاونی قائم کر دی گئی۔ اس چھاونی کی وجہ سے بحر روم میں عیسائی فوجوں کی نقل و حرکت خطرہ میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان

مجاہدین اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے مگر انکے نالائق بیٹے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے منتقلی کے فوری احکام بھیجے آخر وہ بیچارے پیچھے سے رسد اور کمک کے منقطع ہو جانے سے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق "روڈس" کو خالی کر کے اپنی زمین زمین جائیداد، کھیت اور باغات کو خیر باد کہہ کر بادلِ ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مفتوحہ جزیرہ نصاریٰ کے ہاتھ آ گیا۔[1]

اسی طرح ۵۴ ہجری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ "ارواد" فتح کیا تھا۔ وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دور حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں سے واپسی کا حکم دے کر بلوا لیا۔[2]

ظاہر ہے کہ جب یزید نے بحری جنگ بند کر دی تھی تو وہ ان دونوں جزیروں پر اپنا قبضہ کیسے برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ اس حدیث میں مغفرت سے "مغفرت عام" مراد نہیں ہے کہ سارے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا ہو، بلکہ تمام اعمال صالحہ میں جہاں مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں بالاتفاق سابقہ گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی ہے اور وہ بھی عام طور پر صغائر کی مغفرت، کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ بغیر توبہ کے معافی لازمی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت پر معاملہ موقوف رہتا ہے کہ وہ رب کرم چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو از راہ عدل اس گناہ کی پاداش میں عذاب فرمائے۔

"مدینہ قیصر" سے کیا مراد ہے: اس حدیث میں "مدینہ قیصر" کے جو الفاظ ہیں

---

[1] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر بسلسلہ واقعات وحوادث ۵۳ ہجری

[2] تاریخ طبری، بضمن واقعات ۵۴ ہجری

وہ بھی غور طلب ہیں۔ ''مدینہ قیصر'' یعنی شہر قیصر کی تعیین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کونسا شہر مراد ہے۔ اس لئے اس کی تعیین میں تین شہروں کا نام لیا جاسکتا ہے۔

(۱) ''مدینہ قیصر'' سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا جبکہ زبان رسالت سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ یعنی ''حمص'' جو کہ شام کا مشہور شہر ہے، اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے ۱۷ ہجری میں عہد فاروقی ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث میں ''مدینہ قیصر'' سے ''حمص'' ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر ''رومہ'' جو قدیم زمانے سے قیاصرہ روم کا دارالسلطنت چلا آرہا تھا۔ ''رومہ'' پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

(۳) شہر ''قسطنطنیہ'' جو قسطنطین اعظم کا پایہ تخت تھا۔

حدیث ''مدینہ قیصر'' کا مصداق سلطان محمد فاتح:

اب اگر ''مدینہ قیصر'' کو قسطنطنیہ ہی قرار دینے پر اصرار ہے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت نبوی کا مصداق یزید پلید نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ علیہ الرحمۃ اور ان کی فوج ظفر موج ہے۔ یہی وہ مجاہدین اسلام ہیں جن کی شمشیر خارا شگاف نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا، اور پھر وہ ''بغداد'' کے بعد صدیوں تک مسلمانوں کا دارالخلافہ رہا تا آنکہ مصطفےٰ کمال نے اپنی حماقت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یک جہتی کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ قیام عمل میں آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آتی ہے۔ اس میں

عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے اس لئے اس حدیث کے صحیح مصداق اگر "مدینہ قیصر" سے "قسطنطنیہ" ہی مراد لیا جائے تو فاتحین "قسطنطنیہ" ہی ہوسکتے ہیں۔ بھلا یزید اس بشارت کا مصداق کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ وہ تو قریش کے ان شریر النفس لونڈوں میں سرفہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت سے پیش گوئی کی جاچکی ہے کہ امت کی تباہی انکے ہاتھوں میں ہونی ہے۔

یزید قسطنطنیہ کی پہلی مہم میں شریک نہ تھا: یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ حدیث میں اول جیش من امتی (میری امت کا پہلا لشکر) کے الفاظ آئے ہیں اور یزید کے زیر کمان جو لشکر "قسطنطنیہ" کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہ "قسطنطنیہ" پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس سے بہت پہلے اسلامی لشکر "قسطنطنیہ" پر جاکر جہاد کرچکے تھے۔ یزید کس سنہ میں "قسطنطنیہ" پر حملہ آور ہوا اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف ہیں لیکن ۴۹ ہجری سے پہلے کوئی مورخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا۔ ناصبیوں کے شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی "خلافت معاویہ ویزید" میں یہی بیان ہے وہ لکھتے ہیں۔

"۴۹ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لئے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ بری فوج میں شامی عرب تھے، خصوصاً بنو کلب جو امیر یزید کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المومنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی"

(ص ۳۷ طبع چہارم)

اگرچہ خود بدولت نے بھی اسی کتاب میں (ص ۷۹ پر) امیر شکیب ارسلان

کی کتاب '' حاضر العالم الاسلامی '' کی تعلیقات سے بحوالہ '' طبقات ابن سعد '' اس غزوہ کی تاریخ ۵۲ ہجری میں نقل کی ہے۔ بہر حال ۴۹ ہجری سے پہلے قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یزید کی شرکت ثابت نہیں ہے۔

اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کہ ۴۹ ہجری سے بہت پہلے غازیان اسلام قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے چنانچہ '' سنن ابوداؤد '' میں مذکور ہے۔

حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا ابن وهب عن حيوة بن شريح وابن همعة عن يزيد بن ابى حبيب عن اسلم ابى عمران قال غزدنامن المدينة يزيد القسطنطينية وعلى الجاعة عبدالرحمن بن خالد بن الوليد والروم ملصقوظهر هم لحائط المدينة فحمل رجل على العدو فقال الناس مرمه لااله الا الله يلقى بيديه الى التهلكه فقال ابو ايوب انما انزلت هذه الآية فينا معاشر الانصار لما نصرالله نبيه صلى الله عليه وسلم

اسلم ابی عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت امیر جیش حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ رومی فوج شہر پناہ سے پشت لگائے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی۔ اسی اثناء میں مسلمانوں کی صف میں سے (نکل کر) ایک شخص نے دشمن (کی فوج) پر حملہ کردیا۔ لوگ کہتے رہے '' رکورکو لا الہ الا اللہ یہ شخص تو خواپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے'' یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں اتری ہے۔ (واقعہ یہ ہے) کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں رہکر اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہئے۔ اس پر اللہ عزوجل

واظهر الاسلام قلنا هلم نقيم فى اموالنا ونصلحها فانزل الله عزوجل وَاَنفِقُوْفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلقُوا بِاَيدِيكُمْ اِلَى التَّهلُكَةِ فالالقاء بايدينا الى التهلكة ن نقيم فى اموالنا ونصلحها وندع الجهاد

نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی وَاَنفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الآیۃ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) لہٰذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر ہمارا اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح کے خیال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا تھا۔

قال ابو عمران فلم يزل ابوايوب يجاهد فى سبيل الله عزوجل حتى دفن بالقسطنطينية (باب فى قوله عزول ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة)

ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے رہے تا آنکہ آپ دفن بھی قسطنطیہ ہی میں ہوئے۔

اور اسی غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابوداؤد ہی نے ''کتاب السنن'' کے ''باب فی قتل'' الاسیر بالنبل میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

حدثنا سعيد بن منصور ثنا عبدالله بن وهب قال أخبرني عمروبن الحارث عن بكيربن الأشيخ عن ابن تعلى قال غزونا مع عبدالرحمن بن خالد بن الوليد فأتي باربعة علاج من العدوفأمربهما فقتلوا صبراً.

ابن تعلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ (اسی مہم میں) ان کے سامنے دشمن کے چار ہٹے کٹے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل کرنے کا انہوں نے حکم دیا۔ اور تعمیل حکم میں ان کو باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاذ سعید بن مصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے

قال ابوداؤد قال لنا غير سعید عن ابن وهب فی هذا الحدیث قال. بالنبل صبراً فبلغ ذلک أبا أیوب الانصاری فقال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینهی عزقتل الصبر فوالذی نفسی بیده لو کانت دجاجة ماصبر تها فبلغ ذلک عبدالرحمن بن خالد بن الولید فاعتق أربع رقاب

ابن وہب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف بنایا گیا تھا جب اس امر کی خبر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو میں اس کا اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پھر آپ کے اس فرمانے کی اطلاع جب حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انھوں نے اس کے کفارے میں چار غلام آزاد کیے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض محدثین نے صغار صحابہ میں ذکر کیا ہے یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع ودلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ

اخرج ابن عساکر من طرق کثیرة انه کان یؤمر علی غزو الروم أیام معاویة

حافظ ابن عساکر نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں ان کو رومیوں سے جو جنگیں لڑی جاتی تھیں ان میں امیر بنایا جاتا تھا۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ۴۴ اور ۴۵ ہجری کے واقعات کے

ضمن میں اور حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں ۴۴ اور ۴۶ ہجری کے واقعات کے ذیل میں بلا د روم میں ان کی زیر امارات رومیوں سے مسلمانوں کے سرمائی جہاد کا ذکر کیا ہے افسوس ہے کہ ۴۶ ہجری ہی میں ان کو حمص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا یہ اپنے غزوات و جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و با اثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید تو ۴۹ ہجری یا اس کے بھی کئی سال بعد ۵۲ ہجری یا ۵۵ ہجر میں قسطنطیہ کی مہم پر روانہ ہوا تھا۔ اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطیہ کی شہر پناہ پر جنگ کر چکے ہیں۔ سر دست ہم "غزوۂ قسطنطینہ" کے سلسلہ میں اسی قدر بحث پر اکتفاء کرتے ہیں۔ زندگی بخیر رہی اور حق تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیلی بحث اس حدیث پر انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہماری کتاب "یزید کی شکل وصورت حدیثوں کے آئینے میں" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری، مہلب المتوفی ۴۳۳ ہجری جنہوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ اندلس میں مالقہ کے قاضی تھے اور اندلس میں اس زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ اس لئے موصوف کی یہ ساری کار گزاری جیسا کہ محدث قسطلانی نے شرح بخاری ص ۱۰۵ ج ۵ میں تصریح کی ہے بنی امیہ کی حمیت میں تھی۔

یزید کا عقیدہ وعمل دونوں خراب تھے: خلاصہ بحث یہ ہے کہ یزید علمائے اہل سنت وجماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے نہایت خراب آدمی تھا اس کے عقیدہ میں دو خرابیاں تھیں۔ (۱) "ناصبیت" یعنی حضرت علیؓ اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عداوت چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ "از رؤسائے نواصب است"[1]

---

[1] مکتوب قاسمی درباۂ شہادت حسین۔ طبع ملتان ص ۳۹

اور مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ "سیرأعلام النبلا" میں فرماتے ہیں:۔

یزید بن معاویة کان ناصبیاً فظاً غلیظاً جلفاً یتناول المسکر ویفعل المنکر، افتتح دولته بقتل الشهید الحسین رضی الله عنه واختتمها بوقعة الحرة فمقته الناس ولم یبادک فی عمروخرج علیه غیر واحدبعد الحسین رضی الله عنه کأهل المدینة لله [1]

یزید بن معاویہ ناصبی تھا، سنگدل، بدزبان، غلیظ، جفار کارے نوش، بدکار۔ اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ (کے قتل عام) پر اسی لیے لوگوں نے اس پر پھٹکا بھیجی اور اس کی عمر میں برکت نہ ہوسکی۔ حضرت حسین کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے خلاف محض للہ فی اللہ خروج کیا جیسے کہ حضرات اہل مدینہ نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۲) "ارجاء" یعنی "ناصبی" ہونے کے ساتھ ساتھ "مرجئی" بھی تھا، چنانچہ سوال اول کے جواب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح اس کے بارے میں گزرچکی ہے اور "ارجاء" کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے، اور رہی اس کی بدعمل سو اس کے اعمال قبیحہ اور حرکات شنیعہ کی تفصیل سے اس مقالہ کے اوراق پر ہیں۔ اب خود ہی سوچ لیجئے کہ ایسے نابکار اور نالائق شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گن گانا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ یزید سے محبت کے بارے میں: حافظ ابن تیمیہؒ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ:

---

[1] الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم ج ۲ ص ۳۶ طبع منیریہ مصر

واماترک مجته فلأن المجة الخاصة انماتکون للنبيين والصديقين والشهداء والصالحين وليس واحدًا منهم وقدقال النبی صلی الله علیه وسلم المرء مع من أجه ومن امن بالله واليوم الاخرلايختارأن يكون مع يزيد ولا مع أمثاله من الملوک الذين ليسوا بعادلين[1]	یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ محبت خاص تو انبیاء صدیقین، شہداء وصالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شماران میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کا ارشاد ہے کہ "انسان کا حشران ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی۔" اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کریگا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے

روافض ونواصب دونوں راہ ہدایت سے دور ہیں: اخیر میں ہم اتنا اور عرض کریں گے کہ احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو "نجوم ہدایت" بتایا گیا ہے ارشاد ہے:

أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم[2]	میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اس روایت کو رزین نے نقل کیا ہے۔

اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کو "کشتی نوح" سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو اس میں سوار ہوگا بحر ضلالت میں غرق ہونے سے بچے گا۔ ارشاد ہے۔

ألاإ ن مثل أهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من	یاد رکھو میرے اہل بیت کی مثال تمہارے لیے ایسی ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تھی

---

[1] مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۴ [2] مشکوٰۃ باب مناقب الصحابۃ، الفصل الثالث

رکبها نجا، ومن تخلف عنها هلک. رواہ احمد[1]	کہ جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔ اس روایت کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

مطلب صاف ہے جو لوگ ”سفینہ اہل بیت“ سے دور رہے جیسے خوارج اور نواصب کہ ”اہل بیت“ کے دشمن ہیں، ان کو کافر کہتے اور ان سے بغض وعناد رکھتے ہیں وہ اول وہلہ میں غرق دریائے ضلالت ہوئے اور جو کشتی میں تو سوار ہوئے مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ضیا پاشی سے کہ ”نجوم ہدایت“ ہیں انہوں نے رہنمائی حاصل نہ کی، جیسے روافض ہیں تو اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے عین منجدھار میں جاکر ان کی کشتی بحر ضلالت میں غرقاب ہوئی اور اہل سنت وجماعت امام فخر الدین رازی کے الفاظ میں:

نحن معاشر أهل النسنة بحمدلله رکبنا سفينة محبة أهل البيت واهتد ينا بنجم هدى أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فنر جوالنجاة من اهوال القيامة ودرکان الجحيم والهدايه إلى مايو جب درجات الجنان والنعيم المقيم.	ہم گروہ ”اہل سنت“ بحمداللہ محبت اہل بیت کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نجم ہدایت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لیے امیدوار ہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے طبقات سے ہمیں نجات ملے گی اور ▪ ہدایت ہمیں عطا ہوگی جو جنت کے درجات اور دائمی نعمت کو واجب کردیتی ہے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ میں حدیث سفینہ نوح کی تشریح میں امام رازی کی تفسیر کبیر سے ان کی یہ عبارت نقل کی ہے یزید پلید نے نہ اہل بیت نبوی کی لاج رکھی نہ صحابہ کرام کی، اس لیے اب جو اہلسنت کے

---

[1] باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث (مشکوٰۃ)

زمرہ سے خارج ہو کر نواصب کے گروہ شقاوت پژوہ میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ شوق سے یزید پر اپنی جان نچھاور کرے اپنا مال نثار کری اور اس کی مداحی کو اپنا شعار بنائے۔

ان ساری تفصیلات سے اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ سائل نے استفتاء میں جو بارہ سوالات قائم کیے ہیں وہ سب واہی تا بہ شبہات پر مبنی ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین وتذلیل اور تحمیق وتجہیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ایسے امور کو حقائق باور کرنے والا پکا ناصبی، فاسق اور بدعتی ہے اور اہلِ سنت کے زمرہ سے خارج اور واجب التعزیر ہے ایسا شخص نہ امامت کے لائق ہے، نہ خطابت کے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے واجب الاعادہ ہے۔

واللہ أعلم بالصواب والحمدللہ أولا وآخرا

فہرست مراجع

(الف)

احکام القرآن، از جصاص ص:۴۶-۱۴۰

إحیاء علوم الدین، از غزالی ص:۱۲۷-۱۶۲

اخبار الدول، از ابوالعباس کرمانی ص:۱۲۸

الإختیار لتعلیل المختار، ص:۱۴۰

إرشاد الساری، از علامہ احمد قسطلانی ص:۷۱-۹۴-۱۹۸

إزالۃ الخفاء فی رد کشف الغطاء از مولانا غلام ربانی ص:۱۳۸

اسماء الخلفاء والولاۃ وذکر مددہم از ابن حزم ص:۴۲

اسماء رجال مشکوٰۃ، از خطیب تبریزی ص:۱۷۷

اشعۃ اللمعات، از شیخ عبدالحق دہلوی ص:۱۶۲

الإصابہ فی تمییز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی ص:۶۱-۱۵۲-۱۹۸

اصول الدین۔ از ابوالیسر بزدوی ص:۱۷۵

الأغانی، از ابی الفرج اصبہانی ص۔۱۰۳

إفادۃ الأخیار ببراءۃ الأبرار۔ از محمد عربی تبانی ص:۹۹

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مناظر احسن گیلانی ص:۶۱

الإمامۃ والسیاسۃ ص:۱۰۳

إمداد الفتاوی ص:۱۸۴

انساب الأشراف، از بلاذری ص:۱۰۳-۱۰۸

ب

البدایۃ والنہایۃ، از ابن کثیرؒ ص:۳۲، ۳۶، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۹، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۹، ۱۲۱، ۱۴۸، ۱۵۲، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۹۲، ۱۹۸

البدر الطالع، از قاضی شوکانی ص: ۱۳۰، ۱۸۸

بذل المجہود فی حل ابی داود، ص:۸۰

بشارت مغفرت کے امین یزید بن معاویہ سے متعلق ایک اہم استفتاء ص۱۸۴

بغیۃ الرائد فی شرح العقائد، از صدیق حسن خاں صاحب ص:۱۸۵

ت

تاج العروس، از زبیدی، ص:۱۸۴

تاریخ ابن خلدون، ص:۳۴

تاریخ ابن خلکان، ص۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۹

تاریخ ابن عساکر، ص:۱۱۵

تاریخ ابن کثیر، ص:۱۰۱، ۱۵۵

تاریخ الخلفاء از سیوطی، ص:۷۰، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۵۲

تاریخ صغیر، ازامام بخاری، ص: ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۲

تاریخ طبری، ص: ۱۵۲، ۱۷۵، ۱۹۲، ۱۹۸

التاریخ الکبیر، ازامام بخاری ص: ۱۷۱

التبصرہ، از، ابوالمظفر الاسفرائینی ص: ۱۶۸

تحریر الشہاذتین، ازسلامت اللہ کشفی ص: ۱۳۵۔۱۳۷

تحفہ اثنا عشریہ، ازشاہ عبدالعزیزؒ، ص: ۱۳۵، ۱۳۶

تذکرۃ الحفاظ، للذہبی، ص: ۱۲۳

تعجیل المنفعۃ، ازابن حجرؒ ص: ۱۱۳، ۱۱۴

تفسیر ابن ابی حاتم، ص: ۵۷

تفسیر کبیر، ازامام رازیؒ ص: ۲۰۱

تفسیر مظہری، از قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ص: ۱۲۰۔۱۲۱

التفہیمات الالھیۃ، ازشاہ ولی اللہؒ ص: ۲۷: ۲۸

تقریب التہذیب، ازابن حجر، ص: ۱۰۱

تکمیل الایمان، ازشاہ عبدالحق دہلویؒ ص: ۲۷، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۶

تہذیب التہذیب، ابن حجر ص: ۱۱۱۔۱۱۴

تہذیب الکمال ، از، مزی، ص: ۱۱۱ تیسیر القاری، ازشیخ نورالحق دہلوی، ص: ۴۷، ۶۴، ۷۱، ۷۳، ۷۴، ۱۸۴

ج

جامع الترمذی ، ص: ۹۲، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۷۲، ۱۷۸

جمہرۃ انساب العرب ص: ۴۴ جوامع السیرۃ، از، ابن حزم ص ۴۵

الجواہر المضیئۃ ، از، عبدالقادر قرشی ص: ۱۴۱

ح

حاضرالعالم الاسلامی، از، امیر شکیب ارسلان، ص: ۱۹۵

حجۃ اللہ البالغۃ ، از، شاہ ولی اللہؒ ص: ۲۹

حسن العقیدہ، از، شاہ عبدالعزیزؒ ص: ۱۳۶

حیوۃ الحیوان، از، علامہ کمال الدین دمیری، ص: ۱۲۸

حیات سیدنا یزید، ص: ۳۶

حیات سیدنا یزید، ص: ۳۶

خ

خلاصۃ الفتاویٰ، از، امام طاہر بن احمد بخاری، ص: ۱۴۰، ۱۴۲

خلافتِ معاویہ ویزید، محمود احمد عباسی، ص: ۱۲، ۱۸، ۱۵۱، ۱۹۵

د

دلائل النبوۃ، از، بیہقی ص: ۱۷۸

دول الاسلام، از ذھبی، ص:۸۸

ر

الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم، از، حافظ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی، ص:۱۲۵،۱۲۶،۱۹۹

ز

زجر الشبان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ، از، مولانا عبدالحی فرنگی محلی ص:۱۴۰

س

سنن ابن ماجہ، ص:۱۷۲

سنن ابی داؤد ص:۷۹،۹۳،۱۹۵

سنن دارمی، ص:۸۳

سنن نسائی، ص:۵۱_۹۲

سیر اعلام النبلاء، از، ذہبی ص:۱۷۰،۱۹۹

شذرات الذہب، از، عبدالحی ابن عماد حنبلی، ص:۱۶۴

شرح تراجم ابواب البخاری، از شاہ ولی اللہ الدہلوی ص:۳۸،۳۹

شرح سیر کبیر، از، شمس الائمہ سرخسی ص:۹۱

شرح صحیح مسلم از، نووی، ص:۶۸،۸۷،۱۴۴

شرح عقائد نسفیہ، از، ملا سعد الدین تفتازانی، ص:۸۸،۱۳۵

شرح فارسی صحیح بخاری، از شیخ الاسلام دہلوی، ص:۴۷،۶۳

شرح مقاصد، از تفتازانی، ص:۱۳۸

شہید کربلا، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص:۱۸۱

شہداء کربلا پر افتراء، از مصنف ص:۹۶،۱۶۹

ص

صحاح ستہ، ص:۱۱۴

صحیح ابن حبان، ص:۸۷،۱۷۲

صحیح بخاری، ص:۳۰،۴۷،۴۸،۴۹،۵۵، ۵۶،۶۱،۶۲،۶۶،۶۷،۶۸،۷۰،۷۱،۷۳، ۷۵،۸۲،۸۳،۸۶،۸۷،۹۳،۹۵،۹۶،۱۱۱، ۱۱۴،۱۶۷،۱۸۵،۱۹۱

صحیح مسلم، ص:۶۷،۷۶،۷۸،۸۰،۸۴،۱۵۷

الصواعق المحرقہ، از ابن حجر مکی ص:۱۷۴، ۱۷۵،۱۸۹،

ط

طبقات ابن سعد، ص:۱۴۶،۱۴۷،۱۴۹،۱۹۵

ع

العقائد الطحاویہ، ص:۲۶

عقائد نسفیہ، ص:۱۸۵

العلم الشامخ فی تفضیل الحق علی الاباء والمشائخ، از صالح بن مہدی مقبلی، ص:۱۸۸

ن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محب گرامی منزلت، و فاضل گرامی مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب زیدۃ مآثرہ،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، آپ کا ۹ رجب کا مودت نامہ، جو غالباً کسی ذریعہ سے بھیجا گیا تھا، اور ایک نسخہ ''الحزب الاعظم'' جس پر آپ کی تخریج ہے، اور ایک نسخہ ''شہداء کربلا پر افتراء'' کا ایک مہینہ سے زائد تاخیر کے ساتھ مولانا منظور صاحب کے یہاں سے ملا، ''شہداء کربلا پر افتراء'' کا ایک نسخہ اس سے پہلے مل چکا تھا، اور میں اس کی رسید دینے نہیں پایا تھا کہ دوسرا نسخہ مل گیا، میری طرف سے ان دونوں گرانقدر ہدیہ پر دلی شکریہ قبول کیجئے۔ خاص طور پر ''شہداء کربلا پر افتراء'' آپ کی ایک بڑی خدمت ہے، اللہ تعالیٰ اہل بیت مظلومین کی طرف سے، اور عترۃ نبویہ کی طرف سے آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے، میں عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ ایک محقق فاضل کا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے حمیت دینی کے ساتھ توازن و اعتدال کی دولت بھی نصیب فرمائی ہے اس موضوع پر اٹھا، اللہ تعالیٰ آپ کی سعی مشکور فرمائے۔

عزیزی محمد ثانی مرحوم جو میری قوتِ بازو، اور فخر خاندان تھے، کے انتقال کے سلسلہ میں آپ کی مخلصانہ تعزیت کا شکر گزار ہوں، ووقاکم اللہ کل مکروہ

برادر محترم پروفیسر محمد عبدالمغنی صاحب کی علالت کا حال سن کر تردد ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو صحت و عافیت عطا فرمائے، میرا سلام پہنچا دیں۔

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۰۲ ہجری

۱۵ جون ۱۹۸۲ء

آپ کا ہم استاذ اور محب

ابوالحسن علی

حادثہ کربلا کا پس منظر

اور

شیخ الحدیث محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی

کی تین کتابیں

(۱) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان

(۲) شہدا کربلاؓ پر افترا

(۳) یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اُستاذ جواہر لال یونیورسٹی دہلی

ناشر: مکتبہ سید احمد شہید

10-الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

فون: 7223862-7228272-7228196